سلطان سبکتگین

صادق حسین صدیقی

PDFBOOKSFREE.PK
www.pdfbooksfree.pk

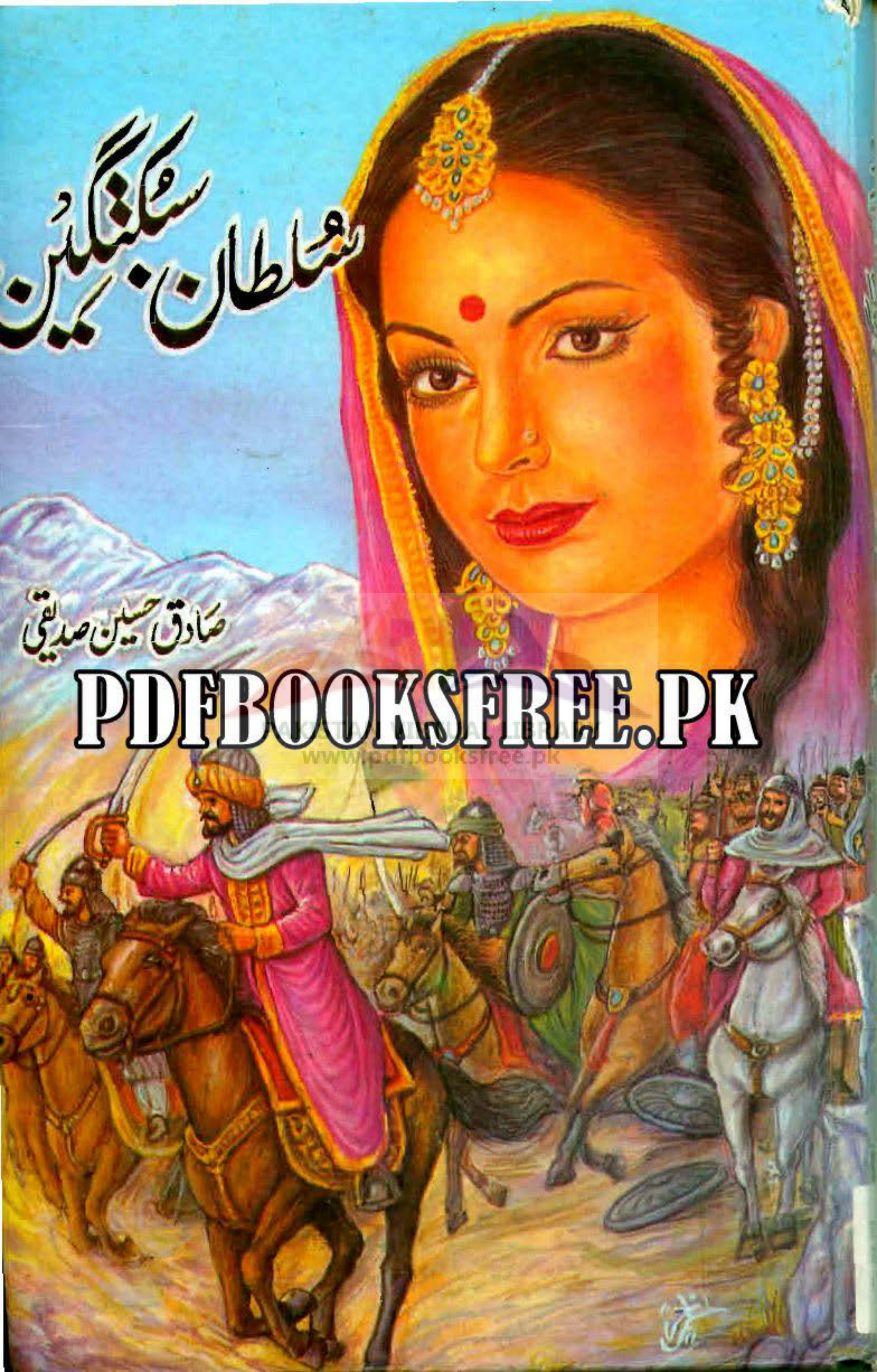

ایک تاریخی ناول

سلطان سنجر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

صادق حسین صدیقی سردھنوی

مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور

فون: 7231595

www.pdfbooksfr

دوپہر کا وقت تھا۔ آفتاب نصف النہار
لگا تھا جو برف پوش تھیں۔ تمام چٹانیں اور پ
شعاعیں سفید برف پر پڑ پڑ کر اس قدر جگمگا
نہ دیکھا جاتا تھا۔ اس درّہ سے جو کابل سے
رہے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے
عباؤں کے دامن اور عماموں کے پلے لہرا
اور نیم آستینوں کی پوستینیں پہنے ہوئے تھے
دھوپ ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ مگر تاہم ابھی
تھے۔ اس لشکر کے آگے ایک ادھیڑ عمر کا شخص
تھا۔ یہی مسلمانوں کا امیر یا سلطان تھا۔ ان
ناصر الدین سبکتگین تھا۔ سبکتگین ایران کا امیر
یہ کسی جنگ میں گرفتار ہو کر غلاموں کے زمر
کر ناصر نامی سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔
سے غزنی لے آیا۔ غزنی میں الپتگین بادشاہ
شجاعت کو دیکھ کر اُسے اپنے لشکر کا سپہ سالار م
لڑائیاں لڑا۔ اور ہر لڑائی میں فتح یاب ہوا۔
تھا۔

پہاڑ کی ان چوٹیوں پر اپنی شعاعیں بکھیرنے
پتھر سفید برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ آفتاب کی
کسی چوٹی یا کسی چٹان کی طرف بھی نظر بھر کر
ہے، شیرانِ اسلام کے فوجی دستے کوچ کر
تھے۔ اور ان جھونکوں سے مجاہدین اسلام کی
یہ لوگ سردی سے بچنے کے لئے عباؤں کے
آفتاب تمام آب و تاب سے نکلا ہوا تھا اور
سردی تھی کہ ان لوگوں کے جسم کانپ رہے
پوشاک پہنے اور عمامہ پر کلغی لگائے جا رہا
تکین" تھا۔ تاریخوں میں اس کا پورا نام امیر
یزدجرد بادشاہ ایران کی نسل میں سے تھا۔
تھا۔ اور کسی شخص نے اُس کو ترکستان میں لا
بعد یہ مسلمان ہو گیا اور ناصر اُسے ترکستان
نے سبکتگین کو خرید لیا اور اُس کی فراست اور
وہ اپنے آقا الپتگین کی ہمراہی میں کئی ایک
قدر بہادر تھا، اُسی قدر رحم دل اور سخی بھی

تمام مسلمان اُس کے مداح اور ہوا خواہ بن گئے تھے۔ یہ بات صرف اسلام میں ہے کہ جب کوئی شخص خواہ کسی طبقہ اور فرقہ کا ہو، مسلمان ہو جاتا ہے تو اُسے تمام اسلامی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور کوئی مسلمان بھی اس سے کسی قسم کا امتیاز نہیں کرتا۔ الپتگین کے مرنے کے بعد بلکاتگین بادشاہ ہوا۔ اُس نے سبکتگین کو سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔ مگر یہ 969ء میں فوت ہو گیا اور امیر پری تگین بادشاہ ہوا۔ یہ شخص بڑا مفسد اور ظالم تھا۔ اُس کے مظالم سے لوگ عاجز آ گئے۔ آخر اُسے معزول کر کے سبکتگین کو سلطان تسلیم کر لیا گیا۔ اور اس طرح سے ایک غلام، سلطان بن گیا۔

سبکتگین نہایت نیک، دانشمند، بہادر اور راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہر وقت اپنی جان تک دینے کے لئے تیار رہتا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ خدا نے سب سے بڑی

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

مہربانی مجھ پر یہ کی کہ مجھ کو مسلمان ہونے کی توفیق دی اور میں مسلمان ہو گیا۔ ایک زمانہ تھا، جبکہ میں آگ کو پوجتا تھا۔ مگر آج اس خدا کو پوجتا ہوں، جس نے دنیا اور دنیا کی ہر اک چیز کو پیدا کیا ہے۔ اور جو آگ کا بھی خالق ہے۔

سبکتگین مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ اور نہایت شان سے چل رہا تھا۔ اُس کے پیچھے ایک نوعمر شہزادہ تھا۔ اُس شہزادے کا نام محمود تھا۔ اس نوعمری ہی میں اُس کے بشرہ سے جلال و ہیبت ظاہر ہوتی تھی۔ کوئی اُس کی طرف دیکھنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ یہی وہ شیر دل محمود تھا جس نے کہ ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور ہندوستان کے خود سر اور بد عہد راجاؤں کی سرکوبی کی۔ شہزادہ کے برابر میں ایک اور جوان العمر شخص تھا۔ اُس کا نام فیروز تھا۔ سلطانی لشکر کا سپہ سالار یہی تھا۔

سلطان سبکتگین نے چلتے چلتے فیروز سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''فیروز! یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جے پال کیا چاہتا ہے۔ کیوں وہ خود بھی امن سے نہیں رہتا اور ہم کو بھی امن و سکون سے نہیں رہنے دیتا۔''

جے پال ایک ہندو راجہ تھا۔ اُس کی ولایت لاہور سے لمغان تک اور کشمیر سے ملتان تک تھی۔ لاہور اُس کا دار السلطنت تھا۔ اُس راجہ کا یہ منشاء تھا کہ کسی طرح کابل تک اپنی سلطنت کو وسیع کر لے۔ چنانچہ اُس نے اپنے اس ارادہ کی تکمیل کے لئے کئی مرتبہ لشکر کشی کی تھی لیکن ہر مرتبہ شکست کھا کر واپس ہوا تھا۔

فیروز نے کہا۔ ''پیر و مرشد! اُس کے دماغ میں یہ خیال سمایا ہوا ہے کہ وہ کابل فتح کر کے افغانوں پر حکومت کرے۔''

سبکتگین کو جوش آ گیا۔ اُس نے کہا۔ ''ایک کافر، مسلمانوں پر حکومت کرنے کی ہوس رکھتا ہے۔ لیکن وہ نہیں جانتا کہ مسلمان کسی کافر کی حکومت برداشت کر کے غلام بننا پسند نہیں کرتے ہیں۔''

فیروز: ''اعلیٰ حضرت نے بجا فرمایا۔''

سبکتگین: ''میں کہتا ہوں کہ اگر مسلمان کسی کافر کی غلامی قبول کر لیں تو وہ مسلمان ہی نہیں۔''

فیروز: ''یہی بات ہے پیر مرشد! آج کوئی مسلمان کسی قیمت پر بھی اپنی آزادی فروخت نہیں کر سکتا۔''

سبکتگین: ''مسلمان آزاد پیدا ہوتا ہے اور آزاد ہی رہے گا۔ جے پال نہیں جانتا کہ مسلمان مر جائیں گے۔ لیکن اس کی غلامی کبھی قبول نہ کریں گے۔''

فیروز: ''اس کا خیال ہے کہ مسلمانوں میں اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی جرات نہیں ہے۔''

سلطان کا چہرہ غیظ و غضب سے سرخ ہو گیا۔ اُس نے کہا۔ ''وہ مسلمانوں کی تلواروں کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ نہیں جانتا کہ جب مسلمان تلوار اُٹھاتا ہے تو پھر یا تو دشمنوں کو ختم کر کے دم لیتا ہے یا خود شہید ہو جاتا ہے۔

فیروز: ''اعلیٰ حضرت! اگر کافر جے پال یہ بات جانتا تو کبھی مسلمانوں سے لڑنے کی جرات ہی نہ کرتا۔''

سبکتگین: ''اب اُسے معلوم ہو جائے گا کہ اُس نے بد اندیشی کر کے سوئے ہوئے شیروں کو جگایا ہے۔''

فیروز: ''ان شیروں کو، جن سے دنیا تھراتی ہے۔''

محمود نے سلطان سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''میں تو یہ عرض کروں گا کہ جہاں پناہ کی رحم دلی نے اُسے اسلامی علمبردار کی طرف بڑھنے کی جرات دلائی ہے۔''

سبکتگین: ''قراۃ العین! میں نہیں چاہتا تھا کہ ہندوستان پر لشکر کشی کروں۔ لیکن بد اندیش ہندو راجاؤں نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔''

محمود: ''عالم پناہ! یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ حضور کیوں آج تک ہندوؤں سے جنگ کرنے سے بچتے رہے۔''

سبکتگین: ''اس لئے کہ ہندوؤں میں اتفاق اور اتحاد ہے۔ اس قوم کے تمام راجہ اور مہاراجہ دشمن کے مقابلے میں ایک ہو جاتے ہیں۔ اس قوم کے اکثر فرقے بڑے ستم رو اور جنگجو ہیں۔''

محمود: ''عالم پناہ! جو قوم بتوں کو پوجتی ہے، جس نے پتھروں اور دھاتوں کے خدا بنا رکھے ہیں، جو خدا کے نام سے بھی واقف نہ ہوں، وہ بھی کہیں بہادر ہو سکتے ہیں؟ مسلمانوں کا ایک ہی حملہ اُن کے حواس درست کر دے گا۔''

سبکتگین نے مسکرا کر کہا۔ ''جانِ پدر! تم نے ٹھیک بات کہی ہے۔ ہندوستان کے ہندو درختوں، دریاؤں، جانوروں، پتھروں، دھاتوں، سورج، چاند اور ستاروں وغیرہ کو پوجتے ہیں اور اُن سے ڈرتے ہیں۔ جو قوم ہر چیز سے ڈرے اور ڈر کر اسے پوجنے لگے، وہ کبھی بہادر نہیں ہو سکتی۔ لیکن میں فضول خونریزی کو پسند نہیں کرتا۔''

محمود: ''مگر جبکہ ہندوؤں کے دماغوں میں ملک گیری کی ہوس ہے اور مسلمانوں کو غلام بنانے کی ہوس ہے۔ پھر کیوں نہ اُن کے سروں سے یہ فتور دُور کر دیا جائے۔''

سبکتگین: ''اسی لئے اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ یا تو لمغان سے لاہور تک اسلامی علم لہرا دُوں گا۔ اسلام کا ڈنکا بجا دُوں گا اور ہندو راجاؤں کو اپنا غلام بنا لوں گا۔ یا اسی جد و جہد میں خود شہید ہو جاؤں گا۔''

محمود: ''میرا خیال ہے کہ شیرانِ اسلام کو دیکھتے ہی ہندو بدحواس ہو جائیں گے۔ اور جے پال صلح کرنے کے لئے حضور کے سامنے جھکے گا۔''

سبکتگین: ''مگر میرا خیال ایسا نہیں ہے۔ ہندو لڑاکا ہیں۔ اس آریہ قوم کی اولاد ہیں جو افغانستان سے ہندوستان گئی تھی اور جس نے ہندوستان کے پرانے باشندوں کا بے دردی سے قتل عام کیا تھا۔ اُن کے شہروں کو تاراج کر دیا تھا اور ان کی دولت و ثروت لوٹ لی تھی۔ ان کے زن و

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

فرزند کو غلام بنالیا تھا۔ وہ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہیں۔ دولت و امارات کے بھوکے ہیں۔ لڑیں گے، اور اس وقت تک لڑیں گے، جب تک ان میں دم خم باقی رہے گا۔"

محمود نے ذرا جوش میں آ کر کہا۔ "اعلیٰ حضرت! مسلمانوں سے مقابلہ کر کے انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے دنیائے امن و امان میں جنگ کی چنگاری ڈال کر بڑی ناعاقبت اندیشی کی ہے۔"

سبکتگین: "لختِ جگر! اگر میری عمر نے وفا کی تو میں ان ہندو راجاؤں کے دماغ سے فخر و غرور نکال دوں گا۔ ان کے شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر لوں گا۔ اور اگر میں شہید ہو گیا تو میرے نورِ نظر! تم اس کام کو انجام دینا۔"

محمود: "خدا آپ کا ظلِ عاطفت مسلمانوں پر عرصہ دراز تک قائم رکھے۔ لیکن اگر حضور شہید ہو گئے تو میں قسم کھا کر اقرار کرتا ہوں کہ ہندو راجاؤں سے اس وقت تک جنگ کروں گا تاوقتیکہ اُن کے تمام کس بل نہ نکال دوں گا یا خود شہید ہو کر خود بھی حضور کے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

سبکتگین کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اُس نے کہا۔ "مجھ کو تمہاری ذات سے ایسی ہی توقع ہے۔ ہندوؤں نے بلاوجہ جنگ چھیڑ کر ہمیں غضبناک کر دیا ہے۔"

محمود: "اب ہم کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر ہندوؤں کا کماحقہ استیصال نہ کیا گیا تو جب وہ موقع پائیں گے، ہم پر لشکر کشی کریں گے۔"

سبکتگین: "یہی بات ہے۔ اور اسی لئے ان کا سر کچلنا ضروری ہے۔"

اب یہ درّہ میں سے باہر نکل کر ایک کھلے میدان میں جا نکلے۔ یہی سلطان کا درّہ مشہور و معروف میدان تھا، جس میں جے پال کا عظیم الشان لشکر ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ جے پال تنہا نہ تھا، بلکہ قرب جوار کے راجاؤں کے مشہور افسروں اور جانباز فوجی سپاہیوں کو بھی ہمراہ لایا تھا۔ اُس کے ہمراہ تقریباً ستر، اسّی ہزار لشکر تھا۔ دُور تک خیموں کی قطاریں پھیلی چلی گئی تھیں۔ سلطان سبکتگین کے ہمراہ صرف اٹھارہ ہزار ہی لشکر تھا۔ سلطان محمود اور فیروز تینوں چٹانوں سے آگے بڑھے اور راستہ کے ایک کنارے پر کھڑے ہو گئے اور فوجی سپاہیوں کے دستے درّہ میں سے نکل کر پھیلنے لگے۔ جے پال اور اُس کے لشکر نے غازیانِ اسلام کو آتے دیکھا تو وہ لشکر گاہ کے کنارے پر آ کر کھڑے ہو گئے اور شیرانِ اسلام کو دیکھنے لگے۔

یہ میدان نہایت طویل و عریض تھا۔ میلوں لمبا اور میلوں چوڑا تھا۔ راجہ جے پال کا لشکر اس میدان کے آخری کنارے پر مسلمانوں سے دو میل کے فاصلہ پر پڑا ہوا تھا۔ اسلامی لشکر بھی درّہ سے نکل کر میدان میں پھیلنے اور خیمے نصب کرنے لگا۔ مسلمانوں نے اس طرح خیمے نصب کئے کہ لشکر کی تعداد اصل سے دوچند معلوم ہونے لگی۔ جب خیمے نصب ہو چکے، تب سلطان اور اُس کا بیٹا محمود اور سپہ سالار فیروز بڑھے اور اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ چونکہ لشکر سفر کر کے آ رہا تھا، اس لئے سپاہی بھی آرام کرنے کے لئے اپنے اپنے خیموں کے اندر جا گھسے۔

☆.....☆.....☆

ملغان، پشاور اور کابل کے درمیان میں واقع ہے۔ اگرچہ یہ میدان نہایت وسیع ہے۔ اور آفتاب طلوع ہو کر جب اپنی کرنیں بکھیرتا ہے تو قدرے گرمی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر برف پوش پہاڑیوں اور چٹانوں میں گھرا ہونے کی وجہ سے سردی اس قدر زیادہ پڑتی ہے کہ بسا اوقات ناقابلِ برداشت ہو کر انسانوں کو سخت تکلیف پہنچاتی ہے۔ اس میدان میں کئی چھوٹے چھوٹے چشمے بہتے تھے۔ مگر ایک چشمہ دوسرے چشموں سے اس قدر بڑا تھا اور اُسے ہندو نہایت پاک اور اُس کے پانی کو بڑا متبرک سمجھتے تھے۔

جے پال لشکر کے کنارے پر کھڑا ہو کر اسلامی لشکر کو آ آ کر میدان میں پھیلتا اور خیمے نصب کرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ جب مسلمانوں کا تمام لشکر آ چکا، تب وہ واپس لوٹا اور اُس نے اپنے لشکر پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ جس طرف اور جہاں تک بھی اُس کی نظر گئی، وہاں تک ہندوؤں کا لشکر متیم تھا۔ اور ہندو چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اُس کا دل مسرت سے دھڑکنے لگا۔ اور سینہ وفورِ مسرت سے لبریز ہو گیا۔ جب وہ اپنے خیمے پر پہنچا تو اُس کے خاص رسالہ نے اُس کا استقبال کیا۔ اُس کے رسالہ کے سپاہی نہایت تنومند، قوی ہیکل اور دراز قد تھے۔ اُن کی داڑھیاں تراشیدہ اور مونچھیں لمبی لمبی تھیں۔ سر کے بال کانوں سے نیچے تک پٹوں کی طرح تھے۔ اُن کے چہرے ہیبت ناک اور آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ تمام صرف ایک ایک دھوتی پہنے ہوئے تھے جو کہ گھٹنوں سے ذرا نیچے تھے۔ باقی تمام جسم ننگا تھا اور سینوں پر بال کثرت سے تھے۔ سب تلواریں لٹکائے، کمانیں شانوں پر ڈالے، برچھے ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے۔ جے پال کا خیمہ نہایت شاندار اور وسیع تھا۔

وہ اپنے خیمے میں داخل ہو گیا۔ جب وہ مسند پر جا کر بیٹھا تو اُس نے ہتھیلی بجائی۔ فوراً ایک سپاہی حاضر ہوا اور جے پال نے اُس سے کہا۔ "بھیم کو لاؤ!"

سپاہی چلا گیا۔ جے پال کچھ سوچنے لگا۔ کچھ عرصہ ٹھہرنے پر ایک نوجوان شخص آیا۔ اُس کی داڑھی صاف تھی اور مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔ وہ بھی صرف ریشمی دھوتی پہنے ہوئے تھا اور باقی جسم ننگا تھا۔ مگر برہنگی کے عیب کو چھپانے کے لئے اُس نے موتیوں کے ہار کثرت سے پہن رکھے تھے۔ اُس کے سر پر بھی لمبے لمبے بال تھے۔ اور اُس نے بالوں کے اوپر ہار لپیٹ رکھے تھے۔ یہی بھیم تھا۔ وہ جے پال کے لشکر کا سپہ سالار تھا۔ وہ آتے ہی ہاتھ جوڑ کر جھک گیا۔ جے پال نے اُسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "آؤ بھیم! بیٹھو۔"

بھیم بڑھ کر اُس کے سامنے جا بیٹھا۔ جے پال نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بھیم! تم نے مسلمانوں کا لشکر دیکھا ہے؟"

بھیم نے سر جھکا کر کہا۔ "ان داتا! دیکھا ہے۔"

جے پال: "کس قدر اندازہ کیا..... کس قدر لشکر ہو گا؟"

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

بھیم: ''میرے خیال میں بیس ہزار سے کم نہ ہوگا۔''

جے پال: ''میں نے بھی یہی اندازہ کیا ہے۔ بھلا ہمارا لشکر کس قدر ہے؟''

بھیم: ''اسی ہزار ہے۔''

جے پال: ''مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں سلطان زیادہ لشکر نہ لے آئے۔''

بھیم: ''مجھے بھی یہی خوف تھا۔''

جے پال: ''یقین ہے کہ مسلمانوں کو ہمارا لشکر کچل ڈالے گا۔''

بھیم: ''ہونا تو ایسا ہی چاہئے۔''

جے پال نے بھیم کے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔ ''کیوں..... تم کو اس میں کچھ شک ہے؟''

بھیم: ''مہاراج! شاید آپ نے مسلمانوں کے کارنامے نہیں سنے۔''

جے پال: ''کیسے کارنامے؟''

بھیم: ''انہوں نے ہمیشہ اپنے سے آٹھ آٹھ اور دس دس گنا غنیم پر فتح پائی ہے۔''

جے پال: ''یہ محض افسانے ہیں۔ جو مسلمانوں نے اپنے دشمنوں کو ڈرانے کے لئے تراشے ہیں۔''

بھیم: ''مگر حضور نے کیا راجہ داہر اور محمد بن قاسم[1] کی جنگ کے واقعات نہیں سنے؟''

جے پال: ''سنے ہیں۔''

بھیم: ''میں نے سنا ہے کہ محمد قاسم صرف چھ ہزار لشکر لے کر سندھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اور راجہ داہر کو اُس نے اس قلیل التعداد لشکر سے شکست دے کر ملتان تک قبضہ کر لیا تھا۔''

جے پال: ''سندھی لوگ کم ہمت، بزدل اور آرام طلب ہیں۔''

بھیم: ''لیکن حضور! اس لڑائی میں سب سے زیادہ حیرت کی بات جو ہے، وہ یہ ہے کہ محمد قاسم نوعمر بچہ تھا۔ جس کی عمر زیادہ سے زیادہ سترہ سال تھی۔''

جے پال: ''مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ مگر اس واقعہ کو یاد دلانے سے تمہارا کیا منشاء ہے؟''

بھیم: ''میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بیس ہزار مسلمان کچھ کم نہیں، کافی ہیں۔''

جے پال نے کچھ برا سا منہ بنا کر کہا۔ ''بہت زیادہ ہیں؟ گویا وہ ہمارے لشکر کا اچھی طرح سے مقابلہ کر سکتے ہیں؟''

بھیم: ''میرا یہی خیال ہے۔''

جے پال نے غصہ کے لہجے میں کہا۔ ''تب تو تم بھی مجھے بزدل معلوم ہوتے ہو۔''

بھیم: ''ان داتا! میں بزدل نہیں ہوں۔ حضور لڑائی کے وقت دیکھ لیں گے کہ سب سے آگے جا کر سب سے زیادہ لڑنے والا آپ کا یہی خادم ہوگا۔''

جے پال: ''مجھے تم سے یہی توقع ہے۔ سنو بھیم! میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی طرح سے سلطان

[1] اس جنگ کا مفصل حال پڑھنے کے لئے ہمارا ناول محمد بن قاسم پڑھئے (صادق حسین صدیقی)

سبکتگین کو گرفتار کر لو یا قتل کر ڈالو۔ پھر مسلمانوں کو شکست دے کر غزنی پر قبضہ کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔''

بھیم: ''مگر حضور! سلطان کو گرفتار کر لینا بھی تو آسان بات نہیں ہے۔''

جے پال: ''کوشش کرو! ایک طرف سے تم حملہ کرنا اور دوسری طرف سے میں حملہ کروں گا۔ اگر ہم نے ذرا بھی جرات و ہمت سے کام لیا تو یقین غالب ہے کہ سلطان تک ضرور پہنچ جائیں گے۔''

بھیم: ''میں غادم ہوں۔ راجپوت ہوں۔ میرا کام اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرنا اور لڑائی میں جان تک کی بازی لگا دینا ہے۔''

جے پال: ''مگر تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ لڑائی کے علاوہ تمہارے دل و دماغ میں کوئی اور خیال بھی چکر لگا رہا ہے۔''

بھیم: ''مہاراج! آپ کے سامنے جھوٹ بولنا پرماتما کے سامنے جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔ میرے دل میں ضرور ایک خیال پیدا ہو رہا ہے۔''

جے پال: ''کیا؟''

بھیم: ''اگر حضور مناسب سمجھیں تو مسلمانوں سے صلح کر لیں۔''

جے پال کو غصہ آ گیا۔ اُس نے درشت لہجے میں کہا۔ ''ایک ملیچھ سے صلح کر لوں..... اور راجپوتوں کی آن پر بٹہ لگا لوں؟ کس قدر بیہودہ خیال ہے تمہارا۔''

بھیم: ''ان داتا! میں نے کسی بزدلی کے خیال سے ایسا نہیں کہا ہے۔ بلکہ میں حضور کا بھی خواہ ہوں۔ اور خیر خواہی کے خیال ہی سے ایسا عرض کر رہا ہوں۔''

جے پال: ''کیا یہی تمہاری خیر خواہی ہے کہ میں مسلمانوں سے صلح کر کے ہندوستان کے راجاؤں کی نظروں میں ذلیل و حقیر ہو جاؤں؟''

بھیم: ''اگر یہ بات نہیں ہے تو حضور تہیہ کر لیں کہ جب تک مسلمانوں کو ہزیمت نہ دے دیں گے، غزنی پر قبضہ نہ کر لیں گے اُس وقت تک لاہور واپس نہ جائیں گے۔''

جے پال: ''میں لاہور سے قصد کر کے آیا ہوں۔ سنو! سلطان سبکتگین بوڑھا ہو گیا ہے۔ اُس میں لڑنے کی قوت نہیں ہے۔ اُسے زیر کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔''

بھیم: ''مگر اُس کا نوجوان بیٹا محمود؟''

جے پال: ''وہ ناتجربہ کار ہے۔''

بھیم: ''اور اُس کا سپہ سالار فیروز؟''

جے پال: ''وہ بھی نوعمر ہے۔ بھیم! میں عہد کر چکا ہوں کہ مسلمانوں کو شکست دے کر غزنی پر قبضہ کر کے رہوں گا۔''

بھیم: ''ایشور آپ کی پرتگیا (عہد) پوری کرے۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

جے پال: ''وہ وقت کس قدر مسرت کا ہوگا جب غزنی فتح کر لینے سے سارے ہندوستان میں میری شہرت ہو جائے گی۔''

بھیم: ''ہند کے تمام راجہ اور مہاراجہ آپ کو بدھائی (مبارکباد) دیں گے۔''

جے پال: ''اور عورتیں اور مرد میری تعریف کریں گے۔''

بھیم: ''اچھا! تو میں حضور کی پرتگیا کا ذکر افسروں سے کر دوں؟''

جے پال: ''ضرور کر دو! اور افسروں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اپنے دستہ کے سپاہیوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنے راجہ کی پرتگیا پوری کرنے کے لئے جان تک کی بازی لگا دیں گے۔''

بھیم: ''بہتر ہے۔''

جے پال: ''چونکہ مسلمان سفر کر کے آ رہے ہیں۔ اس لئے انہیں آرام کرنے کا موقع ہی نہ دینا چاہئے۔ تمام لشکر میں اعلان کر دو! کہ آج ہی لڑائی کی تیاریاں کر لیں۔ اور کل صبح ہوتے ہی میدانِ جنگ میں پہنچ جائیں۔''

بھیم: ''بہت اچھا حضور!''

پھر بھیم اُٹھا، ہاتھ جوڑ کر جھکا اور اسی طرح سلام کر کے خیمے سے باہر نکل گیا۔ اُس نے خیمے پر پہنچتے ہی لشکر کے تمام افسروں کو طلب کر کے جے پال کی پرتگیا یا عہد کا حال سنا کر انہیں ہدایت کر دی کہ وہ ہر سپاہی میں ایسا جوش اور ایسی رُوح پھونک دیں کہ کل میدانِ جنگ میں جاتے ہی وہ مسلمانوں کا خاتمہ کر ڈالیں اور سلطان سبکتگین اور اُس کے بیٹے محمود کو قتل یا اسیر کر لیں۔ افسر اُٹھ اُٹھ کر چلے گئے اور اُنہوں نے اپنے اپنے دستہ کے سپاہیوں کو تمام واقعہ کہہ کر انہیں جنگ کے لئے تیار ہو جانے کا حکم دے دیا۔ اس لشکر میں لاہور کے علاوہ دہلی، اجمیر، قنوج وغیرہ کی فوجیں تھیں۔ جے پال نے جب غزنی پر لشکر کشی کا ارادہ کیا تھا تو اُس نے بہت سے راجاؤں کو امدادی لشکر بھیجنے کے لئے لکھا تھا اور اُنہوں نے فوجیں بھیج دی تھیں۔ جے پال ان تمام فوجوں کو لے کر غزنی پر حملہ کرنے کے لئے چل پڑا۔

سلطان سبکتگین کا دارالسلطنت غزنی تھا۔ اُسے بھی کسی نہ کسی طرح جے پال کی لشکر کشی کا علم ہو گیا تھا اور وہ اُس کا مقابلہ کرنے کے لئے وہاں سے چل کر لمغان کے میدان میں آ گیا تھا۔ جے پال کے لشکر میں ساری رات سپاہی تیاریاں کرتے رہے۔ دوسرے روز آفتاب طلوع ہوتے ہیں اُس کی فوج میں گھنٹے گھڑیال بجنے اور ناقوس پھونکے جانے لگے۔ چونکہ اس لشکر میں مختلف چیزوں کو پوجنے والے لوگ تھے اس لئے سب نے اپنے اپنے معبودوں کی پرستش شروع کر دی۔ کسی نے بتوں کو پوجا، کسی نے سانپ کی تصویر کے سامنے سر جھکایا اور کوئی سورج کے سامنے جھک گیا۔ پوجا پاٹ سے فارغ ہوتے ہی وہ مسلح ہو ہو کر میدانِ جنگ میں پہنچے اور میمنہ و میسرہ قائم کر کے صف بندی کرنے لگے۔

☆.....☆.....☆

مسلمانوں نے تمام شب آرام کیا اور گجردم بیدار ہو کر ضروریات سے فراغت کر کے صبح کی نماز پڑھی۔ ابھی وہ نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ہندوؤں کے لشکر میں گھنٹوں اور ناقوس کی آواز گونجی۔ سلطان نے دُعا مانگنے کے بعد کہا۔ ''مسلمانو! معلوم ہوتا ہے کہ دشمن آج ہی میدانِ جنگ میں آ کر ہماری تلواروں سے ٹکرانا چاہتا ہے۔ شاید اُس کا یہ خیال ہے کہ تم تھکے ہوئے ہو اور اس لئے وہ ہم پر حملہ کر کے کامیاب ہو جائے گا۔ میں بھی یہ سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کا کسل ابھی دُور نہیں ہوا۔ مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کو آرام کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ تم وہ جفاکش قوم ہو جو رات دن سفر کرتی اور دشمن سے نبرد آزما رہی ہے۔ اسلامی جانبازو! ہندوؤں نے اعلانِ جنگ کر دیا ہے۔ ہم نے ان کے اعلان کو منظور کر لیا ہے۔ پہلے وہی میدانِ کارزار میں آئے ہیں۔ گویا ہر بات کی ابتداء ان ہی کی طرف سے ہوئی ہے۔ تم بھی میدان میں نکلو..... میمنہ اور میسرہ قائم کرو۔ اور اسلام کی عزت اور مسلمانوں کی شان باقی رکھنے کے لئے اس جوش سے حملہ کرو کہ دشمن پر تمہاری بہادری کا سکہ بیٹھ جائے۔''

اب اُس نے ایک ایک کا نام لے کر ہدایات کرنا شروع کیں۔ اُس نے کہا۔ ''شمس الدین! تم میمنہ اور عز الدین! تم میسرہ میں اپنے اپنے لشکر لے کر پہنچ جاؤ۔ جلال الدین! تم ساقہ میں رہو۔ فیروز الدین! تم ایک ہزار سواروں کا دستہ لے کر پہاڑوں میں گھس جاؤ اور درّوں نیز گھاٹیوں میں سے چکر کاٹ کر اس پہاڑی ٹیلے پر پہنچ جاؤ جو اس میدان کے عین بیچ میں مغرب کی طرف واقع ہے۔ بس! مجھے اور کچھ نہیں کہنا ہے۔ خدا کا نام لے کر جاؤ۔ میں بھی آ رہا ہوں۔ قلب میں خود میں رہوں گا۔''

مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پُرشور نعرہ لگایا اور اُٹھ اُٹھ کر اپنے خیموں پر پہنچے۔ جلدی جلدی مسلح ہوئے اور میدانِ کارزار میں جا جا کر صف بستہ ہونے لگے۔ چونکہ ہندوؤں کا لشکر بہت زیادہ تھا۔ اس لئے اُن کی صفیں بہت لمبی ہو گئی تھیں۔ اتنی لمبی کہ میمنہ والوں کو میسرہ والے اور میسرہ والوں کو میمنہ والے نظر نہ آتے تھے۔ پھر ساقہ، قلب اور عقب ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر تھے۔ اس لئے ہندو سواروں کے دستے جس طرف اور جہاں تک نظر کام کرتی تھی، بکھرے ہوئے تھے۔ اگرچہ مسلمان تھوڑے تھے۔ مگر اُنہوں نے بھی ہندوؤں کے سامنے اتنی ہی لمبی صفیں قائم کیں جتنی کہ اُن کی تھیں۔ شمس الدین میمنہ میں اور عز الدین میسرہ میں اپنے اپنے دستوں کو لے جا کر کھڑے ہوئے۔ قلب میں خود سلطان کھڑا ہوا۔ فیروز الدین جسے سب فیروز کہتے تھے، ایک ہزار سواروں کا دستہ لے کر درّہ میں گھس گیا تھا اور چٹانوں کے پیچھے اس پہاڑی کی ٹیکری کی طرف بڑھ رہا تھا جو میدان کے بیچ میں مغرب کی جانب تھی۔ اس ٹیکری سے ذرا فاصلے پر ہندوؤں کا لشکر کھڑا تھا۔ جب دونوں لشکر صف بستہ ہو گئے تو جے پال نقرئی زرہ پہن کر ایک گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر میں آیا اور ایک اُونچے ٹیلے پر کھڑا ہو گیا۔

اُس نے پہلے مسلمانوں کے لشکر کو دیکھا، اور پھر اپنے بڑی دل لشکر پر نظر ڈالی۔ مسلمانوں کو

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

تھوڑا اور ہندوؤں کو زیادہ دیکھ کر اُس کا سینہ مسرت سے بھر گیا۔ اُس نے کہا۔ اوہ..... ان مسلمانوں کو ختم کر ڈالنا کون سی بڑی بات ہے؟

اسی وقت بھیم اُس کے قریب آیا۔ اُس نے کہا۔ ''مہاراج! ہندو لڑائی کے لئے بے تاب ہو رہے ہیں۔''

جے پال: ''میں اپنے سپاہیوں کی پُر جوش صورتیں اور غضبناک نگاہیں دیکھ رہا ہوں۔ میرے ژن بیر (جنگی بہادر) مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ کسی ایک ہندو کے خون کا قطرہ بھی نہ بہے اور ہماری وجے (فتح) ہو جائے۔''

بھیم نے حیرت بھری نظروں سے راجہ جے پال کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے مہاراج؟''

جے پال: ''اگر ہم سلطان کو مار ڈالیں یا اسیر کر لیں تو مسلمان شکستہ دل ہو کر بھاگ جائیں گے۔ ہتھیار ڈال کر ہماری اطاعت قبول کر لیں گے۔''

بھیم: ''مگر میرے خیال میں سلطان کے مارے جانے یا اسیر ہو جانے سے مسلمانوں کا جوش و غصہ اور بڑھ جائے گا۔ اور وہ جان توڑ کر لڑیں گے۔''

جے پال: ''ہرگز نہیں۔ ادھر سلطان قتل یا اسیر ہوا، اور اُدھر مسلمانوں نے شکست اُٹھائی۔''

بھیم: ''مگر سلطان پر قابو پانے کے لئے کیا تدبیر کی جائے؟''

جے پال: ''کسی سور بیر کو میدانِ جنگ میں بھیجو۔ اور وہ سلطان کو اپنے سے لڑنے کے لئے طلب کرے۔''

بھیم: ''مسلمانوں کا قاعدہ ہے کہ سپاہی، سپاہی سے۔ افسر، افسر سے اور سلطان، راجہ سے لڑتا ہے۔ سلطان آپ کے ساتھ لڑنے پر آمادہ ہو جائے گا۔''

جے پال: ''میرے ساتھ؟ میں تو سلطان سے لڑنا نہیں چاہتا۔''

بھیم: ''تو سلطان کسی اور کے ساتھ لڑنے کے لئے ہرگز نہ آئے گا۔''

جے پال: ''کوشش تو کرنی چاہئے۔''

بھیم: ''بہت اچھا..... میں نروجن کو بھیجتا ہوں۔''

جے پال: ''ٹھیک ہے۔ وہ نہایت نیک، بہادر اور بڑا نڈر شخص ہے۔''

بھیم: ''اور جنگجو پورا ہے۔''

جے پال: ''ہاں..... جنگجو بھی ہے۔ یقین ہے کہ وہ سلطان کو مار ڈالے گا۔ اچھا! اُسے بلاؤ۔''

بھیم نے ایک سپاہی کو نروجن کو بلانے کے لئے بھیجا۔ نروجن نہایت بہادر، تجربہ کار اور جنگجو تھا۔ وہ پانچ ہزار سواروں پر افسر تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں سپاہی نروجن کو بلا لایا۔ اُس نے آتے ہی ہاتھ جوڑ کر جے پال کے قدموں کو بوسہ دیا۔ جے پال نے کہا۔ ''نروجن! آج تمہاری دلیری کا امتحان لینا ہے۔''

نروجن: ''ان داتا! میں تیار ہوں۔''

جے پال: ''تم میدانِ جنگ میں جاؤ۔ اور سلطان کو اپنے مقابلے کے لئے طلب کر کے اُسے قتل کر ڈالو یا اسیر کر کے لے آؤ۔''

نروجن: ''کیا تنہا جاؤں میں مہاراج؟''

جے پال: ''میں تو یہی چاہتا ہوں۔''

نروجن: ''حضور! مسلمان سے تنہا لڑنے کے لئے نہ بھیجئے۔''

جے پال: ''میں یہ کب کہتا ہوں کہ تم سارے مسلمانوں سے لڑو۔''

نروجن: ''مگر سلطان سے تو لڑنے کے لئے کہہ رہے ہیں حضور!''

جے پال: ''ہاں..... تنہا سلطان سے۔''

نروجن: ''حضور واقف نہیں۔ یوں تو ہر مسلمان خونخوار بھیڑیا ہوتا ہے۔ رہا سلطان، اگر اُسے شیر کہا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔''

جے پال: ''تم مسلمانوں کو بہادر سمجھتے ہو..... مجھ کو بڑا تعجب ہے۔''

نروجن: ''جو لوگ مسلمانوں سے لڑ چکے ہیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ کیا ہیں۔''

جے پال: ''اچھا! تو تم تنہا جانا مناسب نہیں سمجھتے۔''

نروجن: ''جی ہاں۔''

جے پال: ''پھر کس قدر لشکر لے جانا چاہتے ہو؟''

نروجن: ''اگر حضور حکم دیں تو اپنا تمام دستہ لے جاؤں۔''

جے پال: ''تمام دستہ؟''

نروجن: ''جی ہاں حضور۔''

جے پال: ''یہ تو بڑی بزدلی کی بات ہے۔''

نروجن: ''اگر حضور یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے قدموں پر نثار ہو جاؤں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔''

جے پال: ''ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ تم جس طرح سے بھی ہو، سلطان کو قتل کر آؤ۔''

نروجن: ''بس! تو مجھے اپنے پانچ ہزار سپاہیوں کو لے جانے کی اجازت دیجئے۔''

جے پال: ''اچھا..... لے جاؤ!''

نروجن روانہ ہونے لگا۔ جے پال نے اُسے روک کر کہا۔ ''ٹھہرو نروجن! اگر تم سلطان کا سر لے آئے یا اُسے اسیر کر لائے تو تم کو اس قدر دولت دی جائے گی کہ تم ہشت پشت تک کے مالا مال ہو جاؤ گے۔''

نروجن: ''ان داتا! آپ کی کرپا (مہربانی) سے پرمیشور کی دی ہوئی دولت میرے پاس بہت ہے۔ مجھے سونے چاندی کی ٹکیوں کی ضرورت نہیں ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

جے پال: ''اور کیا چاہتے ہو تم..... کوئی جاگیر، قلعہ یا شہر؟''

نروجن: ''نہیں حضور! میں یہ بھی نہیں چاہتا۔''

جے پال: ''پھر کیا خواہش ہے؟''

نروجن: ''اگر جان کی امان کا وعدہ کیجئے تو عرض کروں۔''

جے پال: ''تم کو امان دی جاتی ہے۔''

نروجن: ''میری ایک تمنا ہے حضور!''

جے پال: ''کیا؟''

نروجن: ''مجھے حضور کے وزیر اعظم سیلا دت کی بیٹی منورما سے محبت ہے۔ اگر میں سلطان کو اسیر کر لاؤں یا قتل کر ڈالوں اور یا مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دوں تو حضور میری شادی منورما سے کرا دیں۔''

جے پال کا وزیر اعظم ایک برہمن نارائن سیلا دت نامی تھا۔ اُس کی لڑکی منورما بے حد حسین تھی۔ جے پال کو اُس کی یہ شرط نہایت ہی کڑی اور ناگوار معلوم ہوئی۔ مگر اُس نے اپنے بشرہ سے کبیدگی کے آثار ظاہر نہ ہونے دیئے اور قدرے لاپرواہی کے انداز سے کہا۔ ''یہ کون سی بڑی بات ہے نروجن!''

نروجن یہ سن کر بڑا خوش ہوا۔ اُس نے آگے بڑھ کر پھر جے پال کے قدم چومے اور مشکورانہ نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میری عرصہ سے یہی تمنا ہے حضور!''

جے پال: ''تمہاری تمنا بر لائی جائے گی۔''

نروجن نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''حضور کی جے ہو۔''

بھیم نے جے پال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مگر مہاراج.....!''

جے پال: ''اگر مگر نہ کرو بھیم!''

بھیم: ''ایک ضروری بات عرض کرنی ہے۔''

جے پال: ''کیا؟''

بھیم: ''نارائن سیلا دت اپنی لڑکی کی شادی کسی راجپوت سے نہیں کرنا چاہتے۔''

جے پال: ''کیا وہ میری بات بھی ٹھکرا دے گا؟''

بھیم: ''میں نہیں کہہ سکتا۔''

جے پال نے جوش اور غصہ میں آ کر کہا۔ ''سنو! ہندوستان میں کسی راجہ یا مہاراجہ کی بھی یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ میری کسی بات کو ٹھکرائے۔ نارائن سیلا دت تو میرا وزیر ہے۔ اور اُسے وہی کرنا ہوگا، جو میں حکم دوں گا۔''

بھیم کو کچھ اور کہنے کی جرات نہ ہوئی۔ وہ خاموش ہو گیا۔ جے پال نے نروجن سے کہا۔ ''بہادر نروجن! میں تم کو اطمینان دلاتا ہوں کہ جب تم فتح پا کر آؤ گے تو تمہاری شادی منورما سے کر

دی جائے گی۔''

نروجن: ''کیا حضور یہ بچن دیتے ہیں؟''

جے پال: ''ہاں..... بچن دیتا ہوں۔''

نروجن: ''تو میں بھی اقرار کرتا ہوں کہ سلطان کو قتل کئے بغیر میدانِ جنگ سے واپس نہ آؤں گا۔''

جے پال یہ سن کر خوش ہو گیا۔ اُس نے کہا۔ ''شاباش میرے بہادر افسر!''

آفریں..... صد آفریں..... نروجن وہاں سے چلا اور اپنے رسالے میں آیا اور رسالہ کے تمام سواروں کو ہمراہ لے کر میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

نروجن اپنے پانچ ہزار سواروں کو لے کر روانہ ہوا۔ چونکہ جے پال نے اُسے اطمینان دلایا تھا کہ وہ اُس کی شادی منورما سے کرا دے گا۔ اس لئے وہ نہایت خوش ہوا تھا۔ اور دریائے مسرت میں غوطے کھاتے ہوئے بڑھا چلا جا رہا تھا۔ جب وہ اسلامی لشکر سے چار فرلانگ کے فاصلے پر پہنچا تو رُک گیا۔ اُس نے اپنے سواروں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''سورما راجپوتو! مہاراجہ جے پال نے اپنے تمام لشکر میں سب سے زیادہ بہادر تم کو سمجھا ہے۔ لہٰذا اُس نے حکم دیا ہے کہ تم سلطان سبکتگین کو قتل کر ڈالو یا گرفتار کر لو۔ اور یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ تم کو دولت دے کر مالا مال کر دے گا۔ یہ مسلمان تمہارے دیوی دیوتاؤں اور خداؤں کو برا کہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قتل کرنے سے خدا، دیوی اور دیوتا سب خوش ہو جائیں گے۔'' اُس کی باتیں سن کر سب نے جوش میں آ کر جیکارے لگائے۔

اب نروجن نے کہا۔ ''میں بڑھ کر سلطان کو اپنے مقابلہ کے لئے طلب کرتا ہوں۔ اگر میں اُس سے لڑائی میں کمزور رہا تو تلوار سے تمہاری طرف اشارہ کروں گا۔ تم فوراً حملہ کر دینا۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور تقریباً دو فرلانگ آگے بڑھ کر پکارا۔ ''میں تمہارے سلطان کو لڑنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر اس میں مقابلے کی جرات ہے تو میدانِ جنگ میں نکل آئے۔''

اُس کی یہ گستاخانہ گفتگو کچھ مسلمانوں نے سنی اور سلطان کو اس سے آگاہ کیا۔ سلطان کو جوش آ گیا۔ اُس نے کہا۔ ''یہ کافر زادہ اپنی شجاعت پر مغرور ہے۔ میں انشاء اللہ اس کا سر غرور توڑ ڈالوں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اُس نے گھوڑے کو آگے بڑھایا۔

لیکن ابھی اُس کا گھوڑا چند قدم بھی نہ چلا تھا کہ ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر اُس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور نہایت ادب سے بولا۔ ''اعلیٰ حضرت کو اُس کافر زادہ کے سامنے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اُس کا فیصلہ کر آؤں۔''

سبکتگین نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''منصور! وہ مجھے طلب کر رہا ہے۔'' اُس نوجوان کا نام منصور تھا۔ اگرچہ یہ نوجوان نہ تھا مگر نہایت بہادر اور شیر دل تھا۔ اور اس نوعمری ہی میں ترقی کرتے

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

کرتے ایک ہزار سواروں پر افسر ہو گیا تھا۔ اُس نے کہا۔ ''عالم پناہ! اگر راجہ جے پال خود لڑنے کے لئے آتا اور حضور کو طلب کرتا اور حضور تشریف لے جاتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔ لیکن ایک عام آدمی سے لڑنے کے لئے اعلیٰ حضرت کا جانا ہم جانثار کسی طرح سے بھی مناسب نہیں سمجھتے۔''

سلطان کچھ سوچنے لگا۔ منصور نے کہا۔ ''جہاں پناہ! مجھے اجازت دیجئے۔ تاکہ میں اُس کافر زادہ کے مقابلہ کے لئے نکلوں۔''

سلطان: ''اچھا..... جاؤ منصور!''

منصور نے سلام کیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نروجن کی طرف چلا۔ وہ گھوڑے کو تیز دوڑا کر اُس کے سامنے جا پہنچا۔ نروجن نے اُسے دیکھا اور غور سے دیکھا۔ اچھی طرح سے دیکھنے کے بعد اُس نے کہا۔ ''تم ایک نوعمر جس کی مسیں بھی ابھی نہیں بھیگی ہیں، مجھ جیسے جودھا اور سور بیر سے لڑنے کے لئے آئے ہو۔ جاؤ! واپس چلے جاؤ اور سلطان سے کہو کہ وہ میرے مقابلہ میں آئے۔''

منصور نے کہا۔ ''سلطان تمہارے راجہ سے لڑنے کے لئے میدان میں آ سکتے ہیں۔ تم سے نہیں۔''

نروجن: ''کیا سلطان مجھ سے ڈر گیا ہے؟''

منصور کو غصہ آ گیا۔ اور اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اُس نے کہا۔ ''سلطان تو کیا، دنیا کا کوئی مسلمان بھی سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا۔ ہم لڑائی کو بچوں کا کھیل اور لڑائی میں مرنے کو شہادت سمجھتے ہیں۔''

نروجن: ''شاید تم مرنے ہی کے لئے میرے سامنے آئے ہو۔''

منصور: ''یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ کس کی موت اس کے سر پر منڈلا رہی ہے۔''

نروجن: ''بیوقوف نوجوان! اس بات کو تو میں بھی جانتا ہوں کہ تو میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔''

منصور: ''یہ لڑنے پر تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کون، کس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔''

نروجن: ''تو مجھے غصہ دلا رہا ہے۔''

منصور: ''غصہ نہیں، جوش دلا رہا ہوں۔ تاکہ تم مجھ سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ۔''

نروجن: ''گویا میں تم سے ڈرنے لگا ہوں؟''

منصور: ''میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں۔''

نروجن کو غصہ آ گیا۔ اُس نے جلدی سے تلوار کھینچ کر بلند کی اور گرج کر کہا۔ ''او اجل رسیدہ نوجوان! خبردار ہو جا۔''

منصور نے بھی فوراً تلوار کھینچ کر بائیں ہاتھ میں ڈھال لے لی۔ نروجن نے جوش اور غصہ سے بھر کر اپنی پوری قوت سے حملہ کیا۔ اُس کی تلوار، منصور کی ڈھال پر پڑی۔ اُس نے بڑی ہوشیاری سے اُس کا وار، رد کر دیا۔ نروجن نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ اب منصور نے تلوار اُٹھائی اور گھوڑے کو مہمیز لگا کر بڑھایا۔ جب وہ نروجن کے برابر پہنچا تو اُس پر حملہ کر دیا۔

نروجن نہایت ہی تجربہ کار اور جنگجو تھا۔ اُس نے بھی ڈھال پر اُس کا وار، رد کیا اور پھر خود بھی حملہ کیا۔ اب یہ دونوں گھوڑوں کو دوڑا دوڑا کر ایک دوسرے پر حملہ کرنے اور وار روکنے لگے۔ گھوڑوں کے سموں سے بلند ہونے والا غبار اُنہیں اپنے دامن میں چھپا کر دیکھنے والوں کی نظروں سے اوجھل کرنے لگا۔

نروجن کے سوار تمام ہندو لشکر، سلطان اور اسلامی سپاہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ مگر اُنہیں بجز گرد و غبار کے کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ سلطان نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی کہ پروردگارِ عالم! تو خوب جانتا ہے کہ کافر، مسلمانوں کو فنا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ مسلمانوں کی مدد کر۔ باقی تمام مسلمان بھی دل ہی دل میں منصور کی کامیابی کی دُعا مانگ رہے تھے۔ منصور، نروجن سے برسرِ پیکار تھا اور نہایت دلیری اور بڑی ہوشیاری سے لڑ رہا تھا۔ نروجن جوش میں آ کر غضب سے بل کھا کھا کر منصور پر حملے کر رہا تھا۔ ہر حملے میں وہ خیال کر لیتا کہ وہ منصور کا خاتمہ کر دے گا۔ لیکن جب منصور اُس کا وار، رد کر دیتا تو اُسے غصہ آ جاتا۔ غصہ کی وجہ معقول تھی۔ وہ تجربہ کار تھا اور منصور کو ناتجربہ کار سمجھتا تھا۔ وہ جوان العمر تھا اور منصور نوعمر لڑکا تھا۔ اُس نے منصور کو دیکھتے ہی یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ اُسے ایک دو حملوں ہی میں مار ڈالے گا۔ مگر اب جبکہ اُسے لڑتے دیکھا اور وہ اُس کے وار روکنے لگا تو اُسے بڑا غصہ آیا اور وہ جوش اور طیش میں آ کر پیچ و تاب کھا کر حملے کرنے لگا۔ منصور آزمودہ کاروں کی طرح اُس کے وار روک کر خود بھی حملے کر رہا تھا۔ اور اس جوش اور اس قوت سے کہ نروجن حیران رہ جاتا تھا۔ دونوں لڑ رہے تھے۔ لیکن ابھی تک دونوں میں سے کوئی بھی زخمی تک نہ ہوا تھا۔ جب لڑتے لڑتے زیادہ دیر گزر گئی، تب نروجن نے جوش میں آ کر حملہ کیا۔ اُس کی تلوار جگمگاتی ہوئی چلی۔ منصور نے ڈھال پر اُس کا وار روکا۔ مگر اُس کا ہاتھ بہک گیا اور تلوار، ڈھال سے پھسل کر اُس کے شانے پر آ کر پڑی۔ وہ زرہ بکتر پہنے ہوئے تھا۔ شانوں پر لوہے کی باریک زنجیریں لگی ہوئی تھیں۔ اگرچہ اُس کا شانہ محفوظ رہا، کوئی زخم نہ آیا۔ لیکن اُسے غصہ آ گیا اور اُس نے جوش میں آ کر حملہ کر دیا۔

اُس کی تلوار اس طرح سے چمکتے ہوئے حملہ آور ہوئی کہ نروجن کی آنکھوں میں خیرگی پیدا ہو گئی۔ نروجن نے بھی ڈھال سامنے کر دی۔ مگر اُس کی آنکھیں جھپک گئیں اور وہ ڈھال، تلوار کے سامنے نہ کر سکا۔ اس لئے تلوار اُس کے بازو پر پڑی، جو لوہے کے جوشن کو کاٹ کر گوشت میں پیوست ہو گئی۔ نروجن کے تمام بدن میں آگ سی لگ گئی اور وہ کچھ بے قرار سا ہو گیا اور اپنے گھوڑے کو پیچھے ہٹا کر لوٹاتے ہی اپنے لشکر کی طرف دوڑا دیا۔ جب منصور نے تلوار کھینچ کر دیکھی تو اُس میں سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے۔ وہ سمجھ گیا کہ دشمن مجروح ہو گیا ہے اور زخم کھا کر بھاگا جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اُس کا دل بڑھ گیا۔ اُس نے اپنے گھوڑے کو دبایا اور تیز دوڑا کر نروجن کے پاس پہنچ گیا۔ جب منصور کی نظر اُس کے چہرے پر پڑی تو اُسے تکلیف کے آثار نظر آئے۔ نروجن کی آنکھوں سے خوف اور بشرہ سے تکلیف کے آثار ہویدا ہو رہے تھے۔ اُس کا بایاں بازو مجروح

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

ہوگیا تھا اور ہاتھ کانپ رہا تھا۔ جب منصور اُس کے قریب پہنچا تو پہلے تو اُس پر ہراس طاری ہوا۔ مگر فوراً ہی غصہ آ گیا۔ اُس نے بڑے جوش و قوت سے حملہ کیا۔ منصور نے اُس کا حملہ روکا اور خود بعجلت تلوار اُٹھا کر حملہ کر دیا۔

نروجن نے ڈھال اُٹھا کر منصور کا حملہ رد کنے کی کوشش کی۔ مگر اُس کی تلوار اُس کی پیشانی پر چرکا لگا کر نکل گئی۔ اس تازہ زخم نے اُسے اور بے قرار کر دیا۔ اور جب زخم میں ہوا بھری تو مرچیں سی لگ گئیں۔ گویا ایسا معلوم ہونے لگا جیسے بدن، آگ کے شعلوں میں جا پڑا ہے۔ اب اُسے حملہ کرنا اور وار رد کنا تو درکنار کھڑے رہنا بھی دُشوار ہوگیا۔ اُدھر پیشانی سے خون جاری ہو کر چہرے پر بہنے لگا اور تھوڑی ہی دیر میں اُس کا سارا چہرہ لہولہان ہوگیا۔ منصور نے یہ کیفیت دیکھ کر پھر حملہ کیا۔ نروجن گھبرا گیا اور موت اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔ اُدھر زخموں کی تکلیف بڑھ گئی، اُدھر منصور کی تلوار، موت کے فرشتے کی طرح اُس کی طرف بڑھنے لگی اور اُس نے گھبرائی ہوئی نظروں سے تلوار کو دیکھا۔

منصور نے یہ حملہ بھی بڑے جوش سے کیا۔ تلوار، برق خاطف کی طرح اُس کے سر کی طرف چلی۔ اُس نے پھر ڈھال سنبھالی۔ لیکن ابھی اچھی طرح سنبھالنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک بھرپور ہاتھ پڑا۔ اُس کی آنکھیں بند ہوگئیں، اور وہ سمجھ گیا کہ خارا شگاف تلوار اس کا سر اُڑا دے گی۔ مگر حیرت ہوئی کہ تلوار اُس کے خود پر پڑی۔ چونکہ خود لوہے کا تھا۔ اس لئے وہ بچ گیا۔ اب اُس نے پھر گھوڑا لوٹایا اور پھر تیزی سے اپنے لشکر کی طرف بھاگا۔ منصور نے بھی اُس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔ دونوں گھوڑے آگے پیچھے سرپٹ دوڑنے لگے۔ اُن کے سوار اُس کی امداد کے لئے دوڑ پڑے۔ اُن کے دوڑنے سے نروجن کو اطمینان ہوگیا کہ وہ اب منصور کے ہاتھوں سے بچ جائے گا۔ منصور نے بھی سواروں کو گھوڑے دوڑاتے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اُس نے اپنے گھوڑے کو اور تیز کر دیا۔ اُس کا گھوڑا باد پا کی طرح اُڑا اور نروجن کے گھوڑے کے قریب پہنچ گیا۔ اب منصور نے تلوار سنبھالی اور نروجن کے برابر جا کر بڑی پھرتی اور قوت سے وار کیا۔ تلوار اُس کی گردن پر پڑی اور شہ رگ کاٹتے ہوئے نکل گئی۔ کچھ دُور چل کر نروجن گھوڑے سے نیچے گرا اور اُس کا گھوڑا اُڑا چلا گیا۔ اب منصور نے اپنا گھوڑا روکا۔ اس وقت نروجن کے ساتھی گھوڑے دوڑائے اُس کے بہت قریب آ گئے تھے۔ وہ پانچ ہزار تھے۔ سب کے سب لوہے میں غرق تھے اور ابر سیاہ کی طرح اُمڈے چلے آ رہے تھے۔ اگرچہ منصور کا گھوڑا رُک گیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو واپس لوٹ کر گھوڑے کو بھگاتا اور دشمنوں سے بچ جاتا۔ مگر اُسے بھاگتے ہوئے شرم آئی اور وہ وہیں کھڑا رہ کر دشمنوں کے اور قریب آ جانے کا انتظار کرنے لگا۔

☆.....☆.....☆

منصور نے یہ بڑی جرات کا کام کیا تھا کہ پانچ ہزار دشمنوں کے مقابلے میں اکیلا تلوار سونت کر کھڑا ہوگیا تھا۔ اُس نے نروجن کو قتل کر دیا تھا۔ نروجن وہ تھا جسے اپنی شجاعت پر بڑا غرور تھا۔ ہندو

بھی اُسے بہادر سمجھتے تھے۔ مگر منصور نے اُسے ختم کر ڈالا تھا۔

راجپوتوں نے اپنے افسر کو مر کر گھوڑے سے گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اُنہیں بھی جوش اور غصہ آ گیا تھا اور وہ انتقام لینے کے لئے گھوڑے دوڑائے اُڑے چلے آ رہے تھے۔ منصور، شیر کی طرح سینہ تانے داہنے ہاتھ میں تلوار اور بائیں میں ڈھال لئے نہایت اطمینان سے کھڑا تھا۔ ابھی راجپوت اُس کے قریب آئے ہی تھے کہ اُس نے اپنی پشت کی طرف سے گھوڑوں کے سموں کی آواز سنی..... اور فوراً ہی اللہ اکبر کے پُرشور نعرہ کی صدا آئی..... اُس نے گھوم کر اپنے پیچھے دیکھا۔ اُس طرف سے اُس کا رسالہ گھوڑے دوڑائے آتا نظر آ گیا۔ جس وقت نروجن کے سپاہی دوڑ پڑے تھے، اُسی وقت اُس کے رسالہ کے سواروں نے بھی گھوڑے دوڑا دیئے تھے اور وہ نہایت تیزی سے بڑھے چلے آ رہے تھے۔

یہ سوار ایک ہزار تھے۔ اُنہوں نے تلواریں سونت رکھی تھیں۔ آفتاب کی شعاعیں برہنہ شمشیروں پر پڑ کر اُنہیں جگمگا رہی تھیں۔ جب نروجن کے سپاہی، منصور کے پاس پہنچے تو اُسی وقت شیران اسلام بھی اُس کے قریب پہنچ گئے۔

منصور نے راجپوتوں کے پاس آتے ہی نعرۂ تکبیر لگا کر اُن پر حملہ کر دیا۔ اس نوعمر بہادر نے اس جوش سے حملہ کیا کہ اُس کے سامنے والے راجپوت رُک گئے اور حیرت انگیز نظروں سے اُسے دیکھنے لگے۔ منصور نے اُن کی حیرت سے فائدہ اُٹھایا۔ اُس نے نہایت پھرتی سے اِدھر اُدھر اور سامنے حملے کر کے کئی ایک ہندوؤں کو مار ڈالا۔ اب ہندو بھی سنبھل گئے اور اُنہوں نے طیش و غضب سے بھر کر منصور پر حملہ کر دیا۔ ہر طرف سے تلواریں، بجلی کی طرح کوندتے ہوئے اُس کی طرف جھکیں۔ اور کوئی ہوتا تو شاید گھبرا جاتا۔ مگر منصور نہ گھبرایا۔ وہ نہایت ہوشیاری سے پیچھے مُڑا۔ اور پھر جوش و خروش سے حملہ آور ہوا۔ پھر اُس کی تلوار بڑھی اور اُس نے سر دھڑ کے فیصلے کرنے شروع کر دیئے۔ اجل رسیدہ راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر وہ لوٹا۔ راجپوت دیکھ رہے تھے کہ صرف ایک شخص اور وہ بھی کمسن اور معمولی تن و توش کا اُن پر بڑھ بڑھ کر حملے کر کے اُنہیں قتل کر رہا ہے۔ اُنہیں بھی جوش آ گیا اور اُنہوں نے ہر طرف سے سمٹ کر اُس پر یورش کر دی۔ تین اطراف سے منصور پر تلواروں کا مینہ برس پڑا۔ کھٹا کھٹ کی آواز سے فضا لرزنے لگی۔ منصور نے نہایت اشتعال سے اُن کے حملوں کو کمال چابک دستی سے ڈھال پر روکا۔ اسی اثناء میں اسلامی لشکر جو منصور کے تحت میں تھا، قریب آ گیا۔ مجاہدین اسلام جوش و غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے آتے ہی اس شدت سے حملہ کیا کہ ہندوؤں کی یلغار رُک گئی۔ ہر غازی نے پورے پورے زور و قوت سے تلوار ماری۔ جگمگاتی ہوئی تلواریں اور گینڈے کی سیاہ ڈھالیں بلند ہوئیں اور ہندوؤں کی کثیر تعداد قتل ہو کر گری۔ اب ہندوؤں نے بھی نہایت جوش و خروش سے حملہ کر دیا۔ اور اُنہوں نے بھی کئی ایک مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔

اب مار دھاڑ شروع ہوگئی تھی۔ مسلمان ہندوؤں اور ہندو مسلمانوں میں گھس گئے۔ صاف اور

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

شفاف تلواریں خون آلود ہو گئیں...... سر کٹ کٹ کر گرنے لگے..... دھڑ تڑپنے اور گھوڑوں کے سموں سے پامال ہونے لگے۔

ہندوؤں نے شور و غل کر کے جیکارے لگانے شروع کر دیئے۔ زخمی چلانے لگے۔ ان مختلف آوازوں سے میدان گونج اُٹھا۔ اگر ہندو جوش و غضب سے بھرے ہوئے تھے تو مسلمانوں کو بھی غصہ اور طرارہ آ رہا تھا۔ ہر دو فریق نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے۔ تلواریں جلد جلد اُٹھ کر انسانی زندگیوں کو ختم کر رہی تھیں۔ کہیں سر اُچھل رہے تھے تو کہیں ہاتھ۔ کوئی زخموں کی تکلیف سے چلا رہا تھا تو کوئی موت کی گود میں پہنچ کر خوفناک چیخیں مار رہا تھا۔ خون کی کثرت ہو رہی تھی اور سرفروش خون میں نہا رہے تھے۔ چونکہ ہندو پانچ ہزار تھے، اس لئے کافی دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ مسلمان صرف ایک ہزار تھے اور وہ زیادہ دُور تک نہ پھیل سکے تھے۔ تاہم جہاں تک وہ پھیل سکے تھے، وہیں تک جنگ ہو رہی تھی۔

ہندو بڑا شور و غل مچا رہے تھے۔ مسلمان خاموش تھے اور خاموشی سے لڑ رہے تھے۔ ہندوؤں کی صورتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ انہیں بڑا جوش اور غصہ آ رہا تھا اور وہ تمام مسلمانوں کو جلد سے جلد قتل کر ڈالنا چاہتے تھے۔ وہ بڑھ بڑھ کر غیظ و غضب میں آ کر حملے کر رہے تھے۔ اُن کے تیغے بڑی پھرتی سے اپنا کام کر رہے تھے۔ مگر مسلمان نہایت استقلال سے جوشیلے حملے کر رہے تھے۔ اُن کی تلواریں جلد جلد اُٹھ کر تیزی سے برس رہی تھیں اور جس شخص پر پڑتی تھیں، اُس کا خرمن ہستی جلا ڈالتی تھیں۔ جس طرف مسلمانوں کا رُخ ہو جاتا تھا، اُسی طرف وہ مارتے کاٹتے بڑھتے چلے جاتے تھے۔

ہر مسلمان جوش و غضب سے بھرا ہوا تھا اور بڑی دلیری اور جرات سے لڑ رہا تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے بہت سے گروہ بن گئے تھے۔ اور ہر گروہ اپنے مدمقابل سے لڑ رہا تھا۔ اگرچہ ہندو زیادہ تعداد میں قتل ہو رہے تھے۔ لیکن وہ بھی مسلمانوں کو شہید کر رہے تھے۔ اُنہیں نہ صرف اطمینان بلکہ یقین تھا کہ وہ ان مسلمانوں کو جو اُن سے جنگ کر رہے تھے، مار ڈالیں گے۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ مسلمانوں کو کم ہوتے ہوئے بھی یہ خیال تھا کہ وہ ہندوؤں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اور اسی خیال ہی کی وجہ سے بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ جنگ کی آگ بھڑک رہی تھی اور سرفروش اس میں جل رہے تھے، کٹ رہے تھے، مر رہے تھے...... اور پھر مصروف کار تھے۔ انسان، انسان کو فنا کر رہا تھا۔ موت کا فرشتہ رُوحیں قبض کرتے ہوئے پھر رہا تھا۔ دُور تک تلواروں کا ایک کھیت اُگا ہوا نظر آ رہا تھا۔ تمام تلواریں قریب قریب خون آلود ہو گئی تھیں۔ اور اُن سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ جو شخص ذرا بھی زخمی ہو کر گھوڑے سے نیچے گر جاتا تھا، پھر اُسے اُٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا۔ گھوڑے اُسے پامال کر ڈالتے تھے۔

جو لوگ مر چکے تھے، اُن کے گھوڑے دولتیاں جھاڑتے پھر رہے تھے۔ جن لوگوں کو اُن کی لاتیں لگتی تھیں، وہ بھی گر پڑتے تھے اور گرتے ہی اُن کے سموں سے کچلے جاتے تھے۔ غرضیکہ انسانی

زندگیاں اور خون بڑا ارزاں ہو گیا تھا۔ لوگ جلد جلد گر گر کر مر رہے تھے۔ اور خون زمین پر بہہ رہا تھا۔

یوں تو ہر مسلمان بڑے جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔ مگر سب سے زیادہ جوش منصور میں بھرا ہوا تھا۔ وہ جس طرف حملہ کرتا تھا، پرے کے پرے صاف کر دیتا تھا۔ اور جس گروہ پر ٹوٹتا تھا، اُسے زیر و زبر کر ڈالتا تھا۔ جس صف پر گرتا تھا، اُسے اُلٹ دیتا تھا۔ اگرچہ وہ نو عمر تھا۔ زیادہ سے زیادہ اُنیس بیس سال کا ہوگا۔ مگر اس طرح لڑ رہا تھا، جیسے وہ بڑا تجربہ کار اور سن رسیدہ ہے۔

اُس کی تلوار جس کے سر پر گرتی تھی، اُسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتی تھی۔ تنہا اُس نے بہت سے دشمنوں کو مار ڈالا تھا۔ باوجود اس کے کہ اُسے لڑتے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا تھا مگر ابھی تک اُس کے اعضاء شل نہ ہوئے تھے اور وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہا تھا۔ ہر حملے میں وہ کم سے کم ایک ہندو کو ضرور مار ڈالتا تھا۔ اُس کے تمام جسم پر خون پڑ پڑ کر جم گیا تھا اور خون کی رنگت سیاہ ہو گئی تھی۔ وہ کچھ ایسا جوش و غضب میں بھرا ہوا تھا کہ کسی طرف بھی کچھ نہ دیکھتا تھا اور صرف اپنے سامنے نظر رکھتا تھا۔ اور جو بھی اُس کے سامنے آ جاتا تھا، اُسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتا تھا۔ ہندو سب سے زیادہ اُس پر ہی خار کھا رہے تھے۔ اُن کے سامنے اُس نے ہی اُن کے سردار کو مار ڈالا تھا۔ وہ اُس سے انتقام لینا چاہتے تھے، لیکن اُس کی تلوار کی برش، اُس کے حملوں کی شان اور اُس کی دلیری دیکھ کر اُس کے سامنے جاتے ہوئے گھبراتے تھے۔ پھر بھی اُنہوں نے مل کر اُس پر نرغہ کیا۔ بیاس ساٹھ ہندو مل کر اُس پر ٹوٹ پڑے اور چاروں طرف سے اُس پر تلواروں کا مینہ برسا دیا..... منصور سنبھلا۔ اُس نے بڑی پھرتی، تیزی، جوش اور قوت سے حملے کر کے پندرہ بیس ہندوؤں کو.... اور اُن کے نرغہ سے نکل آیا۔ اب اُس نے بلند آواز سے کہا۔ ''مسلمانو! جرات سے کام لو! یہ ہندو جو خدا کو نہیں جانتے، تم سے لڑ رہے ہیں۔ یہ بزدل ہیں۔ بڑھ کر جلد سے جلد ان کا خاتمہ کر ڈالو۔''

مسلمانوں میں جوش و غضب کا طوفان اُمڈ آیا۔ اُنہوں نے اللہ اکبر کا پُر زور نعرہ لگایا اور نہایت سختی سے حملہ کر دیا۔ اُن کے اس حملے سے بہت سے ہندو مارے گئے اور اُن میں گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے۔ منصور نے بڑھ کر اُن کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ اپنے سردار کی اس جرات کو دیکھ کر ہر مسلمان کا حوصلہ بڑھ گیا اور تمام مسلمانوں نے خونریز حملہ کیا۔ اُن کا یہ حملہ نہایت سخت ہوا۔ ہندو کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ دم کے دم میں اُن کی صفیں کی صفیں صاف ہو گئیں۔ اور جہاں تہاں کشتوں کے ذخیر لگ گئے۔ خون، پانی کی طرح بہنے لگا۔ اب ہندوؤں کے قدم اُکھڑ گئے۔ وہ بے تحاشہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کر کے اُنہیں بتدریج قتل کرنا شروع کر دیا۔ ہندو پیچھے پھر پھر کر خوفزدہ نظروں سے مسلمانوں کو دیکھتے ہوئے بھاگے چلے جا رہے تھے۔ اور مسلمان دانتوں کو بھینچے ہوئے گھوڑوں کو اُڑاتے ہوئے تلواروں کو ہلاتے اُن کا پیچھا کئے اُنہیں قتل کرتے چلے جا رہے تھے۔ اس بھاگ دوڑ میں اُنہوں نے سینکڑوں بت پرستوں کو مار ڈالا اور سینکڑوں کو زخمی کر دیا۔ جبکہ مسلمان اُن کا تعاقب کر کے اُنہیں قتل کر رہے تھے۔ اس وقت اُنہوں

www.pdfbooksfree.pk

نے عظیم الشان شور وغل کی آواز سنی۔ ناقوس اور گھنٹوں کی مہیب صدائیں بلند ہوئیں۔ وہ رُک گئے اور ہندوؤں کے لشکر کی طرف دیکھنے لگے۔ اُن کو ہندوؤں کا ٹڈی دل لشکر تیزی سے اپنی طرف بڑھتا نظر آیا۔ اب منصور نے رُک کر مسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہونے کے لئے اور صفیں قائم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسلمان اِدھر اُدھر سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہونے لگے۔

☆.....☆.....☆

جب نروجن کے پانچ ہزار سواروں نے منصور کے ایک ہزار سپاہیوں پر حملہ کر دیا تھا اور نہایت ہی خونریز لڑائی شروع کر دی تھی، اُس وقت جے پال، بھیم اور تمام ہندو نہایت غور سے لڑائی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ چونکہ گرد وغبار نے سپاہیوں کو اپنے دامن میں لے رکھا تھا۔ اس لئے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ کون سا فریق غالب ہے اور کون سا مغلوب؟ ہندوؤں نے مسلمانوں کو آتے دیکھ کر یہ اندازہ کر لیا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ ایک ہزار ہیں اور اُن کے بہادر سپاہی پانچ ہزار تھے۔ اس لئے اُن کو یہ یقین کامل تھا کہ سورہیر راجپوت، مسلمانوں کو شکست دے کر منصور کو قتل کر کے نروجن کا انتقام لے لیں گے۔ مگر جب ہندوؤں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر غبار کے دامن سے باہر نکلے اور جے پال، بھیم اور راجپوتوں نے اُنہیں بدحواس بھاگ کر آتے ہوئے دیکھا تو اُن پر حیرت چھا گئی۔ ایک ہزار مسلمانوں کا پانچ ہزار ہندوؤں کو شکست دے دینا کچھ کم حیرت کی بات نہ تھی۔ مگر فوراً ہی حیرت دُور ہو کر اُنہیں غصہ آ گیا۔ اور جے پال نے بلند آواز سے کہا۔

''بہادرو! مسلمانوں نے تمہارے بھائیوں کو مار ڈالا ہے۔ نروجن کو قتل کر دیا۔ تم سب ان پر ٹوٹ پڑو۔ اور سارے مسلمانوں کو قتل کر ڈالو۔'' یہ کہتے ہی اُس نے گھوڑا بڑھایا۔ بھیم بھی بڑھا۔ اُن کے بڑھتے ہی تمام ہندو بڑھے اور نہایت تیزی سے روانہ ہوئے۔ اس وقت آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا تھا۔ اگرچہ سردی کے ایام تھے۔ سرد مقام تھا۔ جاڑا ہو رہا تھا۔ مگر اس وقت دُھوپ میں اتنی تمازت ہو گئی تھی کہ برف اس سے پگھلنے لگی تھی۔ راجپوت، سرخ رنگ کے علم اور جھنڈیاں لئے گھوڑے دوڑائے بھاگے چلے جا رہے تھے۔ منصور نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے صف بستہ کر لیا تھا اور تمام لوگ راجپوتوں کا حملہ روکنے اور خود حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ راجپوتوں کا تقریباً پچھتر ہزار لشکر کالی گھٹا کی طرح اُمڈا چلا آ رہا تھا۔ اُن کے آنے کی شان بتا رہی تھی کہ وہ سیلاب کی طرح مسلمانوں کو بہا کر لے جائیں گے۔ مگر منصور یا اُن کے ساتھیوں کو مطلق بھی پرواہ نہ تھی۔ اور وہ بڑے استقلال سے کھڑے تھے۔ جونہی راجپوت قریب آئے، اُنہوں نے تلواریں کھینچ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اور اس شدت سے حملہ کیا کہ مسلمان کچھ دُور تک ہٹتے چلے گئے بالکل اس طرح جیسے کسی دریا کی رو میں خس وخاشاک بہہ جائے۔

جب مسلمان کچھ دُور جا کر سنبھلے تو اُنہوں نے بھی راجپوتوں پر حملہ کر دیا۔ اُن کا یہ حملہ نہایت سخت تھا۔ اُنہوں نے تلواریں سونت کر نہایت پھرتی سے حملے شروع کر دیئے۔ راجپوت غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ وہ بھی زوردار حملے کرنے لگے۔ اب جنگ شروع ہو گئی۔ پھر سر و

تن کے فیصلے ہونے لگے۔ خون کے فوارے اُبلنے لگے۔ لیکن مسلمان کم تھے۔ بہت ہی کم..... اس لئے وہ دم بدم شہید ہوتے اور دبتے چلے جا رہے تھے۔ اگرچہ منصور نہایت زور وشور سے لڑ رہا تھا۔ اِدھر اُدھر آگے پیچھے مارتا کاٹتا پھر رہا تھا اور مسلمانوں کو بھی جوش دلاتا جا رہا تھا۔ لیکن مسلمان ہندوؤں کے مقابلہ میں بالکل آٹے میں نمک کے برابر تھے۔ اس لئے وہ باوجود زور وقوت سے لڑنے کے برابر پیچھے ہٹتے چلے جا رہے تھے۔ پھر بھی یہ مسلمانوں ہی کی جرات تھی کہ ٹڈی دل لشکر کے سامنے ڈٹے ہوئے لڑ رہے تھے۔

ابھی جنگ کو شروع ہوئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ بلند ہوا..... راجپوتوں نے جب نظر اُٹھا کر دیکھا تو اُنہیں تمام اسلامی لشکر دوڑ کر آتا نظر آیا۔ سلطان اور تمام اسلامی لشکر نے جب راجپوتوں کو حملہ آور ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا تو وہ بھی تیزی سے دوڑ پڑے تھے۔ لیکن چونکہ وہ فاصلے پر تھے اس لئے راجپوتوں سے ذرا دیر بعد پہنچے۔ ان مسلمانوں نے آتے ہی نہایت شد و مد سے حملہ کر دیا..... چونکہ راجپوتوں کی صفیں دُور تک پھیلی ہوئی تھیں اس لئے مسلمان بھی اُن کے سامنے پھیل گئے تھے۔ اور جہاں تک متخاصمین پھیلے ہوئے تھے، وہیں تک جنگ کی آگ بھڑک اُٹھی تھی۔

ہندو، مسلمانوں پر اور مسلمان، ہندوؤں پر نہایت زور وشور سے حملے کر رہے تھے۔ ہاتھ، پیر، سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون کی بارش ہو رہی تھی۔ نہایت خون آشام جنگ شروع ہو گئی تھی..... ہر شخص مدمقابل کو مارنے کاٹنے کی فکر میں تھا۔ تلواریں نہایت سرعت سے اُٹھ اُٹھ کر جھک رہی تھیں اور جھک جھک کر اُٹھ رہی تھیں۔ سرفروش کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ موت کا بازار گرم ہو رہا تھا۔ خونِ انسانی، پانی سے زیادہ ارزاں ہو رہا تھا۔ اس خون آشام جنگ میں بزدل گھبرائے، سہمے اور ڈرے، جان بچاتے پھر رہے تھے۔ اور بہادر بڑھ بڑھ کر حملے کر کے دشمنوں کو ٹھکانے لگا رہے تھے۔ چونکہ میمنہ اور میسرہ میں کئی میل کا فاصلہ تھا اس لئے جنگ بھی کئی میل لمبے محاذ پر ہو رہی تھی۔ جہاں تک نظر جاتی تھی، تلواریں خون برساتی نظر آتی تھیں۔ اگرچہ مسلمان اب بھی راجپوتوں سے کم تھے۔ اتنے کہ ایک چوتھائی حصہ بھی نہ تھے۔ کیونکہ ہندو اسی ہزار تھے اور مسلمان کل اٹھارہ ہزار تھے۔ لیکن کم ہوتے ہوئے بھی وہ اس جوش وخروش سے لڑ رہے تھے کہ راجپوتوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ راجپوتوں کو اپنی بہادری پر غرور تھا۔ کثرت پر گھمنڈ تھا۔ اس لئے وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ جوش میں آ کر تلواریں چلا رہے تھے۔ لیکن مسلمانوں پر اُن کے جوش اور جوشیلے حملوں کا کچھ بھی اثر نہ ہو رہا تھا۔ وہ اُن کے حملے روک کر خود بھی زور وشور سے حملے کر رہے تھے۔ اور ہر حملے میں سینکڑوں ہندوؤں کو ٹھکانے لگا دیتے تھے۔ اگرچہ مسلمان بھی شہید ہو رہے تھے۔ لیکن اس کثرت سے نہیں، جس کثرت سے ہندو مر رہے تھے۔ جوں جوں دن ڈھلتا جاتا تھا، جنگ کی آگ اور بھڑکتی جاتی تھی۔ سرفروش جب تلواریں اُٹھا کر حملے کرتے تھے تو جنگ کے شعلے تیزی سے بھڑک اُٹھتے تھے۔ ہندوؤں کے لشکر میں ناقوس، گھنٹے اور گھڑیال زور زور

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

سے بجائے جا رہے تھے۔ تمام راجپوت گلے پھاڑ پھاڑ کر جیکارے لگا رہے تھے۔ مجروح مہیب آوازوں سے چلا رہے تھے۔ ان تمام آوازوں نے مل کر ایک شور حشر برپا کر رکھا تھا اور کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ کچھ سمجھ میں ہی نہ آتا تھا کہ کوئی کیا کہہ رہا ہے۔ اگرچہ جے پال ابھی تک جنگ میں شریک نہ ہوا تھا۔ وہ ایک ٹیلے پر کھڑا لڑائی کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ لیکن راجپوتوں کو جوش دلانے کے لئے چلا چلا کر ترغیب جنگ دے رہا تھا۔

اُس کے وفادار سپاہی اُس کی آواز سن کر غیظ و غضب سے بھر بھر کر حملے کر رہے تھے۔ بھیم، جنگ کی آگ میں کود پڑا تھا اور وہ مسلمانوں کو دباتا، قتل کرتا بڑھا چلا آ رہا تھا۔ وہ نہایت دلیری سے جنگ کر رہا تھا۔ اُس کا خاص رسالہ اُس کے ساتھ تھا۔ اُس کی دیکھا دیکھی اور افسر اور اُن کے سوار بھی بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔

اُدھر مسلمانوں میں ایک طرف سے شمس الدین اور دوسری طرف سے عزالدین بڑی دلیری سے حملے کر رہے تھے۔ وہ دونوں جس غول پر حملہ کرتے تھے، اُسے درہم برہم کر دیتے تھے۔ جس صف پر ٹوٹ کر گرتے تھے، اُسے اُلٹ دیتے تھے۔ اُن کے رسالے نہایت خون آشام جنگ کرتے راجپوتوں کو مارتے، پیچھے ہٹاتے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ لشکر کے قلب میں سلطان سبکتگین جوش و خروش سے جنگ کرتا اور ہندوؤں کو موت کے گھاٹ اُتارتا پھر رہا تھا۔ اُس کے ہمراہ اُس کا بیٹا محمود بھی تھا۔ اگرچہ وہ نوعمر تھا۔ ابھی اُس کی مسیں بھی نہ بھیگی تھیں۔ مگر وہ اس جوش اور دلیری سے جنگ کر رہا تھا کہ دیکھنے والے کو حیرت ہوتی تھی۔ وہ جس شخص پر حملہ کرتا تھا، اُسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتا تھا۔ جس گروہ میں گھس جاتا تھا، اُسے بھگا دیتا تھا۔

سلطان سبکتگین اور محمود کے ساتھ ساتھ اُن کے رسالے بھی تھے۔ اور وہ بھی نہایت خونریزی سے مصروف پیکار تھے۔ منصور اور اُس کے ساتھی بھی بڑے جوش اور بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ اگرچہ وہ صبح سے جنگ میں مصروف تھے اور اب تیسرا پہر ہونے کو آیا تھا۔ مگر ابھی تک اُن کے جوش میں کمی نہ آئی تھی۔ اُن میں سے ہر ایک شخص کی یہی خواہش تھی کہ وہ ہی سب سے زیادہ دشمنوں کو قتل کر ڈالے۔ غرضیکہ اگر راجپوت جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے تو مسلمان بھی جوش و طیش میں آ رہے تھے۔ اور ہر دو فریق ایک دوسرے کو پسپا کرنے کے لئے پوری سعی اور انتہائی زور و قوت سے کام کرتے رہے تھے۔

آسیائے جنگ نہایت سرعت سے گھوم رہی تھی۔ اور انسان اس چکی میں آ آ کر پس رہے تھے..... کٹ رہے تھے..... مر رہے تھے، اور پھر لڑ رہے تھے۔ اب جبکہ آفتاب مغرب کی طرف ڈھل گیا تھا تو جے پال نے بھی اپنا گھوڑا بڑھایا اور اُس کے خاص رسالہ نے بھی پیش قدمی کی۔ جے پال کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر راجپوتوں میں جوش و طیش کا طوفان اُمڈ آیا۔ اور ہر محاذ پر راجپوت جان دینے اور جان لینے پر آمادہ ہو گئے۔ ہندوؤں میں نئی رُوح پھونکی گئی اور اُنہوں نے غیظ و غضب سے نئی اُمنگ سے نہایت پُرزور حملہ کیا۔ اگرچہ مسلمانوں نے اس حملے کو روکنے کی بہت

کوشش کی اور ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مگر وہ راجپوتوں کی یلغار کو نہ روک سکے۔ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے اور قریب قریب ہر محاذ سے مسلمان تیزی سے پسپا ہوئے۔ ہرچند سلطان اور سلم افسروں نے مسلمانوں کو سنبھالنے کی کوشش کی، مگر وہ نہ سنبھلے اور دُور تک پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

مسلمانوں کے پیچھے ہٹنے سے راجپوتوں کے حوصلے اور بڑھ گئے اور اُنہوں نے پیہم حملے کر کے اُن کو اور پیچھے ہٹانا شروع کیا۔ مسلمان اگرچہ پورا زور لگا رہے تھے اور چاہتے تھے کہ ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹیں۔ مگر راجپوت برابر دباتے چلے آ رہے تھے اور وہ دبتے چلے آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ مسلمان کئی فرلانگ پیچھے ہٹ گئے۔ اور اتنے ہٹے کہ اپنی لشکر گاہ کے قریب پہنچ گئے۔ اب راجپوتوں کو بالکل یقین ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دیں گے۔ اس بنا پر وہ نہایت تیزی اور جرات سے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ اُنکی تمام تر توجہ سامنے والے مسلمانوں کی طرف تھی۔

جب وہ مسلمانوں کو دباتے چلے آ رہے تھے، اُسی وقت اُن کے پیچھے سے اللہ اکبر کی پُرزور نعرہ آواز آئی..... اس نعرہ کو سن کر راجپوت چونک گئے اور اُنہوں نے پلٹ کر اپنی پشت کی طرف دیکھا۔ اُنہیں اس طرف سے مسلم سوار گھوڑے دوڑاتے نظر آئے۔ وہ اُن سواروں کو دیکھتے ہی سہم گئے۔

بے ساختہ جے پال کی زبان سے نکلا۔ "افسوس..... ہم دھوکہ میں آ گئے۔" یہ لشکر جو راجپوتوں کی پشت سے آ رہا تھا، فیروز کا تھا۔ غالباً قارئین بھولے نہیں ہوں گے کہ سلطان سبکتگین نے اپنے سپہ سالار فیروز کو ایک ہزار سوار دے کر ہدایت کر دی تھی کہ درّوں میں چکر لگا کر مغربی سمت والی ٹیکری پر جا پہنچے اور ضرورت کے وقت وہاں سے نکل کر راجپوتوں پر حملہ کر دے۔ فیروز ٹیکری پر چٹان کے پیچھے کھڑا موقع اور وقت کا انتظار کرتا رہا۔ اب جبکہ مسلمان پیچھے ہٹ گئے اور راجپوت بڑھتے بڑھتے ٹیکری سے آگے نکل گئے تو اُس نے کمین گاہ سے نکل کر نعرہ لگایا اور راجپوتوں کی پشت کی جانب حملہ کر دیا۔ اُن تازہ دم مسلمانوں نے آتے ہی اس شدت سے حملہ کیا کہ راجپوت پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ اُن کی تلواروں نے ہندوؤں کو کھیرے، ککڑی کی طرح کاٹنا شروع کیا۔ ان بہادروں نے چشم زدن میں ہزاروں راجپوتوں کو مار ڈالا۔ اُدھر سلطان سبکتگین، عزالدین، شمس الدین اور محمود نے سنبھل کر حملہ کیا۔ اُن کے حملہ کرتے ہی تمام مسلمان قدم جما کر ڈٹ گئے اور اس زور و شور سے قتال و جدال کیا کہ جگہ جگہ راجپوتوں کی لاشیں بچھا دیں۔

جہاں تہاں ہاتھوں، پیروں، سروں اور دھڑوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ خون کے پرنالے بہا دیئے۔ راجپوت جو فتح کے جوش میں بڑھے چلے آ رہے تھے، شکست کھا کر واپس لوٹنے۔ مگر اُن کے لئے اب آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا دونوں باتیں دُشوار ہو گئیں۔ آگے سلطان کا عظیم الشان لشکر تھا اور پیچھے فیروز کا خونخوار رسالہ۔ اور ان دونوں لشکروں نے راجپوتوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ ہر مسلمان میں تازہ جوش اور تازہ رُوح پیدا ہو گئی تھی اور ہر مجاہد بڑے جوش سے حملے کر کر

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

کے انہیں قتل کرنے لگا تھا۔ تمام دن میں اتنے راجپوت قتل نہ ہوئے تھے جتنے کہ اس ذرا سی دیر میں ہو گئے تھے۔ اور جس شد و مد سے مسلمان انہیں قتل کر رہے تھے، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ اگر دو تین گھنٹے اسی طرح سے لڑائی ہوتی رہی تو ایک ہندو بھی زندہ باقی نہ رہے گا۔ لیکن بخت رسا سے کیا کہیے، کہ آفتاب ہی غروب ہو گیا۔ دن چھپتے ہی راجپوتوں کے لشکر میں واپسی کا بگل بجا۔ راجپوتی رسالے مشرق کی طرف بڑھے اور اپنے کیمپ کی طرف چلے گئے۔ اب اسلامی لشکر نے بھی جنگ بند کر دی۔ اور جب فیروز کا رسالہ آ گیا تو تمام مسلمان نعرے لگاتے ہوئے اپنے کیمپ کی طرف روانہ ہوئے۔

☆.....☆.....☆

لمغان کے میدان میں راجپوتوں اور مسلمانوں کی جو جنگ ہوئی، اگرچہ اس میں فتح کسی کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ تاہم راجپوتوں کا نقصان زیادہ ہوا اور مسلمانوں کا کم۔ چونکہ رات زیادہ ہو گئی تھی۔ اس لئے دونوں لشکر اپنے اپنے کیمپ میں پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے وضو کر کے نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور پھر کھانا تیار کرنے لگے۔ اُدھر سلطان نے ڈیڑھ سو آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ میدان میں جا کر یہ دیکھیں کہ زخمی مسلمان تو وہاں نہیں پڑے ہیں؟ فوراً ڈیڑھ سو جانباز چلے گئے۔ اور جب مسلمانوں نے عشا کی نماز پڑھی اور کھانا کھایا تو وہ لوگ واپس آ گئے۔ صرف پانچ آدمی ایسے ملے جو سخت مجروح تھے اور نیم بے ہوشی کی حالت میں میدانِ جنگ میں پڑے رہ گئے تھے۔ اُن کے زخموں پر مرہم لگانے اور پٹیاں کسوانے کے بعد اُن کو پانی پلایا گیا۔ وہ ہوش میں آ گئے۔ اب انہوں نے آرام کرنا شروع کیا۔ چونکہ وہ تمام دن لڑتے رہے تھے اس لئے غافل ہو کر سو گئے۔

جب وہ بیدار ہوئے، صبح کی اذان ہو رہی تھی۔ اُنہوں نے جلدی جلدی اُٹھ کر ضروریات سے فراغت کی اور وضو کر کے نماز پڑھی۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ آج بھی راجپوت لڑائی کے لئے نکلیں گے۔ مگر دیر تک انتظار کرنے پر بھی وہ نہ نکلے۔

سلطان نے کہا۔ ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج راجپوت لڑنا نہیں چاہتے۔ بہتر ہے، ہم لوگ بھی آج آرام کر لیں گے۔'' مسلمان اُس میدان سے جس میں وہ نماز پڑھ رہے تھے، اُٹھے اور اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ جو لوگ مجروح ہو گئے تھے، دوسرے لوگ اُن کی تیمارداری میں لگ گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد چند ہندو سفید جھنڈا لئے اسلامی لشکر کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ سب سے آخر میں منصور کا دستہ پڑا ہوا تھا۔ منصور اپنے خیمے کے سامنے کھڑا ہوا اُن کو دیکھ رہا تھا۔ جب وہ قریب آئے تو منصور نے بڑھ کر اُن کے سامنے پہنچتے ہی پوچھا۔ ''کس لئے آئے ہو تم؟''

اُن میں سے ایک شخص نے کہا۔ ''ہم سلطان سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔''

منصور: ''آؤ! میں تم کو سلطان کے پاس لے چلوں۔''

منصور اُن کو لے کر روانہ ہوا اور سلطان کے خیمے پر پہنچا۔ اس وقت سلطان خیمے کے اندر تھا۔ منصور نے خیمے کے اندر جا کر سلطان کو سلام کیا۔ سلطان نے اُس سے دریافت کیا کہ تم کس لئے آئے ہو؟ اُس نے کہا۔ ''عالیجاہ! چند ہندو آئے ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

سلطان: ''بلاؤ!''

منصور واپس لوٹا۔ خیمے سے باہر آیا اور ہندوؤں کو ساتھ لے کر پھر خیمے میں داخل ہوا۔ سلطان کو دیکھتے ہی تمام ہندو ہاتھ جوڑ کر سجدہ میں گر گئے۔ سلطان یہ منظر دیکھ کر کانپ گیا۔ اُس نے جلدی سے کہا۔ ''راجپوتو! سجدہ نہ کرو۔ سوائے خدا کے اور کسی کو سجدہ روا نہیں ہے۔'' راجپوت اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سلطان نے اُن کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ نہایت ادب سے بیٹھ گئے۔ سلطان نے دریافت کیا۔ ''کہو! کس لئے آئے ہو تم؟''

اُن میں سے ایک راجپوت نے کہا۔ ''مہابلی! ہمارا راجہ آج عارضی صلح کرنا چاہتا ہے۔''

سلطان: ''کس لئے؟''

راجپوت: ''تاکہ میدانِ جنگ مُردوں سے پاک کر دیا جائے۔ آپ اپنے مُردوں کو اُٹھا لیں۔ اُنہیں دفن کرا دیں۔ اور ہم اپنے مُردوں کو اُٹھا کر پھونک دیں۔''

سلطان: ''ہمیں منظور ہے۔ صرف آج کے لئے التوائے جنگ کیا جاتا ہے۔''

راجپوت: ''مہاراجہ بھی صرف آج ہی کا التوا چاہتے ہیں۔''

سلطان: ''اور کچھ کہنا ہے؟''

راجپوت: ''نہیں حضور!''

اب راجپوت اُٹھے اور سلام کر کے چلے گئے۔ سلطان نے تمام لشکر میں منادی کرا دی کہ آج جنگ ملتوی رہے گی۔ مجاہدین اپنے اپنے ہتھیار صیقل کر لیں۔ اور پانچ سو آدمیوں کو میدانِ جنگ میں شہداء کی لاشیں فراہم کرنے کے لئے بھیجا۔ جب یہ دستہ میدانِ جنگ میں پہنچا تو اُدھر سے راجپوتوں کے دستے آنے لگے۔ مسلمان، مسلمانوں کو اور راجپوت، راجپوتوں کو تلاش کرنے لگے۔ ہندوؤں کے مُردے بے شمار تھے۔ وہ اُن کو ڈھوتے ڈھوتے تھک گئے۔ آخر اس ٹیکری کے قریب جس میں فیروز جا کر چھپ گیا تھا، اُنہوں نے لاشیں اکٹھی کرنا اور درخت کاٹ کاٹ کر اُن کو پھونکنا شروع کیا۔ ستر مسلمان شہید ہوئے تھے۔ اور راجپوت پندرہ ہزار مارے گئے۔ مسلمانوں نے بھی اسی میدان میں ایک طرف لمبے چوڑے گڑھے کو دکر شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھی اور سب کو دفن کر دیا۔ مسلمان تو دوپہر سے پہلے ہی اس کام سے فارغ ہو گئے۔ لیکن ہندو تمام دن لگے رہے۔ شام کے وقت عصر کی نماز پڑھ کر سلطان سبکتگین فیروز الدین، عزالدین اور منصور کو ہمراہ لے کر لشکر سے باہر نکلا اور پہاڑ پر چڑھ گیا اور درّہ اور گھاٹیوں میں گھومتا ہوا اُس ٹیکری پر پہنچا، جہاں گزشتہ روز فیروز نے اپنا لشکر لے کر چھاپہ مارا تھا۔ اُس نے ایک اُونچی چٹان پر کھڑے ہو کر جنوب کی طرف دیکھا۔ اُسے اُس طرف چند راجپوت سپاہی ایک چشمے کے کنارے پر کھڑے نظر آئے۔ اس پہاڑ میں بہت سے چھوٹے چھوٹے چشمے جاری تھے جو مختلف اطراف میں بہتے تھے۔ گویا جس چشمہ کو جس طرف راستہ مل گیا، اُسی طرف بہنے لگا۔ اُن راجپوتوں کو دیکھ کر سلطان کو کچھ شبہ ہوا۔ اُس نے فیروز سے کہا۔ ''تم نے ان راجپوتوں کو دیکھا جو چشمہ کے کنارے پر کھڑے ہیں؟''

فیروز: ''عالم پناہ! میں دیر سے ان کو دیکھ رہا ہوں۔''

سلطان: ''ان لوگوں کا اس چشمے پر آنے سے کیا مطلب ہے؟''

فیروز: ''میں خود نہیں سمجھا حضور!''

سلطان: ''دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ یا تو یہ پانی مسموم کرنا چاہتے ہیں۔ اور یا شب خون مارنے کے ارادے سے لشکر جمع کر رہے ہیں۔''

فیروز: ''جہاں پناہ! پانی کو سم آلود کرنے سے تو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس چشمہ کا رُخ اسلامی لشکر کی طرف نہیں ہے۔ مگر دوسری بات لشکر جمع کر کے شب خون مارنے کی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔''

سلطان: ''تم اور منصور دونوں جاؤ۔ اور پتہ لگا کر آؤ کہ اس جگہ کتنے راجپوت اب تک آ چکے ہیں اور اُن کا ارادہ کیا ہے؟''

فیروز: ''بہتر ہے۔''

سلطان: ''لیکن ایک تو دُور نہ نکل جانا۔ دوسرے احتیاط رکھنا! کہیں تمہیں دیکھ کر وہ آمادۂ فساد نہ ہو جائیں۔''

منصور: ''دونوں باتوں کا خیال رکھا جائے گا حضور!''

پھر فیروز اور منصور دونوں گھوڑے سے نیچے اُترے اور پیادہ چل کر چٹانوں کے پیچھے غائب ہو گئے۔ سلطان اور عزیز الدین ایک بڑی چٹان کی آڑ میں کھڑے ہو کر ان دونوں کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ اس پہاڑ پر برف زیادہ پڑتی تھی۔ اُس کی چوٹیاں برف پوش رہنے کی وجہ سے سبزہ سے خالی تھیں۔ نہ کوئی درخت تھا اور نہ کوئی پودا۔ البتہ چوٹیوں کے نیچے کی چٹانیں سبزہ زار تھیں۔ چونکہ آفتاب اس وقت مغرب کی طرف جھک گیا تھا اس لئے اُس کی سنہری کرنیں سفید سفید برف پر پڑ کر کچھ عجب رنگ پیدا کر رہی تھیں۔ سلطان اس خوشنما منظر کو دیکھ رہا تھا اور دیکھنے میں محو تھا۔ تھوڑی دیر میں فیروز اور منصور واپس آ گئے۔ اُن کے ساتھ ایک بڑھیا آ رہی تھی۔ اُس کے کپڑے بگلے کے پر کی طرح سفید تھے۔ سر کے بال اور ابرو بھی سفید تھے۔ چہرے پر جھریاں پڑی تھیں۔ کمر جھک گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ آ رہی تھی۔ سلطان اُس بڑھیا کو دیکھ کر بڑا متعجب ہوا۔ ضعیفہ نے سلطان کے سامنے آ کر اُسے سلام کیا اور بڑھ کر اُس کے دامن کو بوسہ دیا۔

سلطان نے کہا: ''مادرِ مہربان! تم کون ہو؟''

ضعیفہ: ''میں ایک آوارہ وطن ہوں۔''

سلطان: ''یہاں، یعنی اس پہاڑ پر کیسے آئیں؟''

ضعیفہ: ''میری تمام عمر اسی پہاڑ پر گزری ہے۔''

سلطان: ''تعجب ہے۔ کیا تم تنہا رہتی ہو؟''

ضعیفہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔ ''اب تو تنہا ہی رہتی ہوں۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

سلطان: ''کب سے؟''

ضعیفہ: ''ایک عرصہ گزر گیا۔''

سلطان: ''اور پہلے کس کے ہمراہ رہتی تھیں؟''

ضعیفہ: ''اپنے شوہر کے ساتھ..... آہ! وہ مر گئے۔ میں نے اُن کی وجہ سے اور اُنہوں نے میری وجہ سے دنیا کو چھوڑ دیا تھا۔ ہم دونوں اُس وقت جب جوانی نے ہم کو تمام اندیشوں سے بے نیاز کر رکھا تھا، اس پہاڑ پر آ گئے تھے۔ اور اُس وقت سے یہیں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے.....'' ضعیفہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ اپنے شوہر کو یاد کر کے رونے لگی۔ اُسے روتے دیکھ کر سلطان اور دوسرے لوگوں کے دل بھی بھر آئے۔ ضعیفہ نے اپنے سفید آنچل سے آنسو پونچھ کر غمزدہ لہجے میں کہا۔ ''وہ مر گئے اور میں تنہا رہ گئی۔ اُنہوں نے مرتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ ایک دن اس پہاڑ پر سلطان سبکتگین تشریف لائیں گے۔ اور وہی میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔''

سلطان: ''نہیں اے ضعیفہ! ایسا نہ کہو۔''

ضعیفہ: ''مسلمانوں کے پشت پناہ! اُنہوں نے ایسا ہی کہا تھا۔ اور خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ میں اپنی لمبی زندگی سے تنگ آ گئی ہوں۔ اور اب مطلق بھی جینے کی تمنا نہیں رہی ہے۔''

سلطان: ''شاید تم تنہائی سے گھبرا گئی ہو۔ اب میں تم کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

ضعیفہ نے یہ سن کر کچھ گھبراہٹ آمیز انداز سے کہا۔ ''کیا آپ مجھ کو مرنے والے کی قبر سے دُور لے جائیں گے؟''

سلطان: ''بشرطیکہ تم منظور کرو۔''

ضعیفہ: ''نہیں نہیں..... میں یہاں سے جانا نہیں چاہتی۔ اس پہاڑ پر وہ دفن ہیں جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز تھے۔ میں ایسی بے وفائی نہیں کر سکتی۔ میں یہیں رہوں گی اور یہیں مروں گی۔''

سلطان: ''اچھا..... یہیں رہنا۔ میں تمہارے پاس تمہاری حفاظت کے لئے کچھ سپاہی چھوڑ دُوں گا۔''

ضعیفہ: ''جس خدا نے میری آج تک حفاظت کی ہے، وہی آئندہ بھی کرے گا۔''

سلطان: ''مگر تم مسلمان ہو۔ اور میں مسلمانوں کا سلطان ہوں۔ میرا فرض ہے کہ تمہاری حفاظت اور آرام کا انتظار کروں۔''

ضعیفہ نے قدرے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب مجھے حفاظت اور آرام کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ میری زندگی آج ختم ہو جائے گی۔ مرنے والے نے یہی کہا تھا۔ اور اُن کی کوئی بات غلط نہیں ہوئی۔ میں خوش ہوں کہ آج میں اُن کے پاس پہنچ جاؤں گی جن کے فراق میں مدتوں روتی رہی ہوں۔''

سلطان: ''نہیں مادرِ مہربان! تم ابھی نہ مرو گی۔''

ضعیفہ: ''مجھے بددُعا نہ دیجئے۔ میں موت کی آرزومند ہوں۔ اور جس قدر جلد آئے اُسی قدر اچھا

ہے۔ میں وہ بات بتانے آئی ہوں، جس کے دریافت کرنے کی آپ کو ضرورت ہے۔''

سلطان: ''وہ کیا بات ہے؟''

ضعیفہ: ''یہی کہ وہ راجپوت جو سامنے کھڑے ہیں۔ اس چشمہ کی کیوں حفاظت کر رہے ہیں، جس کے کنارے پر وہ کھڑے ہیں۔''

سلطان نے حیرت سے ضعیفہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ چشمہ کی حفاظت کر رہے ہیں؟''

ضعیفہ: ''جی ہاں!''

سلطان: ''کیوں حفاظت کر رہے ہیں؟''

ضعیفہ: ''ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ اگر کوئی شخص خون کے چند قطرے اس چشمے میں ڈال دے تو رات کو ہوا اور برف کا طوفان[1] اُمڈ کر ہر چیز کو فنا کر دے۔''

سلطان: ''کیا کبھی ایسا ہوا ہے؟''

ضعیفہ: ''بہت عرصہ ہوا ہے۔ جب کابل میں ہندوؤں کی حکومت تھی، اُس وقت ایسا ہوا تھا۔''

سلطان: ''اگر میں ایسا کروں؟''

ضعیفہ: ''تو یقین ہے کہ ہندوؤں کا لشکر برف کے نیچے دب کر مر جائے گا۔''

سلطان: ''اچھا، چلو! مجھے وہ چشمہ تو دکھاؤ۔''

ضعیفہ: ''چلئے!''

اب سلطان، گھوڑے سے نیچے اُتر آیا۔ اُس کے ساتھ ہی اور سب لوگ بھی اُتر گئے اور سب کے سب ضعیفہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔

☆.....☆.....☆

سلطان کے برابر ضعیفہ آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اور سب لوگ اُن دونوں کے پیچھے چل رہے تھے۔ یہ سب ایک تنگ درّے میں گھس گئے اور اُسے عبور کرنے لگے۔ یہ درّہ، ندی کی طرح پیچ دخم کھاتا ہوا چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اُنہوں نے اُسے طے کر لیا اور اب وہ ایک کھلی ہوئی وادی میں نکل گئے۔ یہ وادی اس قدر سبزہ زار تھی کہ سوائے سبزہ کے چٹان یا پتھر نظر نہیں آتے تھے۔ ہر طرف چھوٹے بڑے درخت، پودے، گھاس اور بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس وادی میں پہنچ کر ضعیفہ نے کہا۔ ''سالہا سال سے ہمارا مسکن یہی وادی رہی ہے۔''

سلطان: ''نہایت فرحت افزا مقام ہے۔''

ضعیفہ: ''ہم دونوں نے اس بہشت زار کو پسند کیا تھا۔ اس میں خوش ذائقہ پھل بھی ہیں اور خوش رنگ و خوشبو دار پھول بھی۔ اور آبِ شیریں کے سرد چشمے بھی۔ گل پوش چٹانیں بھی ہیں اور سبز پتھر بھی ہیں۔ غرضیکہ یہ سب کچھ ہے۔ انسانی آرام کا سارا سامان قدرت نے یہاں مہیا کر رکھا ہے۔''

---

[1] اُس چشمہ کے متعلق ہندوؤں کا یہی عقیدہ تھا۔ اور اُن کے اس عقیدہ کی اطلاع ایک بڑھیا ہی نے دی۔ (تاریخ ہند صفحہ 194)

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

سلطان: ''واقعی بہشت زار ہے یہ جگہ۔''

ضعیفہ: ''کیا آپ مرحوم کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کی تکلیف گوارہ فرمائیں گے؟''

سلطان: ''ضرور..... یہ تو عین اسلامی طریقہ ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی قبر کے پاس سے گزرے تو سلام کرنے کے بعد فاتحہ پڑھے۔''

ضعیفہ: ''آیئے! میں آپ کو مرحوم کی قبر دکھاؤں۔''

ضعیفہ ایک طرف چلی۔ تھوڑی دُور چل کر ایک شیریں چشمہ نظر آیا۔ وہ سب ہی چشمہ کے کنارے کنارے چلتے رہے۔ ایک بڑی چٹان کے نیچے جا کر بڑھیا کھڑی ہوگئی۔ اُس نے کہا۔ ''میرا سرتاج اس غار میں آرام کر رہا ہے۔'' اُس نے اشارہ سے بتایا۔ اُس وقت ضعیفہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ رونے لگی۔ اور اس قدر روئی کہ ہچکی بندھ گئی۔ سلطان اور سب لوگ بھی کمال متاثر ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ضعیفہ نے کہا۔ ''جس سے میں محبت کرتی تھی، اور جو مجھے سب سے زیادہ عزیز تھا، اُسے میں نے اپنے ہاتھ سے نہلایا، کفن پہنایا اور خود ہی نمازِ جنازہ پڑھ کر اس غار میں رکھا اور ایک ہلکے پتھر سے غار کا منہ بند کر دیا۔ سبزہ نے اس پتھر کو ڈھک لیا ہے۔ اور اب وہ آرام کی نیند سو رہا ہے۔''

سلطان: ''معلوم ہوتا ہے کہ مردوں نے اُس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔''

ضعیفہ: ''مرد تھے کہاں؟ صرف میں تھی یا خدا کے فرشتے۔ میں نے اور شاید فرشتوں نے ہی نماز پڑھی۔''

سلطان: ''اچھا، ٹھہرو! پہلے ہم جنازہ کی نماز پڑھ لیں۔ شرع کا یہ حکم ہے کہ اگر کسی کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی ہو تو جب کوئی مسلمان اُس کی قبر کے پاس سے گزرے اور اُسے یہ بات معلوم ہو جائے تو وہ نماز پڑھے۔''

ضعیفہ نے شکورانہ نظروں سے سلطان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کس قدر خلیق اور مہربان ہیں۔ آپ میں مذہبیت کس قدر ہے۔ میں اور مرنے والے کی رُوح دونوں خوش ہوں گے۔''

سلطان اور اُس کے تمام ساتھی چشمہ کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کرنے لگے۔ ضعیفہ نے بھی وضو کیا۔ جب سب وضو کر چکے تو سلطان، امام بنا اور سب مقتدی۔ ضعیفہ بھی شریک ہوگئی اور سب نے جنازہ کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر فاتحہ پڑھی۔

بڑھیا نے ذرا بلند آواز سے کہا۔ ''اے، وہ کہ مجھے تنہا چھوڑ کر گہری نیند سو رہے ہو۔ دیکھو! آج سلطان، جو مسلمانوں کے حامی ہیں، جن کے آنے کی تم نے وصیت کی تھی، تمہارے مزار پر آئے ہیں۔ انہوں نے تمہاری نمازِ جنازہ پڑھی ہے۔ اب میں تمہارے پاس آ رہی ہوں۔ تمہیں میں نے دفنایا تھا۔ نہیں جانتی کہ مجھے کون دفنائے گا؟ آج میں نے آخری فاتحہ پڑھی ہے۔ اور تمہاری اس قبر سے جس سے مجھ کو ہمیشہ محبت رہی ہے، آج آخری مرتبہ جدا ہو رہی ہوں۔ میرے مالک سرتاج! میری غلطیوں کو معاف کر دینا۔ خدا کے سامنے میری کوتاہیوں کی شکایت کر کے مجھے شرمسار نہ کرنا۔''

ضعیفہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اُس نے دونوں ہاتھ میں دوپٹے کا پلہ تھام کر دُعا کی طرح اُوپر ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا۔ ''خدایا! میرے اس مجازی خدا کی قبر پر اپنی برکات اور رحمتیں نازل کرنا!'' اب اُس نے آنسو پونچھے اور واپس لوٹی۔ سلطان اور اُس کے ساتھی چلے۔ کچھ دُور چل کر بڑھیا رُکی۔ اُس نے ایک غار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''میں یہاں رہتی ہوں حضور!'' یہ غار ایک چٹان کے پھٹنے سے بن گیا تھا۔ اور اس کی صورت ایک وسیع کمرے کی سی ہوگئی تھی جس کے ستونوں اور اُونچے دروازے پر بیلیں چڑھ گئی تھیں۔ اور بیلوں پر خوش رنگ پھول کھل رہے تھے۔

بڑھیا، سلطان کو ساتھ لے کر شمال کی طرف گھومی اور ایک پگڈنڈی پر چلنے لگی۔ یہ پگڈنڈی ایک چٹان پر سے ہو کر گزری تھی جو بتدریج بلند ہوتی چلی گئی تھی۔ اگرچہ بڑھیا کو اُس پر چڑھنے سے بڑی تکلیف ہو رہی تھی، مگر وہ چڑھ رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ چٹان کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ یہاں بڑے بڑے تناور درخت کھڑے تھے جو کہ نہایت گھنے اور سایہ دار تھے۔ ان درختوں کے تاریک جنگل سے یہ لوگ گزر کر ایک مسطح چٹان پر پہنچے۔ اس چٹان کے نیچے ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ ضعیفہ نے کہا۔ ''یہی وہ چشمہ ہے جس کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اگر اس میں کوئی گندی چیز ڈال دی جاتی ہے تو دیوی دیوتا ناراض ہو کر برف و باد کا طوفان اُٹھا دیتے ہیں۔''

سلطان: ''مگر کیا چیز اس میں ڈالی جائے؟''

ضعیفہ: ''خون..... میں نے پہلے بھی آپ سے عرض کیا تھا۔''

سلطان: ''کس چیز کا خون؟''

ضعیفہ: ''کسی جانور کا۔''

سلطان نے فیروز سے کہا۔ ''تم، منصور اور عزالدین، اِدھر اُدھر جا کر دیکھو! اگر کوئی جانور مل جائے تو اُسے شکار کر لاؤ'' سب بہتر ہے، کہہ کر چلے گئے۔

سلطان ضعیفہ کے پاس کھڑا ہو گیا اور چشمہ دیکھنے لگا۔ چشمہ ایک اُونچی چٹان کے اُوپر سے بہہ کر آ رہا تھا۔ چونکہ اس کا پانی سفید تھا۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قدرت نے چٹان پر سفید چادر بچھا دی ہے۔ سلطان کو اس کا نظارہ بہت ہی بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ ابھی سلطان اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ منصور آ گیا۔ وہ کسی پہاڑی جانور کو کھینچے لئے آ رہا تھا۔ جب وہ سلطان کے قریب آیا تو اُس نے کہا۔ ''عالم پناہ! یہ جانور ملا ہے۔''

سلطان: ''تلوار سے اس کے ٹکڑے کر کے چشمے میں پھینک دو!''

منصور: ''بہت اچھا۔''

اُس نے تلوار سے اُس جانور کے ٹکڑے کئے اور ہر ٹکڑا الگ الگ چشمے میں پھینک دیا۔ اُس کے خون سے سید پانی قدرے رنگین ہو گیا تھا۔ سلطان نے کہا کہ ہندو کچھ عقیدے کے لوگ ہوتے ہیں۔ اس چشمے کے پانی کو بدرنگ دیکھ کر ضرور بالضرور ڈر جائیں گے۔''

ضعیفہ: ''اور اگر خدا نے چاہا تو آج زیادہ برف پڑ گئی تو وہ بالکل ہی بدحواس ہو جائیں گے۔ اور

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

عجب نہیں کہ بھاگ جائیں۔"

سلطان: "جو خدا کو منظور ہے، وہی ہوگا۔"

اب فیروز الدین اور عز الدین بھی آ گئے۔ وہ بھی ایک ایک جانور کو شکار کر کے لائے تھے۔ سلطان نے اُن جانوروں کے بھی ٹکڑے کرا کے چشمے میں ڈال دیئے۔ اب یہ سب واپس لوٹ کر اُس جگہ آئے جہاں ضعیفہ رہا کرتی تھی۔ اُس جگہ ضعیفہ رُک گئی اور اُس نے کہا۔ "خدا سلطان کو فتح عطا فرمائے۔"

سلطان: "میں کل پھر تم سے ملوں گا۔"

ضعیفہ: "مجھ سے؟ کل مجھے زندہ نہ پائے گا۔"

سلطان: "نہیں..... ابھی تم زندہ رہو گی۔"

ضعیفہ: "ناممکن ہے..... آج کا دن میری زندگی کا آخری دن ہے۔"

سلطان: "کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کب تک زندہ رہے گا اور کب مرے گا۔"

ضعیفہ: "یہ سچ ہے۔ مگر پیشین گوئی؟"

سلطان: "مسلمانوں کو کسی پیشین گوئی پر یقین نہیں کرنا چاہئے۔ آئندہ کا حال سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔"

ضعیفہ: "یہ سچ ہے۔ اور میرا یہی ایمان ہے۔"

سلطان: "مادر مشفقہ! جو شخص پیشین گوئی پر یقین کرتا ہے، وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے جب ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ بجز خدا کے غیب اور آئندہ کا حال کوئی نہیں جانتا تو کسی کی پیشین گوئی پر اعتماد کیوں کریں؟ یہ بڑے گناہ کی بات ہے۔"

ضعیفہ: "خدا مجھے معاف کرے۔ حقیقت میں مجھ سے بڑی خطا ہوگئی۔ مگر میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آج میں مر جاؤں گی۔"

سلطان: "اور یہ بات پیشین گوئی پر اعتماد کی وجہ سے ہے۔ ورنہ سوچو! ابھی تم بیمار نہیں ہو، اچھی ہو۔ کیسے مر جاؤ گی؟"

ضعیفہ: "میں نہیں جانتی..... مگر ایک بات کہہ سکتی ہوں۔"

سلطان: "کیا.....؟"

ضعیفہ: "رات میں نے اُنہیں (شوہر کو) خواب میں دیکھا ہے۔ وہ مجھے بلا رہے تھے۔ اور میں آج ضرور اُن کے پاس چلی جاؤں گی۔"

اسی وقت کچھ شور ہوا۔ ضعیفہ نے کہا۔ "اب جانوروں کے ٹکڑے راجپوتوں کے پاس پہنچے ہیں۔ اور وہ اس لئے شور کرنے لگے ہیں کہ اس چشمے کو جسے وہ متبرک سمجھتے ہیں، ناپاک کس نے کیا ہے۔"

سلطان: "ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اب دن چھپنے لگا ہے۔ ہم اجازت چاہتے ہیں۔"

ضعیفہ: "خدا آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔"

سلطان وہاں سے چلا اور اُس وادی کو عبور کر کے درّہ میں آیا۔ درّہ کو طے کر کے اُسی جگہ نکل آیا، جس جگہ سے روانہ ہوا تھا۔ اب یہ سب گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنی لشکر گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

چونکہ آفتاب غروب ہونے والا تھا۔ مغرب کی نماز کا وقت قریب آ گیا تھا۔ اس لئے سلطان اور اُس کے ساتھی تیزی سے گھوڑے دوڑائے چلے جا رہے تھے۔ آج عصر کے وقت سے ہی ہوا تیز ہو گئی تھی اور سورج کے غروب کے قریب پہنچ جانے کی وجہ سے حسب معمول سردی چمک آئی تھی۔ جب یہ پہاڑ سے نیچے اُتر کر میدان کی طرف بڑھے تو اُنہوں نے اکثر مسلمانوں کو لکڑیاں لئے کیمپ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ سلطان نے اُن کے قریب پہنچ کر اُن سے دریافت کیا۔ "تم اتنی لکڑیاں کیا کرو گے؟"

اُن میں سے ایک شخص نے کہا۔ "حضور! آج ہوا دوپہر سے ہی تیز چل رہی ہے۔ آثار و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید شب کو برف زیادہ پڑے۔"

سلطان: "اگر یہ خیال ہے تو تم نے تمام مسلمانوں سے کیوں نہ کہہ دیا کہ وہ لکڑیاں زیادہ فراہم کر لیں؟"

وہی شخص: "اس لئے نہ کہا کہ برف نہ پڑی تو لوگ مجھے بے وقوف سمجھیں گے۔"

سلطان: "مگر دن چھپ رہا ہے اور تم لشکر سے کافی فاصلے پر ہو۔ مغرب کی نماز جماعت سے کیسے پڑھ سکو گے؟"

وہی شخص: "ہم نے وضو کر لیا ہے حضور! ہم جاتے ہی شریک نماز ہو جائیں گے۔"

سلطان: "ذرا تیزی سے چلے آؤ۔ دیکھو! اذان ہو رہی ہے۔"

سلطان اور اُس کے ہمراہیوں نے گھوڑے تیز کر دیئے۔ چونکہ اب سورج چھپ گیا تھا۔ اس لئے یہ وسیع میدان نہایت دلفریب منظر پیش کر رہا تھا۔ لشکر تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ اذان کی آواز آ رہی تھی۔ چونکہ نماز اُسی طرف میدان میں پڑھی جاتی تھی اس لئے مسلمان چشمہ کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کر رہے تھے۔ سلطان اور اُس کے ساتھی گھوڑے دوڑا کر اپنے اپنے خیموں میں پہنچے اور فوراً ہی لوٹ کر میدان میں آ گئے۔ چونکہ اُن لوگوں نے وضو کیا ہوا تھا اس لئے آتے ہی سلطان نے نماز پڑھانا شروع کر دی۔ ابھی پہلی رکعت ختم نہ ہوئی تھی کہ وہ لوگ بھی آ گئے جو کہ لکڑیاں لا رہے تھے۔ اُنہوں نے لکڑیوں کے بوجھ ڈال دیئے اور جلد ہی نماز میں شریک ہو گئے۔ جب نماز ختم ہوگئی تو سلطان نے کہا۔ "آج کچھ ایسے آثار نظر آ رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید برف و باد کا طوفان آ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو سردی بڑھ جائے گی۔ لکڑیوں کی ضرورت زیادہ پڑے گی۔ اس لئے سب لوگ کھانا تیار کرنے کی بجائے لکڑیاں کاٹ لائیں اور عشاء کی نماز پڑھ کر کھانا وغیرہ تیار کریں۔"

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

سلطان کے اس حکم کو افسروں نے تمام لشکریوں کو سنا دیا۔ چنانچہ اُسی وقت لوگ لکڑیاں کاٹنے کے اوزار لے کر پہاڑ کی طرف روانہ ہونا شروع ہوئے۔ رات چاندنی تھی۔ اس لئے چاند نکل آیا تھا۔ مجاہدین کے سو سو اور دو دو سو کے گروہ جا رہے تھے۔ یہ تمام لوگ میدان میں پھیل کر پہاڑ پر چڑھ گئے تھے اور پہاڑ پر جاتے ہی اُنہوں نے خشک و تر جیسی، جیسی لکڑیاں ملیں، کاٹنا شروع کر دیں۔ چونکہ چاند پورا نہ تھا اس لئے چاندنی نہ کھل رہی تھی۔ اور چاندنی نہ ہونے کی وجہ سے اُجالا کم ہو رہا تھا۔ گویا معمولی چراغوں کی سی روشنی ہو رہی تھی۔

کہیں کہیں چاندنی، درختوں کی شاخوں اور چوں سے چھن چھن کر پتھروں اور سبزہ سے لدی ہوئی چٹانوں پر پڑ رہی تھی۔ لیکن ذرا سے فاصلے کی چٹانیں مہیب قلعے اور درخت خوفناک صورت والے جن نظر آ رہے تھے۔ مسلمان دُور دُور تک پھیلے ہوئے لکڑیاں کاٹ رہے تھے۔ چونکہ فضا خاموش ہو گئی تھی اس لئے لکڑیاں کاٹنے کی آواز دُور تک جا رہی تھی۔ ہر شخص نے اس قدر لکڑیاں کاٹ لیں کہ تمام شب جلانے کے لئے کافی ہوں۔ اب اُنہوں نے بوجھ باندھے اور سروں پر اُٹھا اُٹھا کر لشکر گاہ کی طرف چل پڑے۔ اُن کا دُور تک تانتا بندھ گیا۔ اُس وقت ہوا مغرب کے وقت سے بھی زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ اُن لوگوں کی عباؤں کے دامن اور عمامہ کے پلے ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اور یہ سب ہوا سے کشتیاں لڑتے، بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ جب وہ کیمپ میں پہنچے تو عشاء کا وقت ہو گیا تھا۔ مؤذن نے اذان دی اور یہ سب میدان میں پہنچ گئے۔ اس وقت سردی زیادہ ہو گئی تھی۔ پانی سرد تھا۔ ہوا کے سرد جھونکے بدن میں تیر کی طرح لگ رہے تھے۔ وضو کرنا بڑا دشوار ہو رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ ایسے سخت اور جفاکش تھے کہ کسی بات کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ فوراً چشمہ کے کنارے پر وضو کرنے کے لئے بیٹھ گئے اور اطمینان سے وضو کرنے لگے۔ سلطان بھی آ گیا تھا اور وہ بھی ٹھنڈے پانی سے وضو کر رہا تھا۔ آج مسلمان ذرا سی سردی اور ذرا سی گرمی کا خیال کر کے نماز نہیں پڑھتے۔ دریافت کرنے پر کہہ دیتے ہیں کہ سردی بہت زیادہ تھی اس لئے وضو نہیں کیا جا سکا یا گرمی شدت کی تھی، لو لگ رہی تھی اس لئے مسجد تک نہ جا سکے۔ حالانکہ کھانا ایک وقت کا بھی نہیں چھوڑتے۔ برابر کھاتے رہتے ہیں۔ حقہ پینے والے حقہ پیتے رہتے ہیں۔ کوئی چیز بھی نہیں چھوڑی جاتی۔ چھوڑ دی جاتی ہے تو نماز۔ وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہو گا اور نماز نہ پڑھنے والے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے یا وادی زمہریر میں پھینک دیئے جائیں گے۔ زمہریر کی سردی، دنیا بھر کے مقامات سے زیادہ سرد ہو گی اور دوزخ کی گرمی دنیا بھر کی گرمیوں سے تیز ہو گی۔ مسلمان وہی ہے جو سردی یا گرمی، نیز کسی بات کی پرواہ نہ کر کے برابر نماز پڑھتا رہے۔ بہشت ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے۔

جب سلطان وضو کر چکا تو اُس نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد اُس نے اعلان کیا کہ آج مسلمان رات کو بالکل نہ سوئیں۔ کیونکہ ہوا تیز اور سرد ہوتی جا رہی ہے۔ آسمان تاریک ہو گیا ہے۔ ستارے ڈگمگا رہے ہیں۔ خطرہ ہے کہ برف رات کو زیادہ نہ پڑ جائے یا ہوا کا طوفان نہ آ جائے۔

اس لئے لوگ کھانا تیار کر کے کھا لیں اور ایک ایک خیمہ میں دس دس بارہ بارہ آدمی بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت یا تاریخی واقعات بیان کرنا شروع کر دیں۔ جس سے کہ اُن کی رات گزر جائے۔ اگر ہوا کا طوفان آ جائے تو خیموں کی میخیں دیکھتے رہیں مبادا خیمے اُکھڑ کر اُن پر نہ آ پڑیں۔ اور اگر برف زیادہ پڑنے لگے تو تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد خیموں سے نکل نکل کر خیموں کو جھٹکتے رہیں۔ تاکہ برف کے طوفان کی وجہ سے خیموں کی چولیں ٹوٹ کر نہ گر جائیں۔ ان تمام سلطانی ہدایات کو افسروں نے سپاہیوں تک پہنچا دیا۔ چونکہ اب سردی ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ اس لئے مسلمان سپاہی اور افسر اپنے اپنے کیمپوں کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت یا تو چاند چھپ گیا تھا یا بادلوں نے آسمان کو ڈھک لیا تھا اس لئے ہر طرف اندھیرا پھیل گیا تھا۔ چند قدم کی چیز بھی صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہوا کے تیز جھونکے سائیں سائیں کرتے ہوئے چل رہے تھے۔ سردی کی وجہ سے ہاتھ پیر اکڑے جا رہے تھے۔ مسلمان جلدی سے کیمپوں میں پہنچ گئے اور آگ کے الاؤ روشن کر کے تاپنا شروع کر دیئے۔ اب سے پہلے تمام اسلامی لشکر میں کہیں آگ روشن نہیں تھی اس لئے ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا اور کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ لشکر کس طرف ہے۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں تمام لشکر میں آگ روشن ہو گئی۔ ہزار جگہ شعلے بھڑکنے لگے اور ہر جگہ مسلمان آگ کے سامنے بیٹھے تاپتے نظر آنے لگے۔ جب ذرا اُن کے جسموں میں گرمی آ گئی، تب اُنہوں نے کھانا تیار کرنا شروع کیا۔ ابھی وہ لوگ کھانا تیار کر ہی رہے تھے کہ ہندوؤں کے لشکر میں ایک شور عظیم بلند ہوا۔ خوفناک آوازوں کے ساتھ چیخیں سنائی دینے لگیں۔ اُس وقت سلطان اپنے خیمے میں پوستین اوڑھے بیٹھا تھا۔ اُس نے اپنے خادم کو بلایا۔ جب وہ آیا تو اُس سے دریافت کیا۔ ''یہ ہندوؤں میں شور کیسا ہو رہا ہے؟''

خادم نے کہا۔ ''کچھ معلوم نہیں ہوا حضور! شاید درندہ جانور اُن کے لشکر میں جا گھسے ہیں۔''

سلطان: ''فیروز کو بلاؤ۔''

خادم چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں فیروز کو ہمراہ لے کر حاضر ہوا۔ فیروز نے خیمے میں داخل ہوتے ہی نہایت ادب سے سلام کیا۔ سلطان نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ بیٹھ گیا، تب سلطان نے اُس سے دریافت کیا۔ ''یہ ہندوؤں کے لشکر میں کیسا شور ہو رہا ہے؟''

فیروز: ''کچھ پتہ نہیں چلا۔ لوگ چلا رہے ہیں۔''

سلطان: ''کچھ آدمیوں کو بھیجو تاکہ وہ پتہ لگا کر آئیں۔ اور اپنے کیمپ کے چند دستے طلایہ گردی کے لئے بھیج دو۔''

فیروز: ''میں نے پہلے ہی سے سو سو آدمیوں کے دستے طلایہ گردی کے لئے بھیج دیئے ہیں۔ لشکر کی حفاظت شروع ہو گئی ہے۔ البتہ ہندوؤں کی چیخ و پکار کا پتہ لگانے کے لئے کچھ آدمی اب بھیجے دیتا ہوں۔''

سلطان: ''کم سے کم پچاس آدمی بھیجنا۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

فیروز: ''بہت اچھا۔''

سلطان: ''اُن کو ہدایت کر دینا کہ نہایت ہوشیاری سے جائیں اور پتہ لگا کر آئیں۔''

فیروز: ''بہتر ہے۔''

سلطان: ''دیکھو! سردی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ایسا انتظام کرو! کہ طلایہ گرد دستے دو گھنٹے سے زیادہ گرد آوری نہ کریں اور اپنا پورا وقت صرف کر کے فوراً لوٹ آئیں اور آگ کے سامنے بیٹھ کر تاپیں۔ اور اُن کی بجائے دوسرے دستے روانہ ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو سردی سے نقصان پہنچ جائے۔''

فیروز: ''میں اعلیٰ حضرت کے فرمان کے بموجب عمل کروں گا۔''

فیروز شاہی خیمے سے نکلا۔ اُس نے پچاس آدمی ہندوؤں کے لشکر کی طرف روانہ کر دیئے اور ایک ایک ہزار کے چار دستوں کو ہدایت کر دی کہ وہ دو دو گھنٹے کے بعد طلایہ گردی کے لئے روانہ ہو جائیں۔ چونکہ یہ بات تمام مسلمان جانتے تھے کہ سلطان نے تمام مسلمانوں کو رات بھر بیدار رہنے کی ہدایت کر دی ہے، اس لئے وہ خود بھی تمام شب بیدار رہے گا۔ لہٰذا اُن میں سے کسی شخص نے بھی خواہ وہ افسر ہو یا سپاہی، سونے کا ارادہ نہ کیا۔ بلکہ آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھے تاپتے رہے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہوا اور تیز ہوگئی اور برف پڑنے لگی۔ روئی کے گالوں کی طرح سفید سفید اور ہلکی ہلکی برف پڑ رہی تھی۔ وہ پڑتی ہوئی نہ معلوم ہوتی تھی۔ مگر جب جمع ہو جاتی تھی تو کپڑے تر کر دیتی تھی اور بوجھ بھی معلوم ہونے لگتا تھا۔

ادھر سردی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ مسلمان جو سرد ملک کے رہنے والے تھے (غزنی پہاڑوں سے گھرا ہوا شہر ہے۔ اور یہ لوگ غزنی ہی کے رہنے والے تھے) وہ بھی برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ تمام مسلمان انگارے اُٹھا اُٹھا کر خیموں میں گھس گئے اور پندرہ پندرہ بیس بیس، ایک ایک خیمے میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ اگرچہ اُنہوں نے خیموں کے پردے بھی ڈال دیئے تھے مگر تیز اور یخ بستہ ہوا کے جھونکے کہیں نہ کہیں سے گزر کر خیموں کے اندر پہنچ ہی جاتے تھے۔ اور جب کوئی جھونکا آتا تھا تو سارے مسلمانوں کے جسموں میں کپکپی پیدا ہو جاتی تھی۔ اس وقت آگ کے انگارے بڑے پیارے معلوم ہو رہے تھے۔ اور سب اُن کے گرد پوستینیں اوڑھے بیٹھے تھے۔ اُنہیں سلطان نے ہدایت کر دی تھی کہ ہوا تیز ہونے یا برف پڑنے کی صورت میں وہ بار بار تھوڑے تھوڑے وقفہ سے خیموں سے نکل کر میخوں کو مضبوط کرتے اور خیموں سے برف جھٹکتے رہیں۔ لہٰذا ہر خیمہ والے گھنٹہ گھنٹہ بھر بعد باہر نکلتے تھے اور میخوں کو مضبوط کر کے نیزوں سے برف جھٹک دیتے تھے۔

برف اس کثرت سے پڑ رہی تھی کہ گھنٹہ بھر ہی کے اندر اندر خیمے اُس کے بوجھ سے جھک جاتے تھے۔ اور جو برف اُن کے اُوپر سے گرائی جاتی تھی، وہ تہ در تہ جمتی چلی جا رہی تھی۔ شدت سے برف پڑنے کی وجہ سے تمام میدان کُرہ زمہریر بنا ہوا تھا۔ ہوا نے سردی کو اور بڑھا دیا تھا اور باوجود میخیں ٹھونکنے کے، برف جھاڑنے کے اور اِدھر اُدھر گھومنے کا کام کرنے کے مجاہدوں کے ہاتھ

پاؤں اکڑے جاتے تھے۔ ہر خیمہ میں مسلمانوں نے آگ روشن کر لی تھی۔ اور اس آگ سے ہی قدرے امن مل رہا تھا۔ اگر سلطان اُن کو جاگتے رہنے اور میخیں ٹھونکنے یا برف جھاڑنے کا حکم نہ دیتا تو وہ سوتے رہتے۔ اور غالب تھا کہ باد و برف کا طوفان اُن کا خون رگوں میں جما دیتا اور اس سے وہ اکڑ کر مر جاتے۔

آدھی رات کے بعد وہ پچاس مسلمان واپس آ گئے جو ہندوؤں کے لشکر میں اُن کے چلانے کی وجہ معلوم کرنے کے لئے گئے تھے۔ اُنہوں نے آ کر بتایا کہ ہندو، باد و برف کے طوفان سے سخت خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ اُن کے دیوی اور دیوتا اُن سے اس لئے ناخوش ہو گئے ہیں کہ کسی نے مقدس چشمہ کے متبرک پانی کو ناپاک کر دیا ہے۔

سلطان یہ عقیدہ سن کر ہنسا۔ وہ اپنے خیمے سے باہر نکلا۔ اُس نے دیکھا کہ ہوا اور برف باری نے فضا کو اس قدر مکدر اور تاریک کر رکھا ہے کہ ایک قدم کے فاصلے کی چیز بھی صاف نظر نہ آتی تھی۔ اس کے علاوہ سردی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ انسان اس کے مقابلہ سے عاجز ہے۔ اُس نے اس حالت میں بھی تمام لشکر کا چکر لگایا اور لوگوں کو آگ کثرت سے جلانے اور جلد جلد خیمے جھٹکتے رہنے کی ہدایت کرتا رہا۔ جب اُس کے ہاتھ پاؤں بالکل ہی جواب دینے لگے، تب وہ اپنے خیمے میں واپس آ گیا اور آگ کے سامنے بیٹھ کر تاپنے لگا۔

☆......☆......☆

جس وقت سلطان نے جانوروں کے ٹکڑے کروا کے چشمے میں ڈلوا دیئے تھے، اُس وقت پانی کی رنگت بدل گئی تھی۔ اور جب یہ گدلا پانی راجپوتوں کے سامنے پہنچا جو چشمے کے کنارے پر کھڑے اُس کی حفاظت کر رہے تھے اور اُنہوں پانی کا بدلا ہوا رنگ دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ چشمے میں کسی نے کوئی ناپاک چیز ڈال دی ہے۔ یہ دیکھتے ہی اُن پر خوف و ہراس طاری ہو گیا اور وہ بجائے اس کے کہ یہ دیکھنے یا معلوم کرنے کی کوشش کرتے کہ کس نے یہ حرکت کی ہے، وہاں سے ڈر کر بھاگ گئے اور اپنے لشکر میں پہنچے۔

اتفاق سے بھیم لشکر کے کنارے پر ہی موجود تھا۔ اُس نے جب اُنہیں بدحواس دیکھا تو وہ اُن کے پاس گیا اور اُن کو روک کر دریافت کیا۔ ''کیا چشمہ کے کنارے پر مسلمان آ گئے ہیں؟''

''نہیں۔'' اُن کے افسر نے کہا۔

بھیم: ''کیا درندے آ گئے ہیں؟''

افسر: ''نہیں۔''

بھیم: ''اور کیا بات ہوئی کہ تم سہمے ہوئے بھاگے چلے آ رہے ہو؟''

افسر: ''کسی پاپی نے چشمے میں خون ڈال دیا ہے۔''

بھیم کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ اُس نے جلدی سے کہا۔ ''خون ڈال دیا ہے؟''

افسر: ''جی ہاں۔''

www.pdfbooksfree.pk

بھیم: ''کس نے ڈالا ہے؟''

افسر: ''یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ شاید چٹان کی چوٹی پر سے ڈالا گیا ہے۔''

بھیم: ''افسوس! اب ہمارا کیا انجام ہوگا؟ ہمارے دیوتا ناراض ہو جائیں گے۔ اور وہ ہم پر قہر و غضب نازل کر دیں گے۔ آہ..... کس نے یہ حرکت کی؟ اچھا، تم ٹھہرو۔ میں مہاراج کو مطلع کرتا ہوں۔'' وہ لوگ رُک گئے۔ بھیم سیدھا جے پال کے خیمے پر پہنچا۔ اُس وقت جے پال خیمے کے باہر ایک مسند پر بیٹھا تھا۔ اُس نے بھیم کو پریشان خاطر دیکھ کر کہا۔

''میرے وفادار سپہ سالار! تم پریشان کیوں ہو؟''

بھیم: ''اَن داتا! غضب ہو گیا۔''

جے پال گھبرا گیا۔ اُس نے خوفزدہ نگاہوں سے بھیم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا ہوا؟ جلد بتاؤ!''

بھیم: ''کسی بدبخت نے مقدس چشمے کے پوتر پانی کو خون ڈال کر ناپاک کر دیا ہے۔''

یہ سن کر جے پال سکتہ کے عالم میں بیٹھا رہ گیا۔ اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کچھ دیر کے بعد وہ اپنے حواس میں آیا۔ اُس نے کہا۔ ''ایسی جرات کس نے کی؟''

بھیم: ''سوائے اُن ملیچھ مسلمانوں کے اور کون ایسی جرات کر سکتا تھا؟''

جے پال: ''مگر مسلمانوں کو معلوم ہی کیا تھا کہ یہ متبرک چشمہ ہے؟''

بھیم: ''یہ لوگ انسان نہیں ہیں۔ جن یا بھوت ہیں۔ اُنہیں سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔''

جے پال: ''مگر چشمہ کے محافظوں نے اس کی تصدیق کیوں نہ کی؟''

بھیم: ''وہ خون آلود پانی دیکھ کر بدحواس ہو گئے۔''

جے پال نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔ ''آہ..... اب ہندوؤں کی رکھشا (حفاظت) پرماتما (خدا) بھی نہیں کر سکتا۔''

بھیم: ''دیوی اور دیوتاؤں کے سامنے ایشور کی کیا چلے گی؟ اب تباہی سر پر آئی سمجھو۔''

جے پال: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ ہوا دم بدم تیز ہوتی جاتی ہے۔ اور مطلع مکدر ہوتا جا رہا ہے۔ بس! برف اور ہوا کا طوفان آیا ہی سمجھو۔''

بھیم: ''یقیناً..... اب کیا کریں گے کہ جس سے کہ ہم دیوتاؤں کے قہر و غضب سے بچ جائیں؟''

جے پال: ''افسوس یہ ہے کہ ہمارے ساتھ کوئی برہمن نہیں ہے، جس سے کوئی بات دریافت کرتے اور وہ کوئی اُپائے (بدل) بتاتا۔''

بھیم: ''میرے خیال میں ہم کو رونا اور عاجزی کرنا چاہئے۔ شاید اس سے دیوتاؤں کا غصہ فرو ہو جائے اور ہم پر آنے والی بلا ٹل جائے۔''

جے پال نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک تدبیر بتائی ہے۔ تم سارے لشکر میں اعلان کرا دو کہ لوگ سجدہ میں گر کر اور رو رو کر دُعائیں مانگیں۔''

بھیم نے تمام لشکر میں اعلان کرا دیا کہ کسی دشمن نے پاک چشمہ کے پانی کو ناپاک کر دیا ہے۔

اس لئے دیوتا سخت غضب ناک ہو گئے ہیں اور غصہ میں آ کر اُنہوں نے ہوا کی کھڑکی کھول دی ہے۔ اور برف کی سلیں برسانے والے ہیں۔ اس لئے سب لوگ رو رو کر اُن سے رحم و کرم کی التجائیں کریں۔

چونکہ ہندو، موت سے ڈرتا ہے۔ اس لئے وہ ہر چیز میں موت کی جھلک دیکھ کر سہم جاتا ہے۔ وہ اپنے دیوتاؤں کو پوجتا ہے جو عدد شمار سے بھی باہر ہیں۔ چنانچہ جونہی ہندوؤں نے یہ خبر سنی، وہ سخت خوفزدہ ہو گئے اور سب سجدہ میں گر کر رونے اور چلانے لگے۔ چونکہ دن چھپ گیا تھا اور ہوا تیز ہو گئی تھی۔ برف شروع رات سے ہی پڑنے لگی تھی، اس لئے ہندو اور بھی سہم گئے اور چلا چلا کر رونے لگے تھے۔ یہی وہ شور کی آواز تھی، جسے سلطان نے سن کر فیروز کو حکم دیا تھا کہ وہ جاسوس بھیج کر معلوم کرے کہ ہندو کیوں رو رہے ہیں؟ اور فیروز نے پچاس آدمی بھیجے تھے جو خبر لائے تھے کہ ہندوؤں کا خیال ہے کہ چشمہ کا پانی ناپاک ہو جانے سے دیوتا غضبناک ہو گئے ہیں اور اُنہوں نے برف و باد کا طوفان بھیج دیا ہے۔

ہندو سجدوں میں پڑے دیر تک روتے رہے۔ التجائیں کرتے اور گڑگڑاتے رہے۔ مگر وہ اس کام میں تو معذور رہے لیکن اُنہوں نے برف و باد کے طوفان سے بچنے کے لئے کوئی تدبیر نہ کی۔ جوں جوں رات زیادہ آتی گئی، سردی بڑھتی گئی۔ ہوا تیز ہو گئی۔ برف کثرت سے پڑنے لگی اور گرم ملک کے رہنے والے ہندو تیز ہوا کے جھونکوں سے کانپنے لگے۔ اُنہوں نے آج کھانا بھی نہ تیار کیا تھا۔ لشکر میں بہت کم آگ روشن کی گئی تھی۔ اگر وہ کھانا تیار کرتے، جگہ جگہ آگ جلاتے تو اس قدر سردی محسوس نہ ہوتی جس قدر کہ اب ہو رہی تھی۔ جب آدھی رات ہوئی تو ہوا نے خیمے اُکھاڑ دیئے اور برف کے بوجھ نے خیموں کی چوبیں توڑ دیں اور خیمے سپاہیوں پر گرنے لگے۔ سپاہی خوف و دہشت سے کانپ اُٹھے۔ بڑھتی ہوئی سردی کی وجہ سے یوں بھی اُن کے جسم لرزنے لگے تھے۔ خیموں کے گرنے سے وہ مزید پریشان ہو گئے اور پہلے تو وہ دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے زبردستی رو رہے تھے۔ مگر اب حقیقت میں رونے اور چلانے لگے۔ تمام افسر خیموں کے اندر گھسے ہوئے کشمیری شالیں اوڑھے بدن کو سمیٹے بیٹھے تھے۔ مگر سرد ہوا کے جھونکے آ آ کر تیر کی طرح لگتے تھے اور وہ کانپ اُٹھتے تھے۔ ہوا اور برف کا طوفان دیکھ کر سب نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ رات اُن کے لئے موت کا پیغام لے کر آئی ہے۔ دُعا اور زاری کچھ کام نہ آ رہی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہوا نے خیموں کو اُکھاڑنے اور برف نے اُنہیں دبانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ جن کے خیمے گر پڑے تھے، اُن میں اُٹھنے کی سکت نہ رہی تھی۔ شدید سردی نے اُن کے ہاتھ پاؤں اکڑا دیئے تھے اور خون رگوں میں منجمد ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ کانپ رہے تھے..... کچھ کہنا چاہتے تھے۔ مگر آواز نہ نکلتی تھی۔ سردی دم بدم بڑھتی جاتی تھی اور انسان اور گھوڑے اکڑ اکڑ کر گرنے اور مرنے لگے تھے۔ ہندوؤں کے تمام لشکر میں سراسیمگی اور بدحواسی طاری تھی۔ وہ چار چار پانچ پانچ آدمی ایک دوسرے کی کولی بھرے بیٹھے تھے۔ اور اُن میں سے جس پر سردی زیادہ اثر کرتی تھی، اُس کی رگوں میں خون جم کر رہ جاتا تھا

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

اور وہ اکڑ کر گر پڑتا تھا۔ چونکہ اُنہوں نے شروع رات میں آگ روشن نہ کی تھی اس لئے اب آگ جلانا ناممکن ہو گیا تھا۔ ہوا کے تیز جھونکے خیمے اُکھاڑ اُکھاڑ کر گرا رہے تھے اور برف، خیموں کے نیچے دب جانے والے ہندوؤں کو اور دبا رہی تھی۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ ملائے اعلیٰ نے تہیہ کر لیا تھا کہ دنیا بھر کی برف اکٹھی کر کے آج شب کو وہ لمغان کے سرد ریگستان میں اُلٹ دیں گے۔ چنانچہ برف کے گالے اس کثرت سے پڑ رہے تھے کہ اگر شامت اعمال سے کوئی آدمی خیمہ سے باہر نکلتا تھا تو دم کے دم میں برف اُس کے اُوپر پڑ پڑ کر اُسے دبانے لگتی تھی۔ برف میں دبی ہوئی ہوا تیزی سے چل کر تیروں سے زیادہ تکلیف دے رہی تھی۔ جگہ جگہ انسان اکڑ اکڑ کر مر رہے تھے اور گھوڑے گر گر کر نزع رہے تھے۔

خیموں کے گرنے سے جو دھماکے ہوتے، اُن سے ہزاروں انسان اور بے شمار گھوڑے مر گئے تھے۔ اُن کی سمجھ میں ہی نہ آتا تھا کہ کیا کریں اور کیسے اس طوفان سے بچیں۔ ہندو سہم جاتے۔ جے پال اور دوسرے افسر دم بخود تھے۔ وہ دُعا مانگ رہے تھے صبح ہونے اور آفتاب نکلنے کی۔ لیکن رات بڑھ گئی تھی اور صبح ہونے میں نہ آتی تھی۔ سورج نے گویا قسم کھالی تھی۔ ہندوؤں نے سمجھ لیا کہ ان میں سے ایک شخص بھی زندہ باقی نہ بچے گا۔ اس خیال نے اُنہیں قبل از وقت لب گور پہنچا دیا۔

☆......☆.....☆

تمام رات برف نہایت شدت سے پڑتی رہی اور ہوا تیز چلتی رہی۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ جیسی برف اُس روز پڑی تھی، ایسی سینکڑوں برس تک پھر نہ پڑی۔ البتہ 1900ء کے بعد اس وقت پھر پڑی جبکہ ہندوستانی لشکر، انگریزوں کے تحت اُسی میدان میں جا کر ٹھہرا تھا اور ہندوستانیوں کو اتنی ہی تکلیف اُٹھانا پڑی جتنی کہ جے پال کے لشکر نے اُٹھائی تھی۔ (تاریخ ہند صفحہ 94) تمام شب خیمے گرتے اور حیوان و انسان مرتے رہے۔ چونکہ شدت سرما کی وجہ سے لوگوں کی آوازیں نہ نکلتی تھیں۔ اس لئے وہ چپ چاپ ہی مر رہے تھے۔ بالآخر خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ صبح کے وقت ہوا کے تیز جھونکے بند ہو گئے تھے مگر سردی بدستور رہی۔ چونکہ برف ابھی تک پڑ رہی تھی اس لئے ہر طرف دُھواں سا چھایا ہوا تھا اور رات ہی کی سی ساری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ جب اچھی طرح سے دن چڑھ آیا اور سورج خوب نکل آیا، تب کہر چھٹنا شروع ہوئی اور پسماندہ ہندو اُن خیموں سے جو کھڑے ہوئے رہ گئے تھے، باہر نکلے۔ اُنہوں نے باہر نکل کر دیکھا کہ جہاں تہاں برف کے تودے لگے ہوئے تھے۔ جو خیمے گر گئے تھے اُن کی چوبیں یا کپڑا تک نظر نہ آتا تھا۔ جو گھوڑے مر گئے تھے یا جہاں کہیں راجپوت گر گئے تھے، سب برف میں دب گئے تھے اور اُن کے اُوپر برف کی تہیں جم گئی تھیں۔ جو خیمے کھڑے رہ گئے تھے، اُن پر بھی اس قدر برف جم گئی تھی کہ اُن کی چوبیں لچکنے لگی تھیں۔ اگرچہ ہوا تھم گئی تھی مگر اب بھی سردی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ لوگ کانپ رہے تھے۔ بہت سے کپڑے پہننے اور اوڑھنے پر بھی کپکپی بند نہ ہوئی تھی۔ اب جے پال کو کچھ ہوش آیا اور اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ آگ جلا کر تاپیں۔ چنانچہ فوراً لوگ آگ جلانے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر اُن کے ہاتھ پاؤں

ٹھٹھر گئے تھے اس لئے نہ لکڑیاں اُٹھتی تھیں اور نہ چقماق سے آگ جھاڑی جاتی تھی۔ تاہم وہ کوشش ضرور کر رہے تھے۔ آخر بڑی جدوجہد کے بعد چند جگہ آگ روشن ہو گئی۔ لوگ فوراً دوڑے۔ اور جن لوگوں نے آگ جلائی تھی، اُن سے آگ مانگ مانگ کر خود بھی جلانے لگے۔ گھنٹوں کی سعی بلیغ کے بعد خدا خدا کر کے آگ روشن ہوئی اور راجپوتوں نے تاپنا شروع کر دیا۔ وہ سردی سے اس قدر ٹھٹھرے اور اکڑے ہوئے تھے کہ چاہتے تھے کہ آگ کو گود میں لے لیں یا ہاتھ پیر اور دھڑ اس پر ڈال دیں اور جلد سے جلد ان کے جسم گرم ہو جائیں۔ جے پال کے لشکری لاہور کے رہنے والے تھے۔ لاہور گرم خطہ میں واقع ہے۔ وہاں گرمی زیادہ پڑتی ہے۔ وہ لوگ اتنی سردی برداشت کرنے کے عادی نہ تھے اس لئے سخت تکلیف میں تھے۔ عین دوپہر کے وقت کہر چھٹ گئی اور آفتاب لرزتا کانپتا نکلا۔ کئی گھنٹے آگ کے سامنے اور دُھوپ میں بیٹھنے سے اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کھلے اور سردی کا اثر کم ہوا۔ چونکہ برف کے انبار ابھی لگے ہوئے تھے اس لئے سورج نکل آنے اور آگ جلانے پر بھی سردی برائے نام ہی کم ہوئی تھی۔ جب تک لوگ دُھوپ یا آگ کے سامنے بیٹھے رہتے تو بدن گرم رہتا۔ اور جب ذرا بھی اِدھر اُدھر ہٹ جاتے تو پھر سردی سے کانپنے لگتے۔

اب جے پال نے بھیم کو بلا کر کہا۔ ''شمار کرو! کہ رات سردی کی وجہ سے کتنے آدمی مر گئے ہیں؟ اور اُنہیں جلوا ڈالو۔''

بھیم بہت اچھا کہہ کر چلا گیا۔ اُس نے سپاہیوں کو برف کے نیچے سے مُردے نکالنے اور شمار کرنے کا حکم دیا۔ اگرچہ اس کام کے لئے کوئی بھی تیار نہ تھا۔ لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات سمجھ کر بادل نخواستہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور برچھیوں سے برف کے تودے ہٹا ہٹا کر مُردوں کو نکالنے اور اُن کو لشکرگاہ کے کنارے پر یکجا کر ڈالنے لگے۔ شروع شروع میں تو اُن کو یہ کام کرنے میں بڑی تکلیف ہوئی۔ مگر جب کام کرنے سے اُن کے جسموں میں گرمی آ گئی تو پھر وہ سرگرم ہوئے اور کام میں لگ گئے۔ کئی گھنٹوں کی جدوجہد کے بعد اُنہوں نے تمام مُردوں کو ایک جگہ جمع کر کے جب اُنہیں شمار کیا تو کل تیرہ ہزار تھے۔

اس طرح سے اب تک اٹھائیس ہزار راجپوت کام آ گئے تھے۔ پندرہ ہزار تو جنگ میں کام آئے اور تیرہ ہزار برف کے نیچے دب کر تیز سردی سے اکڑ کر مر گئے۔ لہٰذا مجموعی تعداد کشتگان اٹھائیس ہزار ہو گئی۔ اب سپاہیوں نے مرنے والوں کو پھونکنا شروع کیا۔ جب دوپہر ڈھل گئی، تب جے پال نے بھیم اور بڑے بڑے افسروں کو طلب کیا۔ وہ اپنے خیمے کے سامنے سے برف اُٹھوا کر فرش پر بیٹھ گیا تھا۔ تمام لوگ آ کر اُسے سلام کر کے اُس کے سامنے بیٹھتے گئے۔ سفید سفید برف پر دُھوپ پڑ کر ایسی چمک پیدا کر رہی تھی، جس سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ جب سب لوگ آ گئے تب جے پال نے کہا۔

''میرے بہادرو اور وفادارو! کسی پاپی مسلمان نے اُس مقدس چشمہ کے پانی کو ناپاک کر دیا جس میں کہ ہمارے دیوی دیوتا اشنان کیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ ہم سے ناراض ہو گئے اور اُن کا قہر

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ہم پر نازل ہوا۔ گویا طوفان برف و باد آ گیا۔ جس قدر تکلیف اس سردی سے ہم نے آج اُٹھائی ہے، ایسی شاید ہی کبھی کسی انسان نے اُٹھائی ہو۔ تم جانتے ہو کہ دیوتاؤں کی شکتی (طاقت) ایشور (خدا) کے برابر ہے۔ اس لئے پرماتما بھی اُن کے غصہ کو نہ روک سکا۔ اور ہم جو اُن کے سیوک (خادم) ہیں، بری طرح سے پامال ہو گئے۔ شاید ہم سے ہمارے دیوتا اس وجہ سے ناخوش ہو گئے ہیں کہ ہم مسلمانوں پر چڑھائی کر کے آئے اور مسلمانوں نے یہاں آ کر مقدس چشمہ کو ناپاک کر دیا۔ اگر ہم یورش کر کے یہاں نہ آتے تو مسلمان بھی نہ آتے۔ اور جب وہ نہ آتے تو پاک چشمہ کا پانی ناپاک نہ کیا جاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب اُن کا غصہ اُس وقت تک دُور نہ ہوگا جب تک کہ ہم یہاں سے چلے نہ جائیں۔ کیا یہ میرا خیال صحیح ہے؟''

سب جاڑے کے ہاتھوں سے سخت تکلیف اُٹھا چکے تھے۔ اور اس میدان میں رہنے یا مسلمانوں سے لڑنے پر تیار نہ تھے۔ لہٰذا سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ ''آپ کا خیال بالکل صحیح ہے۔''

بھیم نے کہا۔ ''میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ مسلمانوں سے لڑنا ہی مناسب نہیں ہے۔''

جے پال: ''اس وقت ہمارے دیوتا ہم سے ناخوش نہ ہوئے تھے۔ اور ہم سمجھتے تھے کہ فتح ہماری ہی ہوگی۔ مگر اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔''

بھیم: ''مجھے ایک خیال رہ رہ کر آ رہا ہے۔''

جے پال: ''کیا؟''

بھیم: ''مقدس چشمہ کے پاک پانی کو پاپی مسلمانوں نے ناپاک کیا ہے، ہم ہندوؤں نے نہیں۔ دیوتاؤں کو ملیچھ مسلمانوں ہی سے ناراض ہونا چاہئے تھا۔ انہیں تباہ و برباد کرنا چاہئے تھا۔ مگر وہ ہم پر جو اُن کے سیوک ہیں، برس پڑے اور اپنے قہر و غضب کی بجلیاں ہم پر ہی گرانے لگے۔''

جے پال: ''خاموش! کیا تم بے ہودہ خیالات کا اظہار کر کے اُنہیں اور غضبناک کرنا چاہتے ہو؟''

بھیم: ''میں نے تو ایک بات کہی ہے۔ اگر اس پر بھی وہ ناراض ہو سکتے ہیں تو......''

جے پال: ''بس...... چپ رہو!''

بھیم: ''بہت اچھا...... میں زبان پر قفل لگا لوں گا۔''

جے پال: ''اب اُن کا غصہ اسی صورت میں دُور ہو سکتا ہے کہ ہم یہاں سے چلے جائیں۔''

بھیم: ''مگر مسلمان ہم کو آسانی سے کیوں جانے دیں گے؟''

جے پال: ''اُن سے صلح کر کے ہم جا سکتے ہیں۔''

بھیم: ''لیکن وہ صلح پر تیار کیوں ہوں گے؟''

جے پال: ''اُنہیں معلوم ہے کہ ہمارا لشکر اُن سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لئے اگر صلح کی سلسلہ جنبانی کی جائے تو یقین ہے کہ وہ بڑی خوشی سے منظور کر لیں گے۔''

ایک افسر نے کہا۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے۔ برف و باد کے طوفان نے جس طرح ہمیں تکلیف

دی ہے، اُسی طرح سے اُن کو بھی نقصان پہنچایا ہوگا۔ اس لئے جس طرح سے ہم صلح کے خواہشمند ہیں، اُسی طرح وہ بھی ہوں گے۔''

دوسرا افسر: ''خیال تو میرا بھی یہی ہے۔''

بھیم: ''اگر ایسا ہو جائے تو نہایت ہی اچھا ہے۔''

جے پال: ''پہلے تو یہ طے کرنا چاہئے کہ صلح کرنا مناسب بھی ہے یا نہیں؟''

تیسرا افسر: ''میرے خیال میں تو نہ صرف مناسب بلکہ بہت ہی اچھا ہے۔''

چوتھا افسر: ''رات پھر آ رہی ہے۔ اگر ایشور نہ کرے گزشتہ شب کی طرح پھر برف کا طوفان آ گیا تو شاید ہم میں سے ایک شخص بھی باقی نہ بچے۔''

پہلا افسر: ''بالکل ٹھیک کہا ہے آپ نے۔ اور اس لئے صلح کر کے یہاں سے جلد چلنا چاہئے۔''

جے پال: ''میں چاہتا تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو شکست دے کر غزنی پر قبضہ کر لوں۔ لیکن ہمارے دیوتاؤں نے یہ منظور ہی نہ کیا۔''

بھیم: ''مگر مسلمان اس وقت تک صلح ہرگز نہ کریں گے جب تک کہ اُنہیں تاوانِ جنگ نہ دیا جائے گا۔''

جے پال کو یہ سن کر طرارہ آ گیا اور اُس نے کہا۔ ''ہم تاوانِ جنگ دیں....؟ راجپوت کبھی ایسے ذلت آمیز طریقہ سے صلح کو برداشت نہیں کر سکتے۔''

دوسرا افسر: ''بلاشبہ ایک ایک راجپوت مر جائے گا۔ مگر تاوان دے کر صلح ہرگز نہ کرے گا۔''

تیسرا افسر: ''میرے خیال میں تو مسلمان بھی صلح کر لینے پر تیار بیٹھے ہوں گے۔ جہاں ہماری طرف سے ذرا بھی تحریک ہوئی، وہ فوراً بخوشی قبول کر لیں گے۔''

جے پال: ''یہی بات ہے۔ وہ اسی کو غنیمت سمجھیں گے کہ صلح کی ابتداء ہماری طرف سے ہوئی۔''

بھیم: ''تو قسمت آزمائی کر لیجئے۔''

جے پال: ''کیا تم کو شبہ ہے کہ مسلمان صلح نہ کریں گے؟''

بھیم: ''جی ہاں!''

جے پال: ''کیوں......؟''

بھیم: ''اس لئے کہ مسلمانوں کے ملک پر چڑھائی کر کے ہم آئے ہیں۔ اور اب ہم ہی صلح کر رہے ہیں۔ اس لئے مسلمان سمجھیں گے کہ ہم اُن سے دب گئے ہیں اور اس وجہ سے شاید وہ صلح کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔''

جے پال نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''میں کہتا ہوں کہ وہ ہمارے یہاں سے چلے جانے ہی کو بڑا غنیمت سمجھیں گے۔''

بھیم: ''ایشور کرے کہ ایسا ہی ہو۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

جے پال: ''اطمینان رکھو......ایسا ہی ہوگا۔''

بھیم: ''بس......تو ایک وفد بھیج دیجئے۔''

جے پال: ''صرف پانچ آدمیوں کو منتخب کرلو۔''

بھیم: ''ان داتا خود ہی انتخاب کرلیں۔''

جے پال: ''اچھا......''

اب اُس نے پانچ آدمی منتخب کئے اور اُن کو ہدایت کی کہ وہ سلطان کے روبرو جاکر پہلے اُسے ہندوؤں کی کثرت اور قوت سے ڈرائیں اور پھر صلح پر آمادہ کرکے محض اس بات پر صلح کرائیں کہ وہ بھی واپس چلے جائیں اور ہم بھی۔ اراکین وفد اُٹھے، اپنے اپنے خیموں پر پہنچے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اسلامی لشکر کی طرف چل پڑے۔

☆......☆......☆

مسلمان تمام شب برف اور ہوا کا مقابلہ کرتے رہے۔ وہ گھنٹہ گھنٹہ بھر کے وقفہ کے بعد خیموں سے باہر نکلتے، میخیں مضبوط کرتے اور نیزوں سے برف جھٹکتے اور پھر جاکر آگ تاپتے۔ اُن کی اس کارروائی سے اگرچہ ایک خیمہ بھی نہ گرا اور نہ کوئی آدمی ہی مرا۔ مگر چاروں طرف برف کے تودے لگ گئے۔ اور جب برف کے ان انباروں میں سے ہوا گزر کر خیموں کے اندر جاتی تھی تو مسلمان باوجود یہ کہ آگ کے گرد پوستینیں اوڑھے بیٹھے تھے، پھر بھی کانپ جاتے تھے۔ سرد ہوا کے جھونکے تیر کی طرح سے لگتے تھے۔ غرضیکہ وہ رات مسلمانوں نے بھی بڑی تکلیف اور نہایت مصیبت سے بسر کی۔ خدا خدا کرکے صبح ہوئی اور صبح ہوتے ہی اکثر آدمیوں نے وضو کرکے اذان دی۔ اذان کی آواز سنتے ہی تمام مسلمان خیموں سے باہر نکل آئے۔ اگرچہ اس وقت ہوا بند ہوگئی تھی۔ مگر برف ابھی تک پڑ رہی تھی۔ اور اسی وجہ سے ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ مسلمان ضروری حوائج سے فراغت پاکر چشمہ کے کنارے پر وضو کرنے کے لئے پہنچے۔ جب اُنہوں نے پانی میں ہاتھ ڈالے تو برف پر اُن کے ہاتھ پڑے اور وہ سمجھ گئے کہ چشمے کا پانی بھی جم گیا ہے۔ تب مسلمان لشکر گاہ میں واپس آئے اور نیزے لے کر پہنچے۔ اُنہوں نے نیزے مار مار کر برف کو توڑا۔ اور اُس کی سلوں کو ہٹا کر نیچے سے پانی نکالا۔ یہ پانی اتنا سرد تھا کہ اُسے ہاتھ نہ لگایا جاسکتا تھا۔ مگر خدا پرست مسلمانوں نے اُسی برف جیسے سرد پانی سے وضو کیا۔

وضو کرکے جب وہ اُس میدان میں پہنچے، جس میں وہ نماز پڑھا کرتے تھے تو تمام میدان میں برف پڑی ہوئی تھی۔ چونکہ اور کوئی جگہ نماز کے لئے نہ تھی، اس لئے اُنہوں نے برف پر ہی کھڑے ہوکر نماز پڑھی۔ سلطان نے نماز پڑھائی اور نماز ختم کرتے ہی کہا۔ ''مسلمانو! یہاں سے جاتے ہی آگ روشن کرو اور اُس کے گرد بیٹھ جاؤ! تم نے ٹھنڈے پانی سے وضو کیا ہے۔ برف پر کھڑے ہوکر نماز پڑھی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ سردی اپنا اثر کرجائے۔'' چنانچہ تمام مسلمان دوڑ دوڑ کر اپنے خیموں میں پہنچے اور آگ سلگا کر تاپنے لگے۔ جب دوپہر ہوئی اور برف کی چادر پھٹنے لگی تو سورج نمودار ہوا۔

اب مسلمانوں نے کھانا تیار کیا اور کھانا کھا کر ظہر کی نماز پڑھی۔

سلطان نے اُن کو حکم دیا کہ وہ سب پہاڑ پر چڑھ جائیں اور رات کو جلانے کے لئے لکڑیاں کاٹ لائیں۔ اس حکم کے سنتے ہی تمام سپاہی کلہاڑیاں لے کر پہاڑ کی طرف چلے گئے۔ صرف افسران اور ایک ہزار سپاہی کیمپ کی حفاظت کے لئے رہ گئے۔ کوئی چھ گھڑی دن رہے، فیروز سلطان کے حضور میں حاضر ہوا۔ اس وقت سلطان سبکتگین اور اُس کے ہونہار نوعمر فرزند محمود اور چند اور سردار خیمے کے اندر بیٹھے تھے۔ فیروز کو دیکھ کر سلطان نے دریافت کیا۔ ''کہو......کیسے آئے ہو تم فیروز؟''

فیروز نے کہا۔ ''عالم پناہ! ہندوؤں کا ایک وفد آیا ہے۔ اور وہ باریابی کے لئے اجازت چاہتا ہے۔''

سلطان: ''آنے دو!''

فیروز واپس چلا گیا۔ محمود نے کہا۔ ''اعلیٰ حضرت! میرے خیال میں راجہ جے پال نے انہیں صلح کرنے کے لئے بھیجا ہے۔''

سلطان: ''ممکن ہے۔''

محمود: ''معلوم ہوتا ہے کہ رات کے طوفان نے اُس لشکر میں زیادہ تباہی پھیلا دی ہے۔''

سلطان: ''طوفان کا اثر دونوں لشکروں پر برابر ہوا ہوگا۔''

اب فیروز ہندوؤں کے وفد کو لے کر حاضر ہوا۔ ہندوؤں نے ہاتھ جوڑ کر سجدہ میں گرنا چاہا، مگر فیروز نے اُنہیں منع کردیا اور وہ کچھ ڈر کر کھڑے رہ گئے۔ سلطان نے اُن کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ بیٹھ گئے، تب سلطان نے اُن سے دریافت کیا۔ ''تم کس لئے آئے ہو؟''

ایک راجپوت نے کہا۔ ''مہابلی! ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپ کو اس بات پر توجہ دلائیں کہ مقدس چشمہ کا پانی ناپاک کردیئے جانے سے ہمارے دیوتا، انسانوں سے ناراض ہوگئے ہیں اور اُنہوں نے غضبناک ہوکر رات برف اور ہوا کا طوفان بھیج دیا تھا......''

سلطان سبکتگین نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''دیوتاؤں کو خدا کی قدرت میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اور اس لئے یہ کام اُنہوں نے نہیں کیا، بلکہ خود خدا نے کیا ہے۔''

راجپوت: ''مگر ہم ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے دیوتاؤں کو اتنی بڑی طاقت حاصل ہے کہ وہ سب کچھ کرسکتے ہیں۔''

سلطان: ''یہ تمہاری ضعیف الاعتقادی ہے۔ اگر تمہارے دیوتاؤں کو ایسی ہی طاقت حاصل ہوتی تو تم اس طرح خوفزدہ نہ ہوتے۔ خیر! اب یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟''

راجپوت: ''ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان صلح ہوجائے۔ آپ اپنے ملک میں چلے جائیں اور ہم اپنے دیس میں۔''

سلطان: ''تم خوب جانتے ہو کہ لشکر کشی ہم نے نہیں کی ہے، بلکہ تم ہمارے ملک پر چڑھ کر آئے ہو''

www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

راجپوت: ''اسی لئے ہم نے صلح میں پیش قدمی کی ہے۔''

سلطان: ''لیکن اس جنگ میں ہمارا بہت کچھ خرچ ہوا ہے۔''

راجپوت: ''خرچ ہمارا بھی ہوا ہے اور آپ کا بھی۔ نہ ہم آپ سے اپنے اخراجات کا مطالبہ کرتے ہیں اور نہ آپ ہم سے مانگیں۔''

سلطان نے اپنے افسروں کو دیکھ کر کہا۔ ''یہ لوگ صلح کی درخواست لے کر آئے ہیں۔ خونریزی کو میں بھی پسند نہیں کرتا۔ اگر تم سب کی رائے ہو تو اس بات پر صلح کر لی جائے کہ جے پال اقرار کرے کہ آئندہ کبھی ہمارے ملک پر لشکر کشی نہ کرے گا۔''

عزیز الدین: ''اگر اس طرح سے باعزت سمجھوتہ ہو جائے تو کر لیا جائے۔''

منصور: ''لیکن ہم کو کیا فائدہ ہوا؟ جنگ کی تیاری میں جو نقصان ہمارا ہو چکا ہے، اس کی تلافی کیسے ہو سکے گی؟''

سلطان: ''مگر نقصان تو دونوں کا ہوا ہے۔''

محمود: ''لیکن صلح کے ہم تو خواہش مند نہیں ہیں۔ ہندو ہی ہم پر یورش کر کے آئے ہیں اور ابتداء بھی ان ہی کی طرف سے ہوئی ہے۔ اور ان کو ہی ہمارے اخراجاتِ جنگ ادا کرنا چاہئیں۔''

سلطان: ''لیکن برخوردار! جو طوفان رات آیا تھا، اُس نے ہمارے بھی قدم ڈگمگا دیئے ہیں۔''

محمود: ''طوفان ہر روز نہیں آیا کرتے۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ طوفان آ گیا۔''

راجپوت نے کہا۔ ''نہیں نہیں..... طوفان اُس وقت تک روز ہی آتے رہیں گے، جب تک کہ دیوتا ناخوش رہیں گے۔''

محمود: ''ہم اس فضول خیال کو نہیں مانتے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب تمہارے لئے ہے۔ چونکہ تم دنیا کی ہر ایک چیز سے ڈرتے ہو، اس لئے گھبرا گئے ہو۔ ہم سوائے خدا کے کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتے۔''

سلطان: ''مگر جب جے پال آئندہ جنگ نہ کرنے کا اطمینان دلا دے اور عہد کرے تو صلح کر لینے میں کیا حرج ہے؟''

محمود: ''ان راجاؤں کا کیا اعتبار؟ جب یہ لوگ دب جاتے ہیں تو قسم کھا کر صلح کر لیتے ہیں۔ اور جب موقع پاتے ہیں تو عہد و اقرار توڑ کر مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔''

منصور: ''عالم پناہ! شہزادہ عالم نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے۔ ان کی قسم کا کچھ اعتبار نہیں۔''

سلطان: ''معلوم ہوتا ہے، تم دونوں نوجوان صلح کرنے کے خلاف ہو۔''

محمود: ''ہم چاہتے ہیں کہ روز روز کے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ جے پال اپنے دل کے حوصلے نکال لے اور پھر یا تو وہ ہمیشہ کے لئے زیر ہو جائے اور یا ہم اُس کے غلام بن جائیں۔''

فیروز: ''بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے۔ جے پال ہمیشہ دھمکیاں دیتا رہا ہے۔ اور اب جبکہ ہمارا اور اُس کا مقابلہ ہو ہی گیا ہے تو جنگ کا نتیجہ نکلنے دیجئے۔''

سلطان نے راجپوت سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ ''میرا فرزند اور دوسرے مسلم بھائی صلح پر آمادہ نہیں ہیں۔ اور اس لئے صلح نہیں ہو سکتی۔''

راجپوتوں کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ وہ یہ سمجھ کر آئے تھے کہ مسلمان صلح کی اس سلسلہ جنبانی کو بڑا غنیمت سمجھیں گے۔ مگر اب جبکہ انہوں نے دیکھا کہ سلطان نے صلح سے انکار کر دیا ہے تو وہ بڑے متعجب ہوئے۔ کچھ وقفہ کے بعد ایک راجپوت نے کہا۔ ''لیکن حضور! صلح، جنگ سے بہتر ہے۔''

سلطان: ''یہ بات تو جے پال کو حملہ کرنے سے پہلے سوچنا چاہئے تھی۔''

راجپوت: ''کیا ہم بالکل مایوس ہو جائیں؟''

سلطان: ''صلح ناممکن ہے۔ اب یا تو جے پال کا راج غزنی میں ہوگا یا ہمارا راج لاہور میں ہو گا۔''

راجپوت مایوس ہو کر اُٹھے اور خیمہ سے باہر نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے لشکر کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

راجہ جے پال کو یہ بالکل یقین تھا کہ سلطان سبکتگین اُس کا وفد پہنچتے ہی صلح کر لے گا اور اُس کی طرف سے صلح کے پیغام کو غنیمت سمجھ کر اُس کا شکور ہوگا۔ وہ وفد کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ لوگ جو رات کو سردی سے اکڑ اکڑ کر مر گئے تھے، اب تک جلائے جا رہے تھے۔ لشکر گاہ کے کنارے پر آگ روشن ہو رہی تھی اور وہ سامنے بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں وفد کے واپس آنے کا غل ہوا۔ اگرچہ اُس کے جی کو لگی ہوئی تھی کہ وہ دریافت کرے کہ سلطان سبکتگین نے کیا جواب دیا ہے؟ لیکن بظاہر بے نیازانہ شان سے بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے سے وفد آ رہا تھا۔ اُس کے ہمراہ بہت سے افسران ہو گئے تھے اور ارکانِ وفد سے معلوم کر رہے تھے کہ آیا سلطان سبکتگین نے صلح منظور کر لی ہے یا نہیں؟ مگر وہ چپ چاپ تھے۔ جواب دینا تو دُور کی بات، ہوں یا ہاں تک بھی نہ کرتے تھے۔ لوگ اُن کے ساتھ ہی لگے چلے جا رہے تھے۔ بالآخر جب وہ جے پال کے پاس آ کر رُکے تو جے پال نے قلت سے دریافت کیا۔ ''کیا سلطان نے صلح کی تجویز کا خیر مقدم کیا؟''

اُن میں سے ایک شخص نے کہا۔ ''نہیں حضور!''

جے پال نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''نہیں؟''

وہی شخص: ''جی ہاں..... نہیں۔''

جے پال: ''گویا میری تجویز ٹھکرا دی گئی۔''

وہی شخص: ''بالکل!''

جے پال: ''سلطان صلح پر آمادہ نہیں ہوا؟''

وہی شخص: ''سلطان تیار تھا۔ مگر.....''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

جے پال: ''مگر کسی افسر نے رخنہ اندازی کی؟''

وہی شخص: ''نہیں حضور!''

جے پال: ''اور کس نے؟''

وہی شخص: ''سلطان کے بیٹے محمود اور اُس کے ایک ہم عمر لڑکے نے۔''

جے پال نے اور بھی حیرت سے دیکھا اور دیکھتا رہا۔ کچھ وقفہ کے بعد بولا۔ ''محمود نے؟ مگر وہ تو لڑکا ہے، پندرہ سولہ برس کا۔''

شخص: ''بالکل...... اس سے بھی کم عمر کا۔''

جے پال: ''تعجب ہے...... اور سلطان نے اُس کا کہا مان لیا؟''

شخص: ''اوّل اوّل تو سلطان بھی رضامند ہو گیا تھا اور اُس کے افسران بھی۔ مگر جب محمود اور اُس کے ہم عمر ایک لڑکے (منصور) نے مخالفت کی اور جوش و خروش سے تقاریر کر کے سلطان کو مصالحت سے باز رکھا تو سلطان بھی اور اُس کے افسر بھی پلٹ گئے اور اُنہوں نے صلح کرنے سے انکار کر دیا۔''

جے پال: ''تب تو سلطان کے بے وقوف ہونے میں کچھ شبہ ہی نہیں ہے۔''

بھیم نے کہا۔ ''میں سمجھتا ہوں کہ سلطان مصالحت پر اس آسانی سے تیار نہ ہوگا جس آسانی سے ہم سمجھ رہے ہیں۔''

جے پال نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن شاید تم نے نہیں سنا کہ سلطان تیار تھا مگر اُس کے بیٹے نے روک دیا۔''

بھیم: ''سلطان نیک دل ہے۔ حلیم الطبع ہے۔ وہ ضرور تیار ہو گیا ہوگا۔ لیکن محمود نوعمر ہے۔ اُس کی رگوں میں خون دوڑ رہا ہے اور وہ ہرگز آمادہ نہ ہو سکتا تھا۔''

جے پال نے جوش میں آکر کہا۔ ''اُس شیطان زادے کا خون پانی کی طرح بہایا جائے گا۔''

بھیم: ''اگر ایسا ہو تو ہندوؤں کو ایک بلائے عظیم سے نجات مل جائے۔''

جے پال: ''کیا تم کو اس میں کچھ شبہ ہے؟''

بھیم: ''مہاراج صرف مجھے ہی نہیں، بلکہ تمام پنڈتوں اور جوتشیوں کو شبہ ہے۔''

جے پال: ''کیوں......؟''

بھیم: ''اس لئے کہ نجومیوں نے حساب لگا کر مجھے بتایا ہے کہ محمود جو آج ایک لڑکا ہے، ایک دن سلطان بن کر ہندوستان پر دس سے زیادہ حملے کرے گا۔ اور ہر حملے میں ہندوؤں[1] کا قتل عام کرے گا۔''

جے پال: ''تم نے کب نجومیوں سے حساب لگوایا تھا؟''

بھیم: ''جبکہ مہاراج نے لشکر کشی کا حکم دیا تھا۔''

جے پال: ''مگر ہم اُسے زندہ ہی کیوں چھوڑیں گے؟''

بھیم: ''لیکن وہ زندہ رہے گا۔''

جے پال: ''اچھا! وہ ہندوستان پر کیوں حملہ کرے گا؟''

بھیم: ''مجھے یہ بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔''

جے پال: ''مگر تم کو بتلانا پڑے گا۔''

بھیم: ''تو سنئے حضور! اُس کے حملوں کی وجہ یہی صلح ہوگی جو کہ آپ کر رہے ہیں۔''

جے پال: ''صلح ہونے کے بعد جنگ...... یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟''

بھیم: ''مسلمان جس طرح سے قول و اقرار کے پابند ہوتے ہیں، اُسی طرح سے چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی اپنے مواعید کے پابند رہیں۔ مگر محمود میں یہ صفت دوسرے مسلمانوں سے زیادہ ہے۔''

جے پال: ''اس صفت سے جنگ کا کیا تعلق ہے؟''

بھیم: ''صاف بات یہ ہے کہ حضور صلح کریں گے۔ لیکن جن شرائط پر صلح ہوگی، اُسے پورا نہ کر سکیں گے۔ اور یہی وجہ بنائے جنگ ہوگی۔''

جے پال: ''ان خام خیالوں میں نہ پڑو۔''

بھیم: ''ایشور کرے کہ یہ خام خیال ہی ثابت ہوں۔''

اب جے پال پھر وفد والوں سے مخاطب ہوا۔ اُس نے دریافت کیا۔ ''کیا تم نے اسلامی لشکر کو دیکھا ہے؟''

راجپوت: ''ہاں......!''

جے پال: ''کتنے خیمے گرے ہوئے دیکھے؟''

راجپوت: ''ایک بھی نہیں۔''

جے پال اور دوسرے لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ جے پال نے کہا۔ ''ایک بھی نہیں؟''

راجپوت: ''جی ہاں!''

جے پال: ''کسی سے دریافت کیا تھا کہ رات اُن کے کتنے آدمی مرے ہیں؟''

راجپوت: ''دریافت کیا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ ایک آدمی بھی نہیں مرا۔''

جے پال: ''یہ نہیں ہو سکتا۔ اُنہوں نے تم کو بتایا ہی نہیں۔''

راجپوت: ''یہ ممکن ہے۔ مگر ہم نے اُن کے چہروں پر پریشانی کے آثار بھی نہیں دیکھے۔''

جے پال: ''کیا تم نے تمام سپاہیوں کو دیکھا تھا؟''

راجپوت: ''سپاہی تو بہت کم نظر آئے۔''

جے پال: ''کہاں چلے گئے تھے؟''

راجپوت: ''یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ مجھ کو تو یہ خیال ہے کہ وہ پہاڑوں میں گھس گئے ہیں۔ اور دن

---

[1] اسی محمود نے سلطان بن کر ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور ہر مرتبہ فتح یاب رہا۔ (صادق حسین صدیقی)

www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

میں یا شب کو کسی وقت اچانک حملہ کر دیں گے۔"

جے پال گھبرا گیا۔ اور اُس نے کہا۔ "تمہارا خیال بالکل صحیح ہے۔ افسوس ہے کہ اگر ایسا ہوا تو ہم کو زیادہ نقصان پہنچے گا۔"

بھیم: "ان داتا! صلح کی انتہائی کوشش کیجئے۔"

جے پال: "کس طرح اور کیا کوشش کی جائے؟"

بھیم: "میرا خیال ہے کہ سلطان کو یہ بات سمجھا دی گئی ہوگی کہ بغیر تاوان کے صلح کرنا فضول ہے۔"

اراکین وفد میں سے ایک شخص نے کہا۔ "حضور کا یہ خیال بالکل صحیح ہے۔ محمود نے سلطان سے یہی کہا تھا کہ ہندو ہم پر چڑھ کر آئے ہیں۔ ابتداء بھی ان کی ہی طرف سے ہوئی ہے۔ صلح کے خواہش مند بھی وہی ہیں۔ اُنہیں ہمارے اخراجاتِ جنگ ادا کرنا چاہئیں۔ اور سلطان نے اسی وجہ سے صلح کرنے سے انکار کر دیا۔

بھیم: "میں یہ بات پہلے ہی سمجھتا تھا۔"

جے پال: "تو کیا ہم یہ ذلت منظور کر لیں کہ سلطان کو تاوانِ جنگ ادا کیا جائے؟"

بھیم: "اب عزت اور ذلت کا سوال نہیں ہے۔ بلکہ زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اگر صلح کرنا منظور ہے تو تاوانِ جنگ ادا کر دیجئے۔"

جے پال کچھ سوچنے لگا۔ ارکانِ وفد میں سے دوسرے شخص نے کہا۔ "اگر تاوانِ جنگ ادا کیا جائے تو لازمی ہے کہ صلح ہو جائے گی۔"

جے پال نے سر اُٹھا کر کہا۔ "مگر یہ بات راجپوتی آن کے خلاف ہے۔"

بھیم: "پھر جنگ کیجئے۔ اُس وقت تک لڑیئے، جب تک کہ کسی ایک فریق کا خاتمہ نہ ہو جائے۔"

جے پال: "مگر سپاہیوں میں لڑنے کی ہمت کہاں ہے؟"

بھیم: "تو پھر رات کو خاموشی سے نکل چلئے۔"

جے پال: "مگر سلطان صبح ہی تعاقب کرے گا۔ اور پشاور سے بھی آگے نہ بڑھنے دے گا۔"

بھیم: "پھر سوچئے! اور کیا ترکیب کی جائے؟"

جے پال: "میں نے بہت سوچا ہے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

بھیم: "بس! تو سیدھی اور بہتر رائے یہی ہے کہ تاوانِ جنگ ادا کر کے صلح کر لی جائے۔"

جے پال: "اچھا..... منظور ہے۔ لیکن تاوانِ جنگ کس قدر ادا کیا جائے؟"

بھیم: "یہ بات تو سلطان ہی بتا سکتا ہے کہ وہ کس قدر زرِ تاوان لینا چاہتا ہے۔"

جے پال: "ان وفد والوں سے دریافت کرو! یہ معلوم کر کے آئے ہوں گے۔"

اہل وفد میں سے ایک شخص نے کہا۔ "اس کے متعلق نہ ہمیں ہدایت کی گئی تھی اور نہ ہم نے

استفسار کیا ہے۔"

جے پال نے ذرا غصہ کے انداز میں کہا۔ "اس سے تم نے اپنی بیوقوفی کا ثبوت دیا۔ احمقو! تم کو خود دریافت کرنا چاہئے تھا۔"

ایک شخص: "حضور! اگر ہم خود دریافت کرتے تو سلطان سمجھتا کہ ہم اس سے دب کر آئے ہیں۔"

جے پال: "یہ بات بھی تم ٹھیک کہتے ہو۔ تب تو تم احمق نہیں ہو۔ اچھا! اب تجویز کرو کہ کس قدر زرِ تاوان ادا کرنے کا وعدہ کیا جائے؟"

بھیم: "جس قدر آپ ادا کر سکتے ہیں۔"

جے پال: "خیر! پہلے معلوم ہونا چاہئے کہ سلطان کیا مانگتا ہے۔"

بھیم: "لیکن ایسا نہ ہو کہ آپ صلح کی سلسلہ جنبانی میں رہیں اور مسلمان رات کو شب خون مار کر راجپوتوں کو تہہ و بالا کر دیں۔"

جے پال: "یہ بات بھی تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

بھیم: "وفد والوں سے حضور کو یہ تو معلوم ہو ہی گیا ہے کہ اسلامی لشکر کہیں غائب ہو گیا ہے۔"

جے پال: "اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ ضرور پہاڑی میں گھسا اسی طرف بڑھ رہا ہے۔"

بھیم: "میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس لئے صلح کی گفتگو آج ہی سے طے ہونی چاہئے۔"

جے پال: "بس! تو جو کچھ سلطان مانگے، بے چون و چرا اسے قبول کر لینا چاہئے۔"

بھیم: "لیکن ایسا نہ ہو کہ ہم ایسے ادا ہی نہ کر سکیں۔"

جے پال: "میرے خیال میں اہل وفد کو اختیار دے دینا چاہئے کہ وہ کم سے کم زرِ تاوان پر مصالحت کریں۔"

بھیم: "مناسب یہی ہے۔"

اب جے پال نے اراکین وفد سے کہا۔ "تم لوگ جاؤ! اور جس طرح اور جن شرائط پر بھی ممکن ہو سکے، صلح کر آؤ۔ زرِ تاوان کم سے کم مقرر کرنا ہوگا۔ غرضیکہ صلح کرنے کا تمام اختیار تمہیں دیا جاتا ہے۔ اور صلح کر کے ہی واپس آنا۔"

"بہتر ہے۔" ارکانِ وفد نے کہا اور وہاں سے ہٹ کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اسلامی لشکر کی طرف چل پڑے۔

☆.....☆.....☆

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

عصر کے وقت تمام مسلمان لکڑیاں لے کر آ گئے تھے۔ اور اُنہوں نے آ کر عصر کی نماز پڑھ لی تھی۔ چونکہ آج سارے دن میں بھی رات کی برف نہ پگھلی تھی، اس لئے جا بجا برف کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ اور چونکہ آفتاب تجلہ مغرب کی طرف قدم بڑھائے چلا جا رہا تھا، اس لئے سردی چمک آئی تھی۔ مسلمانوں نے آج اسی وقت لکڑیاں جلا کر تاپنا شروع کر دیا تھا۔ اُنہیں وفد کے آنے کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ لیکن اُنہوں نے وفد والوں کو نہیں دیکھا تھا۔ البتہ جو گفتگو اُن کے اور سلطان کے مابین ہوئی تھی، وہ سب کو معلوم ہو گئی تھی اور مسلمان اس بات کو سمجھ گئے تھے کہ رات کے طوفانِ برف و باد نے ہندوؤں کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ اور اسی لئے وہ صلح کے لئے آمادہ ہوئے ہیں۔ اس خیال سے اُن کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ صلح ہو۔ لیکن وہ سلطان کے محکوم تھے اور اُس کے حکم پر عمل کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں وفد کے دوبارہ آنے کا غل ہوا۔ مسلمان جہاں جہاں تھے، وہیں بیٹھے رہے۔ جس کام میں مشغول تھے، بدستور اُسے انجام دیتے رہے۔ ارکانِ وفد سلطان کے خیمے پر پہنچے۔ اس وقت بھی سلطان کے پاس محمود، منصور، عز الدین اور فیروز بیٹھے تھے۔ اہلِ وفد نے سلطان کو سلام کیا۔ سلطان نے اُن کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ بیٹھ گئے تو سلطان نے دریافت کیا۔ ''اب تم کس لئے آئے ہو؟''

ایک شخص نے کہا۔ ''اس لئے کہ اگر ممکن ہو سکے تو خونریزی روکنے کی کوشش کریں سلطان السلاطین!''

سلطان: ''مگر یہ جے پال کو سوجھی کیا تھی کہ بلاوجہ ہم پر حملہ آور ہوا؟''

راجپوت: ''مہاراج کو نجومیوں نے یہ بات بتائی تھی کہ اگر اس وقت غزنی پر حملہ کیا گیا تو فتح یقیناً ہو گی۔''

سلطان: ''پھر اب جے پال ڈرتا کیوں ہے؟ اور صلح کا خواہش مند کس لئے ہے؟''

راجپوت: ''مہاراج ڈرتے نہیں ہیں حضور!''

سلطان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''اور کیا بات ہے؟''

راجپوت: ''دراصل! بات یہ ہے کہ اُنہیں یہ خیال ہو گیا ہے کہ چشمے کا پانی ناپاک کر دیئے جانے کی وجہ سے دیوتا ناراض ہو گئے ہیں۔ اور جب تک وہ ناراض رہیں گے، اُس وقت تک کامیابی غیر ممکن ہے۔ اس لئے وہ صلح کرنا چاہتے ہیں۔''

سلطان: ''گویا اس وقت دفع الوقتی کرنا چاہتے ہیں۔ صلح نہیں کرنا چاہتے، بلکہ ہم کو دھوکہ دینا

مقصود و مدِ نظر ہے۔''

دوسرے شخص نے کہا۔ ''اس میرے ساتھی نے غلط کہا ہے حضور!''

سلطان: ''اچھا..... تم صحیح بتاؤ! کہ بات کیا ہے؟''

دوسرا: ''بات یہ ہے کہ وہ خونریزی کو پسند نہیں کرتے۔''

سلطان: ''اگر خونریزی کو پسند نہ کرتے تھے تو ہم پر چڑھائی کیوں کی؟''

دوسرا: ''نجومیوں کے کہنے سے۔''

سلطان: ''پھر اب صلح کیوں کرنا چاہتے ہیں؟''

دوسرا: ''یہاں آ کر جب اُنہوں نے خونریزی دیکھی تو نہایت متاسف ہوئے اور اُن کے دل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ اس لئے وہ صلح پر آمادہ ہو گئے۔''

سلطان: ''ابھی تو صرف ایک ہی دن جنگ ہوئی ہے۔''

دوسرا: ''جی ہاں..... اور اس ایک ہی دن میں اُن کو جنگ سے نفرت ہو گئی ہے۔''

سلطان: ''لیکن یہ بات نہیں ہے۔''

دوسرا: ''حضور! بات تو یہی ہے۔''

پہلا: ''مگر حضور نے کیا بات سمجھی ہے؟''

سلطان: ''کچھ آدمی تو اُن کے لڑائی میں مارے گئے۔ کچھ شب کو طوفان کی نذر ہو گئے۔ اب لشکر کم رہ گیا ہے۔ اس لئے وہ صلح کرنا چاہتے ہیں۔''

پہلا: ''رات کو طوفان سے ہمارے زیادہ آدمی نہیں مرے۔ بلکہ صرف تیرہ ہزار ہی کام آئے ہیں۔''

سلطان: ''اور جنگ میں کس قدر مارے گئے تھے؟''

پہلا: ''پندرہ ہزار۔''

سلطان: ''اس حساب سے تمہارے اٹھائیس ہزار آدمی کام آ چکے ہیں۔''

پہلا: ''جی ہاں!''

سلطان: ''جے پال کو یہ خیال ہو گیا ہے کہ اگر اسی طرح سے اُس کے سپاہی مرتے رہے تو اُس کا تمام لشکر ختم ہو جائے گا۔''

پہلا: ''نہیں حضور..... ابھی تو لشکر کافی ہے۔''

دوسرا: ''اور مہاراج جس قدر لشکر چاہیں اور منگوا سکتے ہیں لیکن.....''

سلطان: ''مگر وہ منگوانا نہیں چاہتے۔''

پہلا: ''جی ہاں!''

سلطان: ''اگر جنگ جاری رہی؟''

دوسرا: ''تو منگوانا پڑے گا۔''

پہلا: ''مگر اُمید ہے کہ حضور اس کی نوبت ہی نہ آنے دیں گے۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

سلطان: ''جنگ ہم نے شروع کی ہے یا جے پال نے؟ اس احمقانہ پیش قدمی کا خمیازہ اُسے اُٹھانا پڑے گا۔''

پہلا: ''کیا خمیازہ اُٹھانا پڑے گا حضور؟''

سلطان: ''یہی کہ یا تو ہمارا مذہب قبول کرے جزیہ دے۔ یا پھر تاوانِ جنگ ادا کرے۔''

دوسرا: ''حضور! ہم لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ ہر آدمی کو اپنا مذہب پیارا ہوتا ہے۔''

سلطان: ''ہم کسی کو جبر سے مسلمان نہیں بناتے۔ اگر تم ہمارے دین برحق پر نہیں چل سکتے تو پھر تاوانِ جنگ ادا کرنے کے ساتھ ہی ایک مفتوح کی حیثیت سے اُسے خراج بھی دینا ہو گا۔''

دوسرا: ''لیکن زرِ تاوان کا تعین ہو جانا چاہئے۔''

سلطان: ''اگر جے پال حقیقت میں صلح کرنا چاہتا ہے تو اُس سے کہہ دو! کہ وہ کل اپنے چند آدمیوں کو لے کر اس جگہ آ جائے، جہاں جنگ ہوئی تھی۔ یعنی دونوں لشکروں کے درمیان۔ وہیں ہم بھی آ جائیں گے۔ اور پھر مصالحت آسانی سے ہو سکے گی۔''

پہلا: ''بہتر ہے حضور!''

دوسرا: ''لیکن یہ فرمایئے! کہ آپ کس قدر آدمی اپنے ہمراہ لائیں گے؟''

سلطان: ''صرف بیس آدمی۔''

دوسرا: ''تو بیس آدمی ہی مہاراج بھی اپنے ہمراہ لائیں؟''

سلطان: ''ہاں..... اگر وہ چاہیں تو اس سے زیادہ بھی لا سکتے ہیں۔''

پہلا: ''بہت اچھا ..... مگر آپ اطمینان دلا دیجئے۔ ایک اور.....''

سلطان: ''کیا؟''

پہلا: ''تاوقتیکہ گفتگوئے مصالحت ختم نہ ہو جائے، جنگ بند رہے گی۔''

سلطان: ''اطمینان رکھو! ایسا ہی ہو گا۔''

اب راجپوت اُٹھے اور سلام کر کے روانہ ہو گئے۔ چونکہ اب مغرب کی اذان ہونے لگی تھی، اس لئے سلطان اور اُس کے پاس بیٹھنے والے نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

دوسرے روز جبکہ مسلمانوں نے صبح کی نماز پڑھ لی اور سلطان اپنے خیمے پر آیا تو اُس نے دیکھا کہ چند راجپوت اپنے لشکر میں سے نکل کر دونوں لشکروں کے درمیان میں آ کھڑے ہوئے۔ سلطان سمجھ گیا کہ جے پال آ گیا ہے۔ اُس نے بھی اپنے ہمراہ محمود، فیروز الدین، شمس الدین، عز الدین، منصور اور چند دیگر افسروں کو لیا اور پورے بیس آدمی لے کر راجپوتوں کی طرف چل پڑا۔ جب وہ اُن کے قریب پہنچے تو جے پال اور اُس کے ہمراہیوں نے سلطان کا استقبال کیا۔ جے پال

ایک مسند پر بیٹھا تھا۔ اُس نے سلطان کو بھی اس پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ لیکن منصور نے فوراً زریں پوش اُتار کر بچھا دیا اور سلطان اُس پر بیٹھ گیا اور لوگوں نے بھی اپنے اپنے زریں پوش اُتار کر بچھا لئے اور اُن پر بیٹھ گئے۔ اب جے پال نے کہا۔ ''میں اعلیٰ حضرت کا مشکور ہوں کہ میری درخواست پر حضور نے التوائے جنگ منظور کر لیا ہے۔''

سلطان: ''ہم جنگ و پیکار کو اچھا نہیں سمجھتے۔ مگر جب کوئی قوم ہم پر لشکر کشی کرتی ہے تو ہم کو بھی جوش اور غصہ آ جاتا ہے اور ہم لڑائی شروع کر دیتے ہیں۔ دنیا اس بات کو جانتی ہے اور آپ بھی واقف ہوں گے کہ جب مسلمان لڑائی شروع کر دیتے ہیں تو پھر اس وقت تک دم نہیں لیتے تا آنکہ غنیم کا فیصلہ ہی نہ ہو جائے یا خود ختم نہ ہو جائیں۔''

جے پال: ''یہ تو درست فرماتے ہیں آپ۔''

سلطان: ''مجھ کو آپ سے یہ شکوہ ہے کہ آپ نے بلاوجہ ہم پر یورش کر کے خود بھی تکلیف اُٹھائی اور ہم کو بھی تکلیف میں ڈالا۔''

جے پال: ''میں اس کا اعتراف کرتا ہوں۔''

سلطان: ''مگر آپ نے ایسا کیا ہی کیوں؟''

جے پال: ''کیا عرض کروں..... غلطی ہو گئی۔''

سلطان: ''کیا کبھی میں نے آپ کی قلمرو پر حملہ کیا تھا؟''

جے پال: ''کبھی نہیں۔''

سلطان: ''کبھی کوئی ایسی حرکت کی، جس سے آپ کو شکوہ پیدا ہوا ہو؟''

جے پال: ''نہیں۔''

سلطان: ''پھر آپ نے کیوں پیش دستی کی؟''

جے پال: ''عرض تو کیا کہ غلطی ہو گئی۔''

سلطان: ''اچھا..... اب آپ کیا چاہتے ہیں؟''

جے پال: ''یہی کہ میری کوتاہیوں سے قطع نظر کر کے صلح کر لیجئے۔''

سلطان: ''مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔''

جے پال: ''اعلیٰ حضرت کی نیک دلی سے مجھے یہی توقع تھی۔''

سلطان: ''مگر مصالحت چند شرائط پر ہو سکتی ہے۔''

جے پال: ''یقیناً..... وہ شرائط ایسی نہ ہوں گی، جن سے کہ میرا وقار مجروح ہو جائے۔''

سلطان: ''صحیح بات یہ ہے کہ صلح تب ہی ہوا کرتی ہے جب فریقین میں سے کوئی ایک دب جائے۔ اور اگر کوئی بھی نہ دبنے کے لئے تیار ہو تو پھر صلح نہیں ہوا کرتی۔''

جے پال: ''میں اسے مانتا ہوں۔''

سلطان: ''چونکہ ابتدائے جنگ آپ نے کی ہے۔ اس لئے اخراجاتِ جنگ بھی آپ کو ہی ادا

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

کرنا پڑیں گے۔ کیونکہ ہم کو بلاوجہ زیر بار ہونا پڑا ہے۔ اور اب آپ ہی صلح کے متمنی ہیں۔"

جے پال: "کس قدر اخراجات کا تخمینہ ہے؟"

سلطان: "یہ بتا دیا جائے گا۔"

جے پال: "لیکن میں عاجزانہ التجا کرتا ہوں کہ سارا بوجھ مجھ پر ہی نہ ڈال دیا جائے۔"

سلطان: "اور کون برداشت کرے؟"

جے پال: "میں عرض کروں گا کہ خرچہ میرا بھی ہوا ہے اور آپ کا بھی۔ میں آپ کا خرچہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ مگر کچھ رعایت کر لیجئے۔"

سلطان: "مجھ کو منظور ہے۔"

جے پال: "اب فرما دیجئے! کہ آپ کیا لینا چاہتے ہیں؟"

سلطان: "یہ بتا دیا جائے گا۔"

جے پال: "اچھا..... اور فرمایئے۔"

سلطان: دوسری بات یہ ہے کہ آپ کو خراج دینا ہوگا۔"

"خراج دینا ہوگا.....؟" بے ساختہ جے پال نے کہا اور کچھ عجیب انداز سے سلطان سبکتگین کو دیکھا۔

سلطان: "ہاں..... خراج دینا ہوگا۔ آپ کو حیرت کیوں ہوئی؟"

جے پال: "اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو حاکم اور خود کو محکوم سمجھوں۔"

سلطان: "بے شک۔"

جے پال: "نہیں عادل سلطان! ایسی سخت شرط نہ لگایئے۔"

سلطان: "کیا آپ نہیں جانتے کہ جو شخص میدان چھوڑتا ہے، اُسے کڑی سے کڑی بات ماننی پڑتی ہے۔"

جے پال: "یہ درست ہے۔ مگر اس میں میری اور تمام راجپوتوں کی سخت توہین ہے۔"

سلطان: "اس بات کو اس وقت دیکھنا تھا، جب آپ نے حملہ کا ارادہ کیا تھا۔"

جے پال: "اس غلطی کا خمیازہ زرِ تاوان کی صورت میں برداشت کرنے کو تیار ہوں۔"

سلطان: "لیکن خراج بھی ادا کرنا ہوگا۔ خواہ اس کی تعداد کم سے کم مقرر کر لی جائے۔"

جے پال: "مگر یہ تو سخت اور اہانت کی بات ہے۔ خراج کی اگر ایک پائی بھی ادا کی جائے تو خراج ہی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم آپ کے غلام ہو گئے۔ ہم ہندو غلام بن کر زندہ رہنے پر تیار نہیں ہو سکتے۔"

سلطان: "غلام اسے کہتے ہیں کہ آپ کو حکومت سے معزول کر کے اپنی سلطنت قائم کی جائے۔"

جے پال: "یہی غلامی ہی ہے کہ ہم آپ کے باج گذار بن جائیں۔"

سلطان: "تو پھر لڑیئے!"

جے پال: "صحیح بات یہ ہے کہ ہم، آپ سے لڑنے کی قوت نہیں رکھتے۔"

سلطان: "تب آپ خراج دینا منظور کریں۔"

جے پال: "میں یہ ذلت ہرگز ہرگز برداشت نہ کروں گا۔"

سلطان: "پھر آپ کیا کریں گے؟"

جے پال: "ہم ہندوؤں میں یہ قاعدہ[1] ہے کہ جب غنیم کے مقابلہ میں مایوسی ہو جائے تو ہم اپنے ہاتھیوں اور گھوڑوں کو اندھا کر دیتے ہیں۔ نقد و جنس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ اور پھر اس وقت تک لڑتے ہیں جب تک سب کے سب نہیں مارے جاتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کے ہمراہ خود بھی جل جاتے ہیں۔"

سلطان: "تو آپ کون سی بات کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

جے پال: "آخری بات کا۔"

سلطان: "یعنی آپ ہم سے لڑیں گے نہیں، بلکہ آگ میں جل کر مر جائیں گے۔"

جے پال: "جی ہاں..... ہم میں لڑنے کی ہمت ہی نہیں تو لڑ کر کیا کریں گے؟ یہ سمجھ لیجئے..... جل کے مر جائیں گے ہم نے آج سوچا ہے یہی ہوں۔"

سبکتگین یہ سنتے ہی متاثر ہوئے۔ انہوں نے کہا۔ "اچھا میں دوسری شرط سے دستبردار ہوتا

جے پال خوش ہو گیا اور اُس نے کہا۔ "میں نے آپ کی جس نیکی اور خوش اخلاقی کی تعریف سنی تھی، اس سے آپ کو زیادہ پایا۔"

سلطان: "ایک انسان اگر حقیقت میں انسان ہے تو بے کس و بے چارہ پر ہمیشہ مہربانی کرتا ہے۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اپنی شرائط پر قائم رہوں اور آپ مع تمام لشکر کے جل کر مر جائیں۔ جہاں یہ بات آپ کی دیوانگی کے طور پر مشہور ہوگی، وہاں مجھے بھی دنیا ظالم اور سنگدل کہے گی۔ لہٰذا میں ایسی سنگ دلی نہیں کر سکتا۔"

جے پال: "میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نے ایسے رحمدل اور نیک انسان بہت کم دیکھے ہیں۔ اب اخراجاتِ جنگ کے متعلق فرما دیجئے۔"

سلطان: "جس قدر آپ ادا کر سکتے ہیں، آپ خود ہی بتا دیں۔"

جے پال: "میں پچاس ہاتھی[2] اور دس لاکھ درہم ادا کر سکوں گا۔"

سلطان: "مجھے منظور ہے۔ آپ یہ زرِ تاوان ادا کریں اور اقرار کریں کہ دس سال تک کبھی قلمرو اسلامی پر لشکر کشی نہ کریں گے۔"

---

[1] جو باتیں ہم نے لکھی ہیں، یہ سب وہی ہیں جو جے پال نے کہی تھیں۔ اور تاریخ ہند کے صفحہ 195 پر تحریر ہیں۔

[2] تاریخ ہند حصہ دوم مؤلفہ ڈاکٹر ہنر صاحب صفحہ 4 (صادق حسین صدیقی)

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

جے پال: ''میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ دس سال تک کیا بلکہ تمام عمر بھی اسلامی ممالک کی طرف دیکھنے کی جرات نہ کروں گا، لشکر کشی تو بڑی بات ہے۔ البتہ میرے پاس اس قدر سیم وزر اور ہاتھی نہیں ہیں کہ زرِ تاوان یہاں ادا کروں۔''

سلطان: ''پھر کیا، کیا جائے؟''

جے پال: ''آپ میرے ہمراہ اپنے چند معتمدوں کو روانہ کر دیجئے۔ لاہور پہنچ کر میں تمام رقم ادا کر دُوں گا۔''

سلطان: ''مگر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم دغا نہ دو گے؟''

جے پال: ''میں اپنے چند افسروں کو بطورِ ضمانت آپ کے سپرد کر دُوں گا۔''

سلطان: ''مجھے منظور ہے۔''

محمود نے سلطان کی طرف دیکھا۔ سلطان نے دریافت کیا۔ ''عزیز فرزند! کیا تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

محمود: ''عالم پناہ! اگر سنیں تو عرض کروں؟''

سلطان: ضرور کہو!''

محمود: ''مجھے ہندوستان کے راجاؤں کا اعتبار نہیں ہے۔ یہ ہمیشہ وعدے تو کر لیتے ہیں مگر اُنہیں ایفا نہیں کرتے۔''

جے پال نے محمود کا نام تو سنا تھا، لیکن دیکھا آج تک نہ تھا۔ آج جب اُس نے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس وقت محمود کی عمر تیرہ برس کی تھی۔ ہنوز محض بچہ تھا۔ مگر باتیں نہایت دانشمندانہ کرتا تھا اور لڑتا بھی خوب تھا۔''

سبکتگین نے کہا۔ ''میرے عزیز بچے! اس قسم کا خیال نہیں کرنا چاہیے۔''

محمود: ''آپ خود اس بات کا تجربہ کر لیں گے۔''

جے پال: ''میں شہزادے کو اطمینان دلاتا ہوں کہ کبھی عہد شکنی نہ کروں گا۔''

محمود: ''یہ باتیں محض آپ یہاں کہہ رہے ہیں۔ جب لاہور پہنچ جائیں گے تو سارے مواعید بھول جائیں گے۔''

جے پال: ''میں راجپوت ہوں۔ اور راجپوت کبھی اپنے وعدہ سے نہیں پھرا کرتے۔''

محمود: ''مگر مجھے اعتماد نہیں ہے۔''

جے پال: ''آپ یقین کریں شہزادے۔''

محمود: ''میرا دل کہہ رہا ہے کہ آپ ضرور دغا دیں گے۔''

جے پال: ''کبھی نہیں۔ اگر میں ایسا کروں تو سمجھئے گا کہ میں راجپوت ہی نہیں۔''

سلطان: ''بیٹا! جو بات جے پال کو منظور نہ تھی، وہ اُس نے قبول ہی نہیں کی۔ یعنی خراج دینے سے انکار کر دیا، اور زرِ تاوان کی ادائیگی کا وعدہ کر لیا۔ تم کو نیک خیال رکھنا چاہیے۔''

محمود: ''میرے دل میں جو بات آئی تھی، وہ میں نے کہہ دی۔''

سلطان: ''مگر وہ اپنے افسروں کو بطورِ ضمانت ہمارے سپرد کر رہا ہے۔''

محمود: ''وہ افسر معمولی قسم کے ہوں گے؟''

جے پال: ''نہیں..... اعلیٰ افسر ہوں گے۔''

سلطان: ''اب تو اطمینان ہو گیا بیٹا؟''

محمود: ''اطمینان تو آپ کا ہے۔ اگر آپ کو اطمینان ہو گیا ہے تو منظور کر لیجئے۔''

سلطان: ''ہاں..... مجھے اطمینان ہے۔ اور میں نے منظور کر لیا ہے۔''

محمود: ''بس..... تو اب چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔''

اب سبکتگین نے جے پال سے کہا۔ ''اچھا! اب آپ کل اُن افسروں کو بھیج دیں جن کو آپ بطورِ ضمانت میرے پاس بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں بھی کل ہی ان افسروں کو آپ کے ساتھ بھیج دُوں گا جو زرِ تاوان لے کر آئیں گے۔''

جے پال: ''نہایت مناسب ہے۔''

اب جے پال اُٹھا اور دوستانہ طریقہ پر سلطان سے مل کر روانہ ہو گیا۔ سلطان بھی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ واپس لوٹ آیا۔

☆......☆......☆

تمام تاریخوں میں سلطان سبکتگین کی رحم دلی اور کرم گستری کی اکثر حکایات لکھی ہیں۔ اور بہت زیادہ تعریفیں کی گئی ہیں۔ جب کبھی غنیم نے آ کر عاجزانہ اُس سے رحم و مہربانی کی درخواست کی، اُس نے فوراً منظور کر کے اُس پر لطف و کرم کیا۔ صاف دل ایسا تھا کہ کسی کو جھوٹا نہ سمجھتا تھا۔ جو کوئی، جو کچھ کہتا، اُسے سچ سمجھ لیتا تھا۔ اگرچہ جے پال نے بلاوجہ اُس پر لشکر کشی کی تھی۔ سبکتگین کو اُس کی اس حرکت پر سخت غصہ تھا۔ مگر جب اُس نے صلح کی درخواست پیش کی تو اُس نے نرم طبیعت ہونے کی وجہ سے فوراً منظور کر لیا۔ حالانکہ اُس کا ہونہار فرزند محمود اس صلح کے ہرگز حق میں نہ تھا بلکہ سخت مخالف تھا اور اُس نے بہت زیادہ مخالفت کی تھی۔ تاہم سلطان نے صلح کر لی اور جے پال مطمئن ہو کر چلا گیا۔ سلطان بھی لوٹ آیا۔

اگرچہ جس روز صلح ہوئی، اُس روز نہ ہوا کا طوفان آیا اور نہ زیادہ برف پڑی۔ مگر گزشتہ رات ہی کو اس کثرت سے برف پڑ چکی تھی کہ تمام دن تک بھی نہ پگھلی تھی۔ اس لئے سردی اس دن بھی بدستور رہی۔ مسلمانوں نے رات بھر آگ جلائی اور کثرت سے آگ روشن کرنے کی وجہ سے وہ سردی سے محفوظ رہے۔ مگر راجپوتوں نے اس کا کچھ انتظام نہ کیا اور وہ لوگ جو گزشتہ شب سردی کھا چکے تھے، آدھی رات کے بعد مرنے لگے۔ سینکڑوں آدمی مر گئے۔ صبح کو جب جے پال کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ یہ سمجھ کر نہایت خوفزدہ ہو گیا کہ دیوتاؤں کا غصہ ہندوؤں پر ہی ہے۔ اور راجپوت ہی اُن کے قہر و غضب کا شکار ہو رہے ہیں۔ اُس نے معمولی قسم کے دس افسروں کو 100 سواروں

www.pdfbooksfree.pk

کی معیت میں بطور یرغمال سلطان کے حضور بھیج دیا۔ جب سلطان کے پاس وہ لوگ پہنچ گئے تب اُس نے منصور اور عزالدین کو پچاس سواروں کے ساتھ جے پال کے ساتھ بھیج دیا اور اُسے ایک تحریر لکھ دی کہ جو معتمد بھیجے جاتے ہیں، انہیں زرِ تاوان دے کر جلد واپس کر دیا جائے۔

جس وقت یہ لوگ جے پال کے پاس پہنچے تو اُس نے اُن کو ساتھ لے کر اسی وقت پشاور کی طرف کوچ کر دیا۔ جے پال کا دارالسلطنت لاہور تھا۔ لیکن لمغان سے پشاور ہو کر لاہور جانا پڑتا تھا۔ اس لئے وہ پشاور کی طرف روانہ ہوا تھا تاکہ پشاور سے لاہور چلا جائے۔ لاہور سے پشاور تک بلکہ پشاور سے بھی آگے بڑھ کر لمغان کے سرد اور ریتلے میدان تک جے پال ہی کی حکومت تھی۔

سلطان سبکتگین نے اُس روز کوچ نہ کیا۔ بلکہ وہ بدستور وہیں مقیم رہا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر اُس نے آرام کیا اور ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد فیروز، شمس الدین اور محمود کو طلب کیا۔ جب یہ تینوں آ گئے تب سلطان نے اُن سے کہا۔ ''فیروز! تم اُس ضعیفہ کو بھول گئے جو ایک عرصہ سے کوہستان میں مقیم ہے؟''

فیروز: ''نہیں حضور! اُسے کیسے بھلایا جا سکتا ہے؟''

سبکتگین: ''جس روز وہ ضعیفہ ملی تھی، اگرچہ اُس روز کچھ ایسے آثار ہو رہے تھے، جس سے کہ اکثر مسلمانوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ رات کو برف پڑے گی۔ اور اس لئے اُنہوں نے لکڑیوں کا انتظام کر لیا تھا۔ مگر اُس ضعیفہ نے وہ ٹونکہ بتایا، جس سے ضعیف الاعتقاد ہندو مضطرب اور پریشان ہو گئے۔''

فیروز: ''یہی بات ہے حضور! اُس عفیفہ کو یہ معلوم تھا کہ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر اس چشمے کا پانی ناپاک ہو جائے تو اُن کے دیوتا اُن سے ناراض ہو جاتے ہیں۔''

سبکتگین: ''اور اُس نے ہم کو یہ بتا کر بڑا احسان کیا ہے۔''

فیروز: ''بے شک! اور خدا کی شان ملاحظہ کیجئے کہ جس روز ہم نے جانور ذبح کر کے چشمے میں پھینکے، اُسی روز ہوا اور برف کا طوفان آ گیا۔''

سبکتگین: ''چونکہ ہندوؤں نے اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی انتظام نہ کیا تھا، اس لئے اُن کے تیرہ ہزار آدمی سردی سے اکڑ کر مر گئے۔''

شمس الدین: ''عالم پناہ! جے پال اور عام راجپوتوں پر اسی ایک واقعہ سے خوف و دہشت طاری ہو گئی۔''

فیروز: یہی بات ہے۔ وہ سمجھ گئے کہ دیوتاؤں نے برہم ہو کر اُن پر ہلاکت خیز طوفان بھیج دیا۔''

شمس الدین: ''کس قدر ضعیف الاعتقاد ہیں ہندو۔''

فیروز: ''اُنہوں نے مطلق بھی اس بات کو نہ سوچا کہ پانی کو ناپاک ہم نے کیا تھا۔ اگر اُن کے

دیوتا ناراض ہوتے تو ہم سے۔ کیونکہ ہم اُن کو نہیں مانتے ہیں اور ہندو اُن کو مانتے ہیں۔ اُن کی پوجا کرتے ہیں۔ اُن کا احترام کرتے ہیں۔ وہ ان سے کیوں ناخوش ہوئے؟''

سبکتگین: ''یہ ہندوؤں کی ضعیف الاعتقادی ہے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ خیر..... اب ہم کو چل کر اُس ضعیفہ کی خبر لینا چاہئے۔ اور اگر ممکن ہو سکے تو اُسے سمجھا بجھا کر اپنے ہمراہ لے چلیں۔''

☆.....☆.....☆

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اُس میدان کے چاروں طرف پہاڑ تھے۔ سلطان اپنے ساتھیوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور درّوں اور گھاٹیوں سے گھوم کر مغربی جانب والی اُس ٹیکری پر پہنچا جس پر فیروز نے اپنا لشکر لے جا کر چھپا دیا تھا۔ اُس نے یہاں کھڑے ہو کر میدان کی طرف دیکھا۔ ابھی تک راجپوتوں کے رسالے کوچ کر رہے تھے۔ جب اُن لوگوں نے پہاڑ پر نظر ڈالی تو چٹان کی تمام چوٹیاں برف پوش نظر آئیں۔ سفید سفید برف، آفتاب کی شعاعوں سے چمک رہی تھی۔ اُس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا جاتا تھا۔ اگرچہ آج دھوپ تیز تھی۔ مطلع صاف تھا اور برف پگھلنے لگی تھی۔ مگر ابھی تک اُس کی موٹی موٹی سلیں جہاں تہاں پڑی تھیں۔ باد و برف کے طوفان نے درختوں کو بڑا نقصان پہنچایا تھا۔ مغربی شاخیں تو کیا، موٹے موٹے گدے بھی ٹوٹ گئے تھے اور کسی کو تو جڑ سے ہی اُکھاڑ کر پھینک دیا گیا تھا۔ یہ لوگ ٹیکری سے اُتر کر درّے میں گھس گئے اور اُسے عبور کر کے اُس وادی میں پہنچے جہاں ضعیفہ اُن کو لے کر گئی تھی۔ یہ وادی جو کبھی بہشت زار تھی اُس وقت اُجڑی پڑی تھی۔ برف باری نے پھولوں کو گرا دیا تھا۔ سبزہ کو پامال کر دیا تھا۔ درختوں کے پتے جھڑ گئے تھے۔ کسی درخت پر بھی کسی میوہ یا پھل کا نشان باقی نہ رہا تھا۔ سلطان نے اُس اُجڑی وادی کو دیکھ کر کہا کہ یہ بہشت زار وادی ایسی تاراج ہو گئی ہے کہ اسے دیکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کبھی یہ نہایت دلفریب جگہ تھی۔

فیروز: ''خدا دُنیا والوں کو اپنی قدرت دکھاتا ہے۔ وہ بہشت زار کو دم کے دم میں تاراج کر دیتا ہے اور ریگزار کو بہشت بنا دیتا ہے۔''

سبکتگین: ''یہی بات ہے۔ اسی سے تو انسان سمجھتا ہے کہ کوئی ایسی ہستی بھی ہے جو ہست کو نیست اور نیست کو ہست کر سکتی ہے۔ اور وہ ہستی خالق مطلق ہے۔ اُسے ہی خدائے قدوس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔''

محمود: ''میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ خدا نے ہی طوفان بھیج کر ہماری امداد کی ہے۔''

سبکتگین: ''اور یہ خیال بالکل صحیح ہے۔ کیا یہ خدا کی انتہائی مہربانی نہیں ہے کہ اُس نے تیرہ ہزار کفار کو آغوشِ مرگ میں پہنچا دیا اور مسلمان ایک بھی نہ مرا۔ حالانکہ ہم اور وہ دونوں ایک ہی میدان میں تھے۔ اور طوفان کا اثر دونوں لشکروں پر یکساں ہوا تھا۔''

فیروز: ''خدا مسلمانوں کی ہمیشہ مدد کرتا رہا ہے اور آئندہ بھی کرے گا۔''

سبکتگین: ''بے شک..... بشرطیکہ مسلمان، مسلمان ہوں۔ اُسے یاد کرتے، اس سے ڈرتے اور

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

اُس کی عبادت کرتے رہیں۔"

محمود: "اور اُس کی راہ میں لڑ مرنے کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔"

سبکتگین: "مسلمان عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا نہیں ہوا ہے۔ اس کی شان تو جفاکشی ہے۔"

محمود: "اور جہاد پر آمادہ رہنے پر بھی۔"

سبکتگین: "مسلمان جہاد سے بڑھ کر کسی چیز کو بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ کسی انسان پر کسی حالت میں بھی نماز معاف نہیں ہے۔ الاّ جہاد کے وقت بھی نماز معاف ہو جاتی ہے۔ پھر کس قدر خدا کی مہربانی ہے کہ جہاد میں شہید ہونے والا جنت میں پہنچ جاتا ہے۔"

محمود: "یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان ہر وقت جہاد کا متمنی رہتا ہے۔"

سبکتگین: "شہادت کی موت قابل صد رشک موت ہے۔"

فیروز: "اور قسمت والوں ہی کو یہ موت نصیب ہوتی ہے۔"

سبکتگین: "بلاشبہ! یہ سب جانتے ہیں کہ مرنا ہر شخص کو ہے۔ بیمار ہو کر مرنا بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ ہاں! لڑ کر مر جانے کو سب ہی اچھا سمجھتے ہیں۔"

محمود: "جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے، اُس وقت سے میری یہی تمنا ہے کہ شہادت کی موت مروں۔"

سبکتگین: "بیٹا! خدا تیری آرزو پوری کرے۔"

اب یہ لوگ اُس جگہ آئے جہاں ضعیفہ مقیم تھی۔ اُنہوں نے اُسے اِدھر اُدھر دیکھا، مگر وہ کسی طرف بھی نظر نہ آئی۔ سلطان نے کہا۔ "خدا خیر کرے! ضعیفہ نظر نہیں آتی۔"

فیروز نے کہا۔ "شاید غار کے اندر بیٹھی ہو۔"

سبکتگین: "مگر اُسے دُھوپ میں بیٹھی ہونا چاہئے تھا۔"

فیروز: "ممکن ہے کہ پوستین اوڑھے بیٹھی ہو۔"

سبکتگین: "اچھی بات ہے۔ ذرا غار میں جھانک کر دیکھو!"

فیروز نے بڑھ کر غار میں جھانکا۔ اُس نے ضعیفہ کو بستر پر پڑے دیکھا۔ وہ واپس لوٹ آیا۔ سلطان نے دریافت کیا۔ "کیا وہ غار کے اندر موجود ہے؟"

فیروز: "جی ہاں!"

سبکتگین: "کیا کر رہی ہے؟"

فیروز: "شاید سو رہی ہے۔"

سبکتگین نے حیرت بھرے انداز سے کہا۔ "سو رہی ہے؟"

فیروز: "جی ہاں!"

سبکتگین: "مگر یہ وقت سونے کا نہیں ہے۔"

فیروز: "لیکن وہ تو سو رہی ہے۔"

سبکتگین: "تم نے غور سے نہیں دیکھا۔ چلو! ہم دیکھیں۔"

وہ بڑھا۔ فیروز اور دوسرے لوگ اُس کے پیچھے چلے۔ اُس نے غار میں جھانکا۔ ضعیفہ بستر پر پڑی تھی۔ اُس کے بال بکھرے پڑے تھے۔ پوستین اوڑھے تھی اور گھٹنے پیٹ سے لگائے گٹھڑی سی بنی پڑی تھی۔ سبکتگین اُسے کھڑا دیکھتا رہا۔ نہایت غور اور بڑی توجہ سے۔ کچھ دیر کے بعد اُس نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ سو نہیں رہی ہے۔"

فیروز: "پھر حضور؟"

سبکتگین: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا سے رُخصت ہو چکی ہے۔"

فیروز: "کیسے اندازہ کیا حضور نے؟"

سبکتگین: "اگر زندہ ہوتی تو اُس کے سانس کی آمد و شد سے پوستین ضرور ہلتا۔"

اب سب نے غور سے اُسے دیکھا۔ اُس میں واقعی حرکت معلوم نہیں ہوتی تھی۔ فیروز نے کہا۔ "حضور کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔"

سبکتگین: "ٹھہرو! میں آگے بڑھ کر دیکھتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی سلطان غار کے اندر داخل ہوا اور اُس نے قصداً زور سے زمین پر پاؤں مارا۔ اگرچہ کافی دھماکہ ہوا، مگر ضعیفہ نے کروٹ نہ لی اور نہ پوستین منہ سے ہٹا کر دیکھا۔ سلطان نے آگے بڑھ کر آہستہ سے پوستین اُٹھایا تو ضعیفہ کا منہ کھلا پایا۔ اُس نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا کہ وہ مر چکی ہے۔ اُس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ آنکھیں نیم باز اور چہرہ سخت ہو رہا تھا۔ سلطان نے کہا۔ "افسوس! کہ ہماری محسنہ مر گئی۔" یہ سن کر سب کو ہی افسوس ہوا۔

فیروز نے کہا۔ "مرحومہ کو اپنی موت کا کس قدر یقین تھا۔"

سبکتگین: "اس قدر کہ وہ موت کو قریب سے قریب تر سمجھ رہی تھی۔"

فیروز: "مگر موت واقع کیسے ہوئی؟"

اب سلطان اُس کے قریب بیٹھ گیا۔ اُس نے اُس کے چہرے اور ہاتھ پاؤں کو دیکھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ موت کب اور کیسے ہوئی؟ کچھ دیر کے بعد اُس نے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ضعیفہ رات یا اس سے پہلے مر چکی ہے۔"

فیروز: "کیسے اندازہ کیا حضور نے؟"

سبکتگین: "اس کے بدن کی سختی دیکھ کر۔"

فیروز: "مگر میرا خیال ہے کہ یہ سردی سے اکڑ کر مری ہے۔"

سبکتگین: "تمہارا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس کا پاؤں سکیڑے ہوئے مرنا اس بات کی بین دلیل ہے۔"

فیروز: "افسوس! کہ ہم نے غلطی کی۔"

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

سبکتگین: ''ہاں..... سخت غلطی کی۔ ہمیں اس کو چھوڑنا نہیں چاہئے تھا۔''

فیروز: ''خیال اغلب ہے کہ یہ ہوا اور برف کے طوفان کا مقابلہ نہ کر سکی۔''

سبکتگین: ''اگرچہ اس کا وقت آ گیا تھا۔ مگر سچ پوچھو! تو اس کی موت کا باعث ہم سب ہیں۔ ہم کو اُسی وقت اپنے ہمراہ لے جانا چاہئے تھا۔ خدا معاف کرے، ہم نے اس ضعیفہ کو اپنے ہاتھوں سے کھو دیا۔''

فیروز: ''اس کی تجہیز و تکفین کی تجویز کرنا چاہئے۔''

سبکتگین: ''تلاش کرو! شاید کوئی چادر مل جائے۔ اگر نہ ملے تو فوراً ایک آدمی دوڑ کر جائے اور چند چادریں لے آئے۔''

فیروز نے تلاش کرنا شروع کیا۔ ایک گوشہ میں کئی چادریں اور اکثر کپڑوں کے جوڑے احتیاط سے رکھے ہوئے تھے۔ ایک طرف ایک پتھر پر ایک مشکیزہ رکھا تھا۔ اُس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ سلطان نے کہا۔ ''تمام لشکر میں کوئی بھی عورت نہیں ہے اور اس ضعیفہ کو غسل دینا ضروری ہے۔ تم میں سے ایک شخص مشکیزہ بھر کر لائے۔ میں خود اسے نہلاؤں گا۔''

شمس الدین نے مشکیزہ اُٹھایا اور پانی لینے چلا گیا اور فیروز نے چادریں ایک طرف رکھ کر کپڑے اُٹھائے اور قمیض پھاڑ کر کئی دستانے بنائے۔ تھوڑی ہی دیر میں شمس الدین پانی لے آیا۔ سلطان نے جلدی سے دستانے پہن کر پوستین اُسے اچھی طرح اوڑھا دیا اور اُس کے کپڑے پھاڑ کر اُتار ڈالے۔ پھر اپنے ہاتھ سے غسل دے کر چادریں اوڑھا دیں اور اس طرح سے اُس کا جنازہ تیار کر لیا۔ پھر چاروں نے مل کر میت کو باہر نکالا اور نمازِ جنازہ پڑھی۔ نماز پڑھ کر سلطان نے کہا۔ ''اسے اس کے شوہر کے قریب ہی دفن کرنا چاہئے۔''

فیروز: ''مناسب بھی یہی ہے۔''

چاروں نے اُس کا جنازہ اُٹھایا اور اُسی جگہ لے گئے جہاں اُس کا شوہر مدفون تھا۔ اُس کے قریب والے غار میں اُنہوں نے اُسے رکھ دیا اور ایک بھاری پتھر اُٹھا کر اُس کو ڈھک دیا۔ اُس کی تجہیز و تکفین کر کے یہ لوگ افسوس کرتے ہوئے لوٹے اور اپنے لشکر میں پہنچے۔ سلطان کو اُس کے مرنے کا بڑا رنج ہوا۔ اُس نے اُسی روز قرآن خوانی کرا کے اس کا ثواب ضعیفہ کی رُوح کو پہنچایا۔ دوسرے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی اسلامی لشکر مسلح ہوا اور شہر غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

جے پال کو مصالحت ہو جانے سے بڑی مسرت ہوئی تھی۔ اُس نے صلح کے دوسرے روز ہی اس خوف سے کوچ کر دیا تھا کہ کہیں محمود کے کہنے سے سلطان پھر مصالحت کو توڑ کر جنگ و پیکار پر آمادہ نہ ہو جائے۔ حالانکہ وہ خوب جانتا تھا کہ جب مسلمان کوئی عہد و اقرار کر لیتا ہے تو اُس سے کبھی بھی نہیں پھرتا۔ مگر اُسے خوف تھا۔ اس لئے وہ تیزی سے چل رہا تھا۔ وہ لمغان سے کوچ و مقام کرتا ہوا پشاور میں آ داخل ہوا۔ پشاور اُس کے زیرِ حکومت تھا۔ وہاں اُس کا ایک گورنر تھا اور

معقول فوج بھی تھی۔ پشاور پہنچ کر اُسے اطمینان ہوا۔ اور اب وہ آرام و اطمینان کے ساتھ لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ چند دنوں میں وہ دریائے سندھ کے کنارے پر آ پہنچا۔ یہ دریا نہایت زبردست ہے۔ ہندو اسے اٹک کہتے ہیں۔ اور انگریزی میں انڈس کہا جاتا ہے، اور چینی میں سنتاؤ۔ اس کا ایک اور نام اباسن بھی ہے۔ جس کے معنی ہے دریاؤں کا باپ۔ گویا وہ اتنا عریض و عمیق دریا ہے کہ اُسے دریاؤں کے باپ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

دریائے سندھ یا اٹک جھیل، نسرور کے شمالی برفستانی پہاڑوں کی چوٹی کیلاس کی ڈھلان سنگھ ہاب یعنی دہن شیر سے نکلتا ہے اور صوبہ سرحد، پنجاب اور سندھ میں 1806 میل بہہ کر بحیرہ عرب میں جا گرتا ہے۔ اس دریا کو کسی وقت بھی بغیر چھوٹے چھوٹے جہازوں اور بڑی بڑی کشتیوں کے عبور کرنا ناممکن ہے۔ جے پال نے اُن کشتیوں کے ذریعہ سے جن پر بادبان چڑھے ہوئے تھے، اُسے عبور کیا اور اٹک کو پار کر کے اپنے دارالسلطنت کی طرف چلا۔

دریائے سندھ سے آگے بڑھ کر وہ راولپنڈی میں آیا اور پھر کوہستانِ نمک کو عبور کرنے لگا۔ اس گرم خشک خطہ کو طے کر کے اُس نے دریائے جہلم کے پار اُتر کر سیالکوٹ کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ آخر دریائے چناب کو عبور کر کے سیالکوٹ پہنچا اور گوجرانوالہ سے ہوتا ہوا دریائے راوی کو پار کر کے لاہور میں آ داخل ہوا۔

لاہور دریائے راوی کے کنارے پر آباد تھا۔ اور قلعہ عین دریا کے کنارے پر نہایت شاندار اور مضبوط تھا۔ وسیع اس قدر تھا کہ اُس کے اندر زراعت ہو سکتی تھی۔ دریائے راوی سے نہریں کاٹ کر قلعے کے اندر لائی گئی تھیں۔ اور ان نہروں سے قلعے کے اندر کی تمام اراضی اور سارے باغات سیراب ہوتے تھے۔

جے پال کے واپس آنے سے اہل لاہور کو بڑی مسرت ہوئی تھی۔ اُس کی رعایا نے اُس کا نہایت پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ مندروں میں ناقوس اور گھنٹے بجائے گئے اور سارے قلعہ میں چراغاں کیا گیا تھا۔ چراغاں کرنے کی رسم اہل ہنود کی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا تذکرہ اُن کی پرانی کتب میں موجود ہے۔

رامائن ہندوؤں کی ایک مشہور کتاب ہے۔ اگرچہ اس میں سن وغیرہ نہیں لکھے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب لکھی گئی؟ اور اس میں جو واقعات لکھے ہیں، وہ کب ہوئے؟ یا تو ہندوؤں میں اُس وقت کوئی سن رائج نہ تھا یا وہ تاریخ اور سن کو جانتے ہی نہ تھے۔ بہرحال! وہ قیاسی غلہ لگاتے ہیں کہ رامائن میں جو واقعات لکھے گئے ہیں، وہ تخمیناً ایک ہزار سال قبل از مسیح ہوئے۔ خیال اغلب ہے کہ یہ غلط ہو۔ کیونکہ محض قیاس آرائی ہے۔

رامائن کو ایک پنڈت والمیک[1] نے لکھا ہے۔ اور ہندو اس کتاب کو نہایت متبرک سمجھتے اور اس کو مذہبی کتاب سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تذکرہ مختصراً لکھ دیا جائے۔ اجودھیا

[1] ایک رامائن تلسی داس نے بھی لکھی ہے۔

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

میں مہاراجہ دسرتھ کی حکومت تھی۔ اُن کی کئی رانیاں تھیں۔ ہندو، مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ وہ چار شادیاں تک کر لیتے ہیں۔ وہ اعتراض کرتے وقت اس بات کو بھی بھول جاتے ہیں کہ اُن کے راجاؤں اور بڑے بڑے آدمیوں کی بھی چار چار، پانچ پانچ بلکہ اس سے بھی زیادہ بیویاں ہوتی تھیں۔ اب بھی بہت سے راجاؤں اور بہت سے لوگوں کی کئی کئی بیویاں ہیں۔ میں خود ایسے بہت سے لوگوں سے واقف ہوں، جن کی کئی بیویاں ہیں اور وہ سب ہندو ہیں۔

خیر راجہ دسرتھ کی کئی رانیاں تھیں۔ اُن کے چار بیٹے تھے۔ رام، لچھمن، چرت اور بھرت۔ رام یا رام چندر کی شادی سیتا جی سے ہوئی تھی اور وہی ولی عہد تھے۔ راجہ دسرتھ کی سب سے چھوٹی اور چہیتی رانی کیکئی تھی۔ اور وہ اپنے بیٹے بھرت کو راج دلانا چاہتی تھی۔ اس لئے اُس نے راجہ پر زور ڈالا اور رام چندر کو 14 برس کے لئے اجودھیا سے نکلوا دیا۔ رام چندر اپنے بھائی لچھمن اور سیتا کو ہمراہ لے کر نکل گئے۔ اور جنگل جنگل پھرتے پریاگ تک پہنچے۔ وہاں سے دریا پار کر کے بندیل کھنڈ کے جنگلوں میں چلے گئے۔ راون، لنکا کا راجہ تھا۔ وہ سیتا کو اغواء کر کے لے گیا۔ رام چندر جی بہت پریشان اور غم زدہ ہوئے۔ اور وہ بندروں اور ریچھوں کی فوج لے کر لنکا پر حملہ آور ہوئے اور راون کو مار کر سیتا جی کو چھڑا لائے۔ جب وہ اجودھیا میں واپس آئے تو اُن کے آنے کی خوشی میں رعایا نے چراغاں کیا۔ کہا جاتا ہے کہ دیوالی کی رسم کی ابتداء اسی روز سے ہوئی اور ہندو ہر سال چراغاں کر کے اس واقعہ کی یاد مناتے ہیں۔ مگر سچ پوچھئے تو کثیر التعداد ہندو اس فلسفہ سے ناواقف ہیں۔ اکثر تعلیم یافتہ ہندوؤں نے مجھ سے کہا ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کو دیوالی کے روز چراغ جلاتے ہوئے دیکھتے آئے ہیں، لہٰذا ہم بھی جلاتے ہیں۔ مگر میں نے تاریخوں میں دیوالی کے روز چراغاں کرنے کی جو وجہ دیکھی گئی تھی، وہ تحریر کر دی ہے۔

غرضیکہ جے پال کے واپس آنے پر بھی لاہور میں چراغاں کیا گیا اور خیرات بھی تقسیم ہوئی۔ جب راجپوتوں نے عزالدین اور منصور وغیرہ کو دیکھا تو حیران ہوئے کہ یہ لوگ راجہ کے ساتھ کیوں آئے ہیں؟ چنانچہ اُنہوں نے لشکر والوں سے دریافت کیا۔ چونکہ عام سپاہیوں کو بھی یہ بات معلوم نہ تھی کہ مصالحت ادائے زرِ تاوان پر ہوئی ہے۔ اس لئے صحیح طور پر کوئی اُن کی بابت اہل لاہور کو کچھ نہ بتا سکا۔ مگر ایسی باتیں چھپا نہیں کرتی ہیں۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اُن کا راجہ جے پال دب کر مسلمانوں سے صلح کر کے آیا ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ وہ تاوانِ جنگ ادا کرے گا۔ جو مسلمان اُس کے ساتھ آئے ہیں، وہ زرِ تاوان لینے آئے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس کا چرچا عام ہونے لگا۔ جس وقت راجہ جے پال نے غزنی پر لشکر کشی کی تھی تو ڈینگیں مار کر گیا تھا اور یہ اقرار کر کے گیا تھا کہ جب تک وہ غزنی کو فتح کر کے تمام مسلمانوں کو تہ تیغ نہ کر ڈالے گا یا اُنہیں اپنا غلام نہ بنا لے گا، ہرگز واپس نہ آئے گا۔ مگر اب وہ واپس آیا تھا مسلمانوں سے ڈر کر۔ اُن سے صلح کر کے۔ اُس کی رعایا کو یہ بات سخت ناگوار گزری خصوصاً پنڈتوں کو۔

ایک روز سیلادت وزیرِ اعظم، جے پال کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس نے کہا۔ ''مہاراج! یہ

کیسی افواہ ہے جو لاہور میں گشت لگا رہی ہے؟''

جے پال نے دریافت کیا۔ ''کیسی افواہ؟''

سیلادت: ''لوگ کہتے ہیں کہ راجپوتوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست کھائی ہے۔''

جے پال: ''یہ غلط ہے۔''

سیلادت: ''تو کیا غزنی فتح ہو گیا؟''

جے پال: ''نہیں۔''

سیلادت: ''کیا سلطان سبکتگین نے خراج ادا کرنے کے اقرار پر صلح کر لی؟''

جے پال: ''نہیں..... یہ بھی نہیں ہوا۔''

سیلادت: ''پھر بہادر راجپوتوں کا لشکر کیوں واپس آ گیا؟''

جے پال: ''لمغان کے قریب جو مقدس چشمہ ہے، وہی چشمہ جس کے پوتر (پاک) پانی میں دیوتا اشنان (غسل) کیا کرتے ہیں، پاپی مسلمانوں نے گندگی ڈال کر ناپاک کر دیا۔ اس سے سارے دیوتا اور دیویاں ناراض ہو گئیں اور اُنہوں نے ہوا کا دروازہ کھول دیا۔ آکاش میں روزن کر دیئے اور ہوا اور برف کا طوفان اُمڈ آیا جس سے ہمارے تیرہ ہزار آدمی سردی سے ٹھٹھر کر مر گئے۔ چونکہ ہم سمجھ گئے کہ دیوتاؤں کا قہر و غضب ہم سب کو ہلاک کر ڈالے گا، اس لئے ہم مصلحت سمجھ کر واپس چلے آئے۔''

سیلادت نے خونزدہ نگاہوں سے جے پال کو دیکھ کر کہا۔ ''لیکن ان داتا ایسے لوگوں کو جن سے دیوتا غضب ناک ہو گئے تھے، لاہور میں کیوں لائے؟ اگر وہ ہم سب پر اپنے قہر و غضب کی بجلیاں گرانے لگیں تو کیا ہو گا؟''

جے پال: ''مجھے یہ فکر ضرور تھا۔ اور اب بھی ہے۔ میں نے واپس آتے وقت حکم دے دیا تھا کہ لوگ سب سے زیادہ دیوتاؤں کو پوجیں، روئیں اور اُن سے رحم و کرم کی التجائیں کریں۔ خصوصاً بشن[1] اور شیو کی پوجا کریں اور اُن کے سامنے ہر وقت گڑگڑائیں۔ میرا خیال ہے کہ ہماری اس پرستش اور عاجزی کا یہ اثر ہوا ہے کہ تمام راستہ میں ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہونے پائی۔ لہٰذا اس سے ہم نے اندازہ لگا لیا کہ دیوتاؤں کا غیظ و غضب مدھم پڑ گیا ہے۔

سیلادت: ''یہ ممکن ہے۔ دیوتا بڑی بھاری قربانیاں لئے بغیر راضی نہیں ہوا کرتے۔''

جے پال: ''میں جانتا ہوں۔ میری خواہش یہ ہے کہ تمام مندروں میں ہر وقت پوجا ہوتی رہے۔ عورتیں اور مرد، بچے اور بوڑھے سب ہمہ وقت پوجا پاٹ کرنے اور خیرات دینے میں مشغول رہیں۔

سیلادت: ''بہتر ہے۔ میں اس بات کا اعلان کر دوں گا۔ لیکن لشکر کی واپسی کے متعلق جو غلط

---

[1] ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ یا تو ایشور یعنی خدا کی تین شکلیں ہیں یا تینوں مل کر ہی پرماتما یعنی برہما جسے خالق کہتے ہیں ہے۔ بشن جو محافظ کہلاتا ہے اور شیو جو ہیست و نابود کرنے والا ہے۔ (صادق حسین صدیقی)

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

نہی پھیلی ہوئی ہے، اس کی تردید کیسے کی جائے؟"

جے پال: "میں عنقریب دربار منعقد کروں گا اور اس میں یہ بتا دوں گا کہ کیوں اور کس طرح سے میں نے صلح کی تھی اور اب کیا کرنے کا ارادہ ہے۔"

سیلا دت: "بہتر ہے۔"

پھر سیلا دت اُٹھا اور سلام کر کے چلا گیا۔ جے پال بھی اُٹھ کر دوسرے کمرے میں پہنچا اور آرام کرنے لگا۔

☆......☆......☆

سیلا دت نے اعلان کرا دیا تھا کہ لمغان کے قریب والے متبرک چشمے کا پانی مسلمانوں نے ناپاک کر دیا تھا جس کی وجہ سے سارے دیوتا تمام ہندوؤں سے ناراض ہو گئے تھے۔ انہیں راضی کرنے کے لئے ہر وقت جھانجھ، گھنٹے اور ناقوس بجائے جائیں، خیرات کی جائے، سب پوجا پاٹ کریں تاکہ ان سے خوش ہو کر دیوتا انہیں تکلیف اور نقصان پہنچانے کی بجائے آرام اور فائدہ پہنچائیں۔ ہندوؤں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو دیوتاؤں سے نہ ڈرتا ہو۔ جب بھی پنڈتوں کو روپے کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ اعلان کر دیا کرتے تھے کہ دیوتا ہندوؤں سے ناخوش ہو گئے ہیں۔ انہیں خوش کرنے کے لئے دان (خیرات) کرنے کی ضرورت ہے۔ فوراً تمام ہندو ادنیٰ و اعلیٰ حسب مقدور خیرات دینا شروع کر دیتے تھے۔ اور چونکہ خیرات لینے کے مستحق صرف پنڈت ہی سمجھے جاتے تھے اس لئے وہی خیرات لیتے تھے۔ اور اس طرح سے اُن کے پاس کافی دولت جمع ہو جایا کرتی تھی۔ چنانچہ سیلا دت کے اعلان کرتے ہی ہندو سخت خوفزدہ ہو گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ دیوتا عنقریب اُن کو تباہ و برباد کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے پوجا کرنا، گھنٹے بجانا، ناقوس پھونکنا اور خیرات کرنا شروع کر دی۔

اُس زمانے میں اکثر و بیشتر جگہ اور بعض بعض لوگ قربانیاں کرتے تھے۔ جانوروں کی اور انسانوں کی بھی .... چنانچہ اُس وقت بھی قربانیاں کی گئیں۔ شب و روز مندروں میں جمع رہنے لگے۔ چونکہ ہر وقت لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی اس لئے مندروں کے اندر اور سامنے رات دن میلہ سا لگا رہتا تھا۔

لوگوں نے اس قدر خیرات کی کہ برہمن مالدار ہو گئے۔ ہندوؤں میں ایک یہ بات عجیب ہے کہ وہ خیرات ایک دولت مند سے دولت مند برہمن کو تو دے دیتے ہیں مگر غریب سے غریب غیر برہمن کو نہیں دیتے اور نہ اُس کی کوئی مدد کرتے ہیں۔ خواہ وہ بھوک سے تڑپ تڑپ کر ہی کیوں نہ مر جائے۔

عز الدین اور منصور قلعہ کے اندر شاہی محل سے ذرا فاصلے پر سیلا دت وزیر اعظم کے قصر کے قریب ایک عالیشان مکان میں ٹھہرائے گئے تھے۔ اُس مکان کے قرب و جوار میں جو جھونپڑیاں پڑی تھیں، اُس میں مسلم سپاہی ٹھہرائے گئے تھے۔ اگرچہ انہیں اور راجہ جے پال کو لاہور میں آئے

ہوئے عرصہ گزر چکا تھا، مگر ابھی تک راجہ نے زر تاوان اُن کے حوالے نہ کیا تھا۔ اور اسی لئے وہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ شب و روز مندروں اور گھروں میں گھنٹے گھنٹیاں، سنکھ اور دوسری چیزیں اس زور و شور سے بجتی رہتی تھیں کہ کوئی بھلا آدمی اس شور میں بات تک نہ کر سکتا تھا، نہ سو سکتا تھا۔ یہ لوگ امن و سکون سے رہنے کے عادی تھے۔ ایسی کریہہ آوازیں سننے کے عادی نہ تھے۔ اس لئے اُن کو تکلیف ہو رہی تھی۔ اس کے علاوہ وہ حیران بھی ہو رہے تھے کہ یہ ہندوؤں کو کیا ہو گیا ہے؟ اور کیوں وہ ڈھول، گھنٹے، گھنٹیاں اور سنکھ بجاتے رہتے ہیں اور دن رات اُچھلتے کودتے کس لئے پھرتے رہتے ہیں؟

چونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ انہیں عام ہندو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے اس لئے وہ بازار وغیرہ میں بہت کم جاتے تھے۔ اور جب بھی جاتے تھے تو سب ایک ساتھ مل کر۔ تاکہ اگر ہندو اُن پر دست درازی کرنے لگیں تو وہ بھی جواب دے سکیں۔ ہندو جب انہیں دیکھتے تو نفرت و حقارت سے اُن کی طرف سے نظر پھیر لیتے تھے یا بڑے غیظ و غضب کی نظروں سے انہیں دیکھتے تھے۔ تمام مسلمانوں میں سب سے کمسن منصور تھا۔ ایسا کمسن کہ ابھی اُس کی مسیں بھی بھیگنی ہی شروع ہوئی تھیں۔ چونکہ مسلمان سرد ملک کے رہنے والے تھے، اس لئے اُن کے چہروں کی رنگتیں سفید تھیں اور اُن میں گلابی پن کی بھی جھلک تھی۔

منصور شکل و صورت کا اچھا تھا۔ لباس اسلامی پہنتا تھا، اس لئے اور بھی اچھا معلوم ہوتا تھا۔ ہندو اُس کی طرف دیکھتے تھے اور دیکھتے ہی رہ جاتے تھے۔ غالباً اُن کو حیرت ہوتی تھی کہ ایک نو عمر لڑکا دشمنوں کے شہر میں آیا ہوا ہے اور بے دھڑک ہو کر بازاروں میں نکل جاتا ہے۔

جب ہندوؤں نے پوجا پاٹ میں زیادہ شور کیا تو مسلمانوں نے دریافت کرنا چاہا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ چنانچہ ایک روز ایک بوڑھے برہمن کو اپنے مکان کے سامنے سے گزرتے دیکھا۔ عز الدین نے اُسے جا پکڑا اور جوں توں کر کے اُسے اپنے ساتھ لایا اور بٹھا کر اُس سے دریافت کیا۔ "یہ آج کل گھنٹے، باجے اور سنکھ زیادہ کیوں بجائے جا رہے ہیں؟"

برہمن کے بشرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ انہیں بڑی حقارت اور کینہ توز نظروں سے دیکھتا ہے۔ اور انہیں بہت ہی برا یا اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ اُس نے کہا۔ "تم یہ بات مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟"

عز الدین: "ہم کو تم ہی بھلے آدمی معلوم ہوئے۔ اس لئے تم سے ہی دریافت کرنا چاہتے ہیں۔"

برہمن: "تم خود ہی خوب جانتے ہو۔"

عز الدین: "ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔"

برہمن نے جوش میں آ کر کہا۔ "کیا تم نے لمغان کے پاس والے مقدس چشمہ کا پانی ناپاک نہیں کیا؟"

عز الدین: "ہم نے اُس میں چند جانور ذبح کر کے ڈال دیئے تھے۔"

www.pdfbooksfree.pk

برہمن: ''تمہاری اس حماقت نے ہی ہم سے ہمارے دیوتاؤں کو ناخوش کر دیا ہے۔ اب ہم اُن کو خوش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ رات دن پوجا کرتے ہیں، باجے بجاتے ہیں، ان کی حمد کے گیت گاتے ہیں۔''

عزالدین: ''لیکن پانی کو ناپاک ہم نے کیا اور دیوتا ناخوش تم سے ہو گئے۔ یہ تو عجیب بات ہے۔ اُنہیں ہم سے ناخوش ہونا چاہئے تھا۔''

برہمن: ''ہمارے دیوتاؤں میں یہی تو خوبی کی بات ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں سے خوش اور ناخوش ہوتے ہیں۔''

عزالدین: ''لیکن سوچو تو! جو انہیں نہیں مانتا، غلطی تو اُس نے کی۔ اور وہ سزا دینے لگے اپنے ماننے والوں کو۔ یہ بھی کوئی انصاف کی بات ہے؟''

برہمن نے عزالدین کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''تمہارا اس سے کیا مطلب ہے؟''

عزالدین: ''یہی کہ دیوتاؤں کو کچھ قدرت نہیں ہے۔ صرف خدا ہی کو یہ قدرت ہے کہ وہ جسے چاہے نقصان پہنچا دے اور جسے چاہے فائدہ۔''

برہمن خوف سے کانپ گیا۔ اُس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''تم دیوتاؤں کی توہین کرتے ہو۔ میں تمہارے پاس بیٹھ کر ایسی باتیں نہیں سن سکتا۔ ایسا نہ ہو کہ دیوتاؤں کا غضب مجھ پر نازل ہو جائے۔''

منصور نے اُس کا بازو پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ذرا تشریف رکھئے! اور.....''

برہمن لرز گیا۔ اُس نے کہا۔ ''رام..... رام..... تم نے مجھے ہاتھ لگا دیا۔ میں ابھی اشنان کر کے آیا تھا۔ اب پھر نہانا پڑے گا۔ یہ تم نے کیا، کیا؟''

برہمن صرف ایک دھوتی باندھے تھا۔ اُس کا باقی تمام بدن ننگا تھا۔ منصور نے اس وجہ سے اُس کا بازو پکڑ لیا تھا۔ منصور کو برہمن کی بات سن کر طرارہ آ گیا۔ اُس نے جوش میں آ کر کہا۔ ''کیوں نہانا پڑے گا تم کو؟''

برہمن: ''اس لئے کہ تمہارے ناپاک ہاتھ لگنے سے میں بھی ناپاک ہو گیا۔''

منصور کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اُس نے کہا۔ ''او کافر کتے! تو میرے ہاتھ لگانے سے ناپاک ہو گیا؟''

برہمن نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ اُسے غضب ناک دیکھ کر سہم گیا۔ اُسے خوف ہوا کہ کہیں جوشیلا مسلم نوجوان تلوار کھینچ کر اُس کا خاتمہ ہی نہ کر دے۔ لیکن فوراً ہی اُس کا خوف جاتا رہا۔ غالباً یہ سمجھ کر کہ مسلمان، ہندوؤں کے قلعہ کے اندر ہیں۔ لہٰذا اسے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس وجہ سے اُس نے کہا۔ ''ہاں..... ہم، تم مسلمانوں کو ناپاک سمجھتے ہیں۔''

منصور: ''حالانکہ ناپاک خود تم ہو۔ جو شخص خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتا ہے، دیوتاؤں کی پرستش کرتا ہے، سب سے زیادہ ناپاک وہی ہے۔ خداوند عالم اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''تمام مشرک نجس ہیں۔''

عزالدین نے منصور سے کہا۔ ''عزیز القدر! جوش میں نہ آؤ۔ ان ہندوؤں میں عقل ہی کہاں ہے؟ ان کی حالت بالکل اُن بچوں کی سی ہے جو کھلونوں ہی کو اپنا سب کچھ سمجھتے اور جانتے ہیں۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر اپنے باپ داداؤں کو بتوں کو پوجتے دیکھا ہے اور دیوتاؤں کی پرستش کرتے پایا۔ یہ بھی ویسا ہی کرتے ہیں۔''

منصور: ''مگر اس کتے کو.....''

عزالدین: ''نہیں! اسے برا نہ کہو۔ غصہ تھوک دو۔''

برہمن: ''نوجوان! تم کو غصہ آ گیا۔ تم نہیں جانتے کہ میں نہا کر وزیر اعظم کے مکان پر اس لئے گیا تھا کہ اُس کی لڑکی سورما سے کہہ دوں کہ وہ مندر میں آ کر پوجا کرے۔ وہ آنے والی ہے۔ اب مجھے یہاں سے جلدی جا کر نہانا اور پھر مندر میں جانا پڑے گا۔''

عزالدین: ''جایئے..... اور معاف کیجئے! کہ ہم نے آپ کو زحمت دی۔''

برہمن اُٹھ کھڑا ہوا اور چلا گیا۔ منصور کا غصہ ابھی تک فرو نہ ہوا تھا۔ اُسے رہ رہ کر طرارہ آ رہا تھا کہ ایک مشرک نے جسے وہ کافر سمجھتا ہے، اُسے ناپاک کیوں خیال کیا؟ ابھی وہ جوش اور غصہ کی حالت میں کھڑا ہی تھا کہ وزیر اعظم سیلادت کے محل کی طرف سے چند سپاہی برچھے ہاتھوں میں لئے آئے۔ وہ سب نیم برہنہ تھے اور صرف گھٹنوں سے اُوپر تک دھوتیاں باندھے ہوئے تھے۔ اُن کے پیچھے ایک رتھ تھا جس میں چار گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ رتھ بالکل پالکی نما تھا۔ سوائے پہیوں کے اور سب جگہ چاندی کے منقش پتر اُس میں جڑے ہوئے تھے۔ اُس کا پردہ ریشمی تھا اور اس وقت وہ اُٹھا ہوا تھا۔ جس وقت رتھ اُن لوگوں کے سامنے سے گزرنے لگا تو منصور اور عزالدین دونوں نے دیکھا کہ اُس میں ایک لڑکی بیٹھی ہوئی ہے جو بہترین ریشمی ساڑھی باندھے ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ شلوکہ یا قمیض نہ پہنے ہوئے تھی۔ بلکہ صرف انگیا پہنے اور ساڑھی باندھے تھی۔ کیونکہ اُس کے جسم کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا۔

وہ متعدد ہار پہنے ہوئے تھی۔ آبدار موتیوں اور جواہرات کے ہار تھے۔ اُن کی ضو سے اُس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ وہ دزدیدہ نظر سے اُس طرف دیکھتے ہوئے آ رہی تھی، جس طرف منصور اور عزالدین کھڑے تھے۔ وہ گاؤ تکیہ کا سہارا لئے نیم دراز تھی اور شہزادیوں جیسی شان سے دیکھ رہی تھی۔

جونہی اُس کی نظر منصور پر پڑی تو وہ گھبرا سی گئی اور منصور بھی لڑکھڑایا۔ نازنین نے فوراً نظریں پھیر لیں اور اُس کی رتھ نکلتی چلی گئی۔ اُس رتھ کے پیچھے اور بھی اکثر و بیشتر رتھیں تھیں۔ مگر وہ پہلی رتھ کی سی شاندار اور پُر تکلف نہ تھیں۔ اُن میں بھی ایک، ایک دو دو لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ وہ سب بھی ساڑھیاں پہنے ہوئے تھیں۔ اُن کے جسموں کا بھی کچھ کچھ حصہ نظر آ رہا تھا۔ وہ سب بھی سونے اور چاندی کے زیورات پہنے ہوئے تھیں۔ مگر اُن میں سے کوئی بھی ایسی بھولی، حسین اور غزال رعنا نہ

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

تھی جیسی کہ پہلی رتھ میں بیٹھی ہوئی سہ پارہ تھی۔ رتھ آہستہ آہستہ نکلتے چلے گئے۔ اُن کے بعد پھر ایک جماعت راجپوتوں کی آئی جو برچھے ہاتھوں میں لئے ہوئے رتھوں کے پیچھے آہستہ آہستہ چلے آ رہے تھے۔

جب یہ سب لوگ دُور نکل گئے، تب منصور اور عزالدین وہاں سے لوٹے اور مکان کے اندر چلے گئے۔

☆ ☆ ☆

جب عزالدین اور منصور، مکان کے اندر جا کر بیٹھے تو عزالدین نے کہا۔ ''منصور! تم کو اس قدر غصہ میں نہیں آنا چاہئے تھا۔''

منصور نے کہا۔ ''اُس کافر کے بچہ نے ایسی بات کہی کیوں؟''

عزالدین۔ ''تم جانتے ہو کہ ہم اُن کے ملک میں ہیں اور اُن کے قلعہ کے اندر ہیں۔''

منصور: ''خوب جانتا ہوں۔''

عزالدین:۔ ''اگر اُس برہمن نے فتنہ اُٹھا کر کھڑا کیا تو کیا ہوگا؟''

منصور: ''خدا مددگار ہے۔ مگر میں یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ایک بات کہے اور میں اُس کا جواب نہ دُوں۔''

عزالدین۔ ''یہ لوگ غیر مہذب ہیں۔ انہیں سمجھانا چاہئے تھا۔ نہ کہ اس سے زیادہ جوش میں آ جانا۔''

منصور: ''خدا کی قسم! میں ضبط کر گیا۔ ورنہ اُسی وقت اُس کا سر اُڑا دیتا۔''

عزالدین: ''مگر جانتے ہو کہ اس کا انجام کیا ہوتا؟''

منصور: ''جانتا ہوں۔ یہ لوگ ہم پر حملہ کر دیتے اور ہم کو شہید کر دیتے۔''

عزالدین: ''یہی بات ہے۔ شاید تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں ان ناکسوں سے ڈر گیا ہوں یا ڈرتا ہوں بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہماری طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے یہ ہم پر نقض عہد کا الزام لگا سکیں۔''

منصور: ''اسی بات نے مجھے ضبط کرنے پر مجبور کیا۔''

عزالدین: ''مجھے خوف ہے کہ جے پال اپنے قرار پر قائم نہیں رہا ہے اور وہ بدعہدی کرنا چاہتا ہے۔''

منصور: ''یہی خیال کئی روز سے میرے دل و دماغ میں بھی چکر لگا رہا ہے۔''

عزالدین: ''تم نے کیسے اس بات کو محسوس کیا ہے؟''

منصور: ''ہم کو یہاں آئے ہوئے کئی روز گزر گئے ہیں۔ اور جے پال نے ابھی تک زرِ جوان ہمارے حوالے نہیں کیا۔''

عزالدین: ''شبہ میں ڈالنے والی یہی بات ہے۔''

منصور: ''خدا کی قسم! شہزادہ محمود نے بالکل سچ کہا تھا کہ نہ ہندوؤں کا اعتبار ہے اور نہ ہندو راجاؤں کا۔''

عزالدین: ''اور اعلیٰ حضرت سلطان المسلمین بھی اس بات کو خوب سمجھتے اور جانتے ہیں۔ مگر وہ بے حد رحم دل اور صاف باطن ہیں۔ اُنہوں نے جے پال کی بات پر یقین کر لیا۔''

منصور: ''وہ ہرگز بھی یقین نہ کرتے اگر نے پال یہ نہ کہتا کہ وہ اور اُس کا تمام لشکر آگ میں جل کر مر جائے گا۔''

عزالدین: ''صرف اسی فقرہ نے انہیں صلح کر لینے پر مجبور کر دیا۔ خیر! میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس بات کی کوشش کرو کہ تمہاری طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے جے پال کو بدعہدی کا بہانہ مل جائے۔''

منصور: ''آئندہ میں احتیاط کروں گا۔''

عزالدین: ''ہاں..... احتیاط رکھو! اور حتی المقدور گھر سے باہر نہ نکلو۔''

منصور: ''بہتر ہے۔''

عزالدین: ''کھانا تیار ہو چکا ہے۔ آؤ! کھا لیں۔''

منصور: ''چلئے!''

دونوں کھانے کے کمرے میں آ گئے۔ کھانا منگوایا اور کھانے لگے۔ ابھی وہ کھانے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ سیلادت وزیر اعظم آ گیا۔ اُس نے آتے ہی کہا۔ ''آج جو حرکت تمہاری طرف سے عمل میں آئی ہے، اس نے ہندوؤں میں تمہاری جانب سے جوش و غصہ کی لہر دوڑا دی ہے۔ تمام پنڈت ناراض ہو گئے ہیں۔ اور تم کو شاید یہ خبر نہیں ہے کہ اس ملک میں راجپوتوں کی حکومت برائے نام ہے۔ اصل حکومت تو صرف پنڈتوں ہی کی ہے۔''

عزالدین نے کہا۔ ''آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہم نے کیا حرکت کی ہے؟''

سیلادت: ''یہ معلوم ہوا ہے کہ تم نے ایک پنڈت کا مذاق اُڑایا۔ ہمارے دیوتاؤں کو گالیاں دیں۔ ہمارے معبودوں کو برا کہا۔ ہم کو کافر اور نہ معلوم کیا کیا کہا۔''

عزالدین: ''یہ بالکل غلط ہے۔ البتہ اُس پنڈت کو (منصور کی طرف اشارہ کر کے) انہوں نے کافر ضرور کہا ہے۔''

سیلادت: ''مگر یاد رکھو! کبھی کوئی پنڈت جھوٹ نہیں بولا کرتا۔ اگر تم باتیں نہ کرتے تو وہ اپنی طرف سے نہ گھڑتا۔''

منصور: ''تو گویا پنڈت سچا ہے اور ہم جھوٹے؟''

سیلادت: ''ہم کسی مسلمان کو بھی سچا نہیں سمجھتے۔''

منصور کو غصہ آ گیا۔ اُس نے کہا۔ ''یاد رکھو! جو شخص خود جیسا ہوتا ہے، دوسروں کو بھی ویسا ہی سمجھتا ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

اب سیلادت کے غصہ میں آنے کی باری تھی۔ اُس نے طیش میں آ کر کہا۔ ''گویا ہم جھوٹے ہیں؟''

منصور: ''یقیناً!''

سیلادت بہت زیادہ غضبناک ہو گیا۔ اُس نے گرج کر کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ لاہور کے وزیر اعظم کی توہین کر رہے ہو۔''

منصور: ''اور تم جانتے ہو کہ تم ایک مسلمان کی توہین کر کے ہمارے دلوں کو گرما رہے ہو۔''

سیلادت: ''بہت اچھا..... آپ کے جوش اور آپ کی بہادری کا امتحان ہو جائے گا۔''

عز الدین: ''گویا آپ ہم کو دھمکی دے رہے ہیں؟''

سیلادت: ''ہاں..... میں بتاؤں گا کہ میری قوت کس قدر ہے۔''

عز الدین: ''آپ کی قوت تو اس سے ظاہر ہے کہ آپ ایک جھوٹے آدمی کو سچا سمجھ رہے ہیں۔''

سیلادت: ''میں پھر کہتا ہوں کہ پنڈت جھوٹ نہیں بولا کرتے۔''

منصور: ''مگر میں کہہ سکتا ہوں کہ جو برہمن یہاں آیا تھا، وہ جھوٹا اور مکار ہے۔ اُس نے جو کچھ بھی آپ سے کہا، وہ بالکل غلط ہے۔ اُسے ہمارے سامنے بلوائیے اور دریافت کیجئے! اگر آپ منصف مزاج ہیں تو گفتگو سے سب کچھ اندازہ کر لیں گے۔''

سیلادت: ''میں سب کچھ سمجھ چکا ہوں۔ تم نے ہمارے دیوتاؤں کو ہم سے ناخوش کر دیا ہے۔ ہر ایک ہندو تم سے سخت متنفر ہے۔ میں کچھ اور چاہتا تھا۔ مگر اب کچھ اور کرنا پڑے گا۔''

عز الدین: ''اگر تم اپنی طاغوتی قوت اور فرعونی طاقت سے ہم کو ڈرانا یا مرعوب کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو اور سمجھ لو! کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور مسلمان، شیطانی سطوت سے نہیں ڈرا کرتا۔''

سیلادت کو بڑا جوش اور سخت غصہ آ گیا۔ اُس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''بہت اچھا!''

عز الدین: ''پرواہ نہیں کہ تم ناخوش ہو کر چلے جاؤ، بے پال کو ہمارے خلاف بھڑکاؤ، اپنی طاقت کا مظاہرہ ہمارے سامنے کرو، ہم سے لڑو۔ مگر ایک بات سمجھ لو! کہ ہم تمہارے مہمان ہیں۔ اگر تم نے دغابازی کی تو دنیا تم کو بدعہد، مکار اور ظالم کہے گی۔ تاریخوں میں تم اسی نام سے مشہور ہو جاؤ گے۔''

سیلادت: ''گویا اب تم ہماری خوشامد پر اُتر آئے ہو؟''

عز الدین: ''تمہاری کم فہمی ہے۔ یاد رکھو! مسلمان کبھی کسی کی خوشامد نہیں کیا کرتا۔ وہ صرف اُس خدا کی خوشامد کرتے ہیں، جس نے اُنہیں اور تمام دنیا کو پیدا کیا ہے۔''

سیلادت: ''لیکن اگر تم ایک ایک ہندو کی بھی خوشامد کرو، تب بھی بے سود ہے۔ اور کسی کو بھی تم پر رحم نہیں آ سکتا۔''

عز الدین: ''یہ تو ہم کو پہلے سے ہی معلوم ہے۔ تم وہ لوگ ہو جنہیں ہندوستان کے اصل

باشندوں کول اور دراوڑ پر مطلق بھی رحم نہ آیا۔ اُن کو لوٹا گیا اور قتل کیا، اُن کے مکانات اور کھیتوں کو جلا ڈالا۔ بالآخر اُن کے معصوم بچوں اور عورتوں کو غلام اور کنیزیں بنا لیا۔ تمہارے ظلم و ستم کی داستان تاریخوں میں محفوظ ہے۔''

سیلادت: ''سمجھ لو! کہ یہی حشر نہ صرف تمہارا، بلکہ غزنی کے تمام مسلمانوں کا ہم کرنے والے ہیں۔''

عز الدین: ''اپنی خیر مناؤ! اوروں کو معلوم ہو یا نہ ہو، مگر تم کو تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ تمہارا راجہ اور تمہارے شجاع راجپوت، سلطان کے حضور میں عاجزی کر کے زرتاوان ادا کرنے کے وعدہ پر آزاد ہو کر آئے ہیں۔ اگر تم نے ذرا بھی ایفائے عہد سے گریز کیا تو لاہور سے تمہارے راج کا خاتمہ ہو جائے گا اور اس نواح میں شاید ہی کوئی ہندو نظر آ سکے گا۔ دیکھئے! عقل مندی اس میں نہیں ہے کہ صلح کر لینے کے بعد پھر جنگ کی جائے۔ دانشمندی یہ ہے کہ جو عہد کر لیا گیا ہے، اُسے پورا کیا جائے اور جنگ پر صلح کو ترجیح دی جائے۔''

سیلادت: ''خیر! جیسا موقع ہو گا، کیا جائے گا۔ مگر اب تم اس مکان سے باہر ذرا دیکھ بھال کر نکلنا۔ حکومت اب تمہاری حفاظت کی ذمہ دار نہیں ہے۔''

عز الدین نے ہنس کر کہا۔ ''ہم تمہاری حکومت کی حفاظت کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور نہ ہی یہ سمجھ کر یہاں آئے تھے۔ بلکہ ہم تو اپنے خدا کے بھروسہ پر آئے ہیں۔ اور وہی ہماری حفاظت و نگہداشت کرے گا۔''

سیلادت: ''بس! تو خدا ہی سے کہو کہ وہ تمہاری حفاظت کرے۔'' یہ کہتے ہی سیلادت چلا گیا۔

عز الدین نے کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ بے پال اور تمام ہندو بدعہدی کرنا چاہتے ہیں۔''

منصور: ''اسی لئے وقت کو ٹالا جا رہا ہے۔''

عز الدین: ''مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام حالات سے اعلیٰ حضرت کو مطلع کر دیا جائے۔''

منصور: ''ضرور مطلوع کر دیا جائے۔''

اُسی وقت عز الدین نے ایک عریضہ لکھا اور اُسے سربمہر کر کے ایک سوار کو بلا کر اُس کے حوالے کر کے کہا۔ ''تم اسی وقت روانہ ہو جاؤ! اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے، سلطان کے حضور میں پہنچ کر یہ مراسلہ پیش کر دو! کیونکہ یہاں ہمارے لئے خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔''

سوار نے کہا۔ ''لیکن حضور! میں یہاں رہوں گا اور ان لوگوں نے بدعہدی کر کے حملہ کر دیا تو کم سے کم اُن سے لڑوں گا تو سہی۔ اگر میں چلا گیا تو ایک آدمی کم ہو جائے گا۔''

عز الدین: ''اس کا خیال نہ کرو۔ ہم سب کی سلامتی تمہارے جلد سے جلد سلطان کے حضور میں پہنچنے پر ہے۔''

سوار: ''اطمینان رکھئے! میں بغیر ایک لمحہ ضائع کئے سفر کرتا رہوں گا۔'' وہ واپس لوٹا اور اُسی

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

وقت گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ اب عز الدین اور منصور سپاہیوں کو کچھ ہدایات کرنے کے لئے باہر نکلے۔ اور انہیں سمجھا بجھا کر جب لوٹے تو انہوں نے اُسی لڑکی کی سواری اُسی شان سے آتے دیکھی، جس شان سے کہ صبح اس طرف سے گزری تھی۔ دونوں کھڑے ہو کر اُسے دیکھنے لگے۔ پہلے برچھے بردار راجپوت آئے اور اُن کے بعد چاندی کا رتھ آیا۔ اُس میں مہ پیکر دوشیزہ نہایت شان سے بیٹھی تھی۔ اُس کے چہرے سے حوروں جیسا بھولا پن ظاہر ہو رہا تھا۔ اُس کی نظر اُن دونوں کی طرف تھی۔ یہ دونوں بھی اُسے دیکھ رہے تھے اور دیکھتے رہے، بڑے غور اور بڑی توجہ سے.....

جب وہ قریب آئی اور اُس کی نظر منصور پر پڑی تو وہ پھر لڑکھڑا گیا۔ اور اُدھر وہ لڑکی بھی گھبرا گئی۔ اُس کی رتھ جا رہی تھی کہ دفعتہً گھوڑے بھڑک گئے اور ایسے بھڑکے کہ قابو سے باہر ہو گئے۔ جو راجپوت اُن پر سوار تھے، اُنہوں نے اُنہیں پھینک دیا اور بے تحاشہ ایک طرف بھاگ نکلے اور کچھ ایسے بھاگے کہ رتھ کے اُلٹ جانے کا خدشہ ہو گیا۔ حور اور لڑکی سہم گئی۔ وہ معصومانہ نگاہوں سے جس تس کو دیکھنے لگی۔ لیکن کسی راجپوت کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ گھوڑوں کو روک لیتا یا لڑکی کو رتھ سے کھینچ لیتا۔ یہ کیفیت دیکھتے ہی منصور تڑپ گیا۔ وہ تیر کی تیزی سے دوڑا اور رتھ کے پاس پہنچ کر ہاتھ بڑھا کر مہ پارہ دوشیزہ کو کھینچ لیا۔ اُس کی یہ جرات دیکھ کر راجپوتوں نے واہ واہ کا غل مچا دیا۔

منصور نے لڑکی کو کھینچا ہی تھا کہ ایک ہی قدم آگے بڑھ کر رتھ اُلٹ گئی۔ اگر ایک سیکنڈ بھی اور وہ سیم تن اُس رتھ میں رہتی تو لازمی تھا کہ اُس کا خاتمہ ہو جاتا۔ جب منصور نے اُس مہ پیکر کو آہستہ سے زمین پر کھڑا کیا تو اُس حور وش نے مشکورانہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ اُس کی ہوشربا نگاہیں منصور کے دل میں اُترتی چلی گئیں..... اسی اثناء میں اُس حسینہ کے محافظ آ گئے اور اُسے اپنے ساتھ لے کر چلے گئے اور منصور کھڑا اُسے دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

عز الدین اور منصور دونوں نے اس بات کو خوب سمجھ لیا تھا کہ ہندو چھیڑ خانی کرنا چاہتے ہیں کہ اُنہیں تکلیف پہنچائیں۔ وزیر اعظم جیسی ذمہ دار ہستی کا یہ کہہ دینا کہ حکومت اُن کی حفاظت کی ذمہ دار نہیں ہے، اس بات کی روشن دلیل تھی کہ وہ چند مسلمانوں کو ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑنا چاہتے ہیں۔ لیکن عز الدین نے سچ کہا تھا کہ وہ ہندوؤں اور ہندو حکومت کی حفاظت کی ذمہ داری پر نہیں آئے تھے۔ بلکہ وہ خدا کے بھروسے پر آئے تھے اور اُسی سے بہتری کی اُمید رکھتے تھے۔

مسلمان، تقدیر کے قائل ہیں۔ وہ جانتے اور خوب جانتے ہیں کہ خدا نے جو کچھ اُن کے مقدر میں لکھ دیا ہے، وہ ضرور پیش آئے گا۔ تقدیر کا لکھا تدبیر سے مٹ نہیں سکتا۔ اس لئے اُنہیں مطلق بھی فکر نہ تھا کہ اُن کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔ اور اس سے بچنے یا حفظ ماتقدم کے لئے اُن کو کیا کرنا چاہئے۔

جس روز برہمن کو ہاتھ لگانے اور سیلاوت وزیر اعظم سے گفتگو کرنے کا واقعہ ہوا تھا، دو دن گزر گئے تھے۔ ان دو دنوں میں کوئی نئی بات نہ ہوئی تھی۔ عز الدین، منصور اور دوسرے مسلمان جس طرح سے پہلے روزانہ بازار میں جاتے تھے، اُسی طرح سے اب بھی جاتے تھے۔ اگرچہ ہندو اُن کو نفرت کی غصہ آمیز نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ مگر وہ اُن سے نہ بولتے تھے اور نہ کچھ کہتے تھے۔ یہ لوگ جس کام کے لئے بھی جاتے تھے، اُسے پورا کر کے فوراً واپس آ جاتے تھے۔ لاہور اُس وقت کفرستان تھا۔ محلہ محلہ، گلی گلی بلکہ گھر گھر میں بت رکھے ہوئے تھے۔ اور لوگ اُن کو پوجتے تھے۔ نہ صرف مرد بلکہ عورتیں اور بچے بھی۔

ایک روز منصور مغرب کی نماز پڑھ کر مکان سے باہر نکلا اور سپاہیوں کو کچھ ہدایات کر کے واپس لوٹنے لگا۔ جب وہ ایک کوچہ میں سے گزر رہا تھا تو اُسے ایک لڑکی ملی جو بڑی ہوئی شرم و حیا سے بدن چرائے اُس کی جانب آ رہی تھی۔ وہ فیروزی ریشم کی ساڑھی پہنے ہوئے تھی اور چند سونے کے زیورات بھی پہنے تھی۔ ننگے پیر آ رہی تھی۔

منصور اُسے تنہا دیکھ کر ایک طرف ہٹ گیا۔ مگر وہ لڑکی اُس کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ لڑکی نے قریب پہنچ کر کہا۔ ''کیا آپ غزنی سے آئے ہیں؟''

منصور نے اُس کی طرف دیکھا۔ وہ شرما رہی تھی اور اُس کی آنکھیں شرم سے جھکی جا رہی تھیں۔ منصور نے اُسے دیکھا اور دیکھتا رہا۔ پھر چند ثانیہ کے بعد کہا۔ ''ہاں..... میں غزنی سے آیا ہوں۔''

لڑکی: ''اور جو لوگ آئے ہیں، آپ اُن میں سب سے کم عمر ہیں؟''

منصور: ''لوگوں کا ایسا ہی خیال ہے۔''

لڑکی: ''مگر یہ حقیقت نہیں ہے؟''

منصور: ''نہیں۔ حقیقت بھی ہے۔''

لڑکی: ''میں کل سے آپ کی تلاش میں ہوں۔''

یہ سن کر منصور کو بڑی حیرت ہوئی۔ اُس نے متعجب ہو کر لڑکی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میری تلاش میں ہو تم.....؟''

لڑکی کا سر بارِ حیا سے جھک گیا۔ اُس نے نگاہیں نیچی کرتے ہوئے کہا۔ ''جی ہاں۔''

منصور نے اُس کے شرمیلے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔ ''کس لئے؟''

لڑکی: ''آپ کو آپ کی ایک خیر خواہ نے بلایا ہے۔''

منصور: ''میری خیر خواہ..... کیا وہ کوئی عورت ہے؟''

لڑکی: ''عورت نہیں، بلکہ لڑکی ہے۔''

منصور: ''کون ہے وہ؟''

لڑکی: ''یہ آپ کو وہاں چل کر معلوم ہو جائے گا۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

منصور: ''کہاں چل کر؟''

لڑکی: ''جہاں اُس نے آپ کو بلایا ہے۔''

یہ بات لڑکی نے کچھ اس سادگی سے کہی کہ منصور کو بہت ہی بھلی معلوم ہوئی۔ اُس نے دریافت کیا۔ ''کہاں بلایا ہے؟''

لڑکی: ''جہاں میں لے جاؤں گی۔''

منصور: ''کہاں لے جاؤ گی تم؟''

لڑکی: ''آپ چلیں۔ خود بخود آپ کو معلوم ہو جائے گا۔''

منصور: ''مگر شاید تم کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ یہاں کچھ لوگ ہمارے دشمن ہو گئے ہیں۔''

لڑکی: ''مجھے معلوم ہے۔ اور اسی لئے آپ کو بلانے آئی ہوں۔ تا کہ آپ اپنی خیر خواہ کی زبانی معلوم کر لیں کہ آپ اور آپ کے ہمراہیوں کے متعلق کیا قرار پایا ہے۔''

منصور: ''اگر تم کو معلوم ہے تو تم ہی بتا دو!''

لڑکی: ''مجھے معلوم نہیں ہے۔''

منصور: ''مگر مجھے یہ کیسے اطمینان آئے کہ تم دوست بن کر دوست کے پاس ہی لے جاؤ گی اور دغا ہرگز نہ دو گی؟''

لڑکی: ''آپ یہ سمجھ لیں! کہ ہندو عورتیں دھوکہ نہیں دیا کرتیں۔''

منصور: ''اچھا...... تو میری خیر خواہ لڑکی کا نام ہی بتا دو!''

لڑکی: ''اس کی مجھے ممانعت کر دی گئی ہے۔''

منصور: ''یہ بتا دو! کہ کہاں لے جانا چاہتی ہو؟''

لڑکی: ''یہ بتانے سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔''

منصور: ''اگر میں تمہارے ساتھ نہ جاؤں تو؟''

لڑکی: ''تو اندیشہ ہے کہ تم زبردست خطرے میں گھر جاؤ گے۔''

منصور: ''اور وہ خطرہ......''

لڑکی نے قطع کلام کر کے کہا۔ ''آپ مجھ پر اعتبار کریں۔ میرے ہمراہ چلیں۔ میں دیوتاؤں اور بھگوان کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ آپ کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ کروں گی اور آپ کو بحفاظت یہاں پہنچا جاؤں گی۔ کیا آپ کو میری بات پر وشواس (یقین) نہیں ہے؟''

منصور: ''تمہارے بشرے سے میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ تم نیک طینت اور صاف گو ہو۔ دھوکہ نہ دو گی۔ اور جو کچھ کہہ رہی ہو، وہ کرو گی۔ مگر......''

لڑکی: ''اگر تم مجھ پر اعتماد کرتے ہو تو اگر مگر نہ کرو۔ اور خاموشی سے میرے ہمراہ چلے آؤ۔''

منصور: ''مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تم بھی میرے ہمراہ کسی خطرے میں نہ پھنس جاؤ۔''

لڑکی: ''اس بات سے اطمینان رکھو! میری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

منصور: ''تم شاید کسی فوجی افسر کی بیٹی ہو؟''

لڑکی: ''بس! اور کچھ نہ پوچھئے۔ یہ سب باتیں آپ کو معلوم ہو جائیں گی۔''

منصور: ''اچھا، اگر تم اجازت دو! تو میں اپنے کسی ساتھی سے یہ کہہ دوں کہ میں باہر جا رہا ہوں۔''

لڑکی نے عجب سے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو لاہور سے باہر نہ جانا پڑے گا۔''

منصور: ''میرا مطلب یہ نہ تھا کہ میں لاہور سے باہر جانے کی بابت کہوں گا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ کسی سے یہ کہہ دوں کہ میں تھوڑے عرصہ کے لئے کہیں جا رہا ہوں۔ تا کہ میری عدم موجودگی میں وہ پریشان نہ ہوں۔''

لڑکی: ''اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ میں یہیں کھڑی آپ کے آنے کا انتظار کروں گی۔ لیکن جلد آ جائیے گا۔''

منصور: ''جلد آ جاؤں گا۔ کیا میں کسی اور کو اپنے ساتھ لا سکتا ہوں؟''

لڑکی: ''نہیں ..... اگر آپ کو مجھ پر بھروسہ ہے تو تنہا آ جائیے۔''

منصور: ''اچھا! میں ہتھیار تو لیتا آؤں۔''

لڑکی: ''اگر چہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن کچھ حرج بھی نہیں ہے۔''

منصور وہاں سے چل پڑا اور اپنے مکان میں آیا۔ وہ سیدھا عز الدین کے پاس پہنچا۔ عز الدین اُس کا چہرہ دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اُس نے دریافت کیا۔ ''منصور! کیا کہنا چاہتے ہو تم؟''

منصور نے کہا۔ ''ایک لڑکی آئی ہے۔ اور وہ کہتی ہے کہ اُسے کسی لڑکی نے مجھے بلانے کے لئے بھیجا ہے۔ یہ دونوں لڑکیاں مسلمانوں کی خیر خواہ ہیں۔ اُنہیں کوئی خاص بات معلوم ہوئی ہے۔ اور وہ اس سے ہم کو آگاہ کرنا چاہتی ہیں۔''

عز الدین: ''پھر اُس نے یہیں تم سے کیوں نہیں کہہ دیا؟''

منصور: ''وہ کہتی ہے کہ اُسے کچھ معلوم نہیں۔ مگر قیافہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ سب کچھ جانتی ہے۔ لیکن مجھے کہیں لے جانا چاہتی ہے۔''

عز الدین: ''یہ بڑے خطرہ کی بات ہے۔ میں......''

منصور نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن لڑکی صاف گو اور نیک طینت معلوم ہوتی ہے۔ بحفاظت لے جانے اور لانے کا وعدہ کرتی ہے۔''

عز الدین: ''ہندو ہمارے دشمن ہیں۔ ممکن ہے کہ اُنہوں نے کوئی جال پھیلایا ہو۔''

منصور: ''لیکن وہ مجھ کو اسیر دام کر کے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں؟ اگر آپ کو جُل دیتے، تب کوئی بات بھی ہوتی۔''

عز الدین: ''گویا تم جانے کے لئے تیار ہو؟''

منصور: ''ہاں...... بشرطیکہ آپ اجازت دیں۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

عزالدین: ''میں کس طرح سے اجازت دے سکتا ہوں؟ معلوم نہیں وہ تمہیں کہاں لے جائے اور وہاں جا کر کیا واقعہ پیش آئے؟''

منصور: ''لیکن اگر میں نہ گیا تو ایک تو وہ لڑکی مجھے بزدل خیال کرے گی، دوسرے وہ بات بھی معلوم نہ ہو سکے گی جو وہ لڑکی بتانا چاہتی ہے، جس نے اُسے بھیجا ہے۔''

عزالدین: ''اچھا! کیا اُس نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ تم کو کہاں لے جانا چاہتی ہے؟''

منصور: ''نہیں..... وہ جگہ اور لڑکی کا نام وغیرہ کچھ بھی بتانا نہیں چاہتی۔''

عزالدین: ''تب تو مجھے خدشہ ہے کہ وہ تم کو دامِ فریب میں پھنسانا چاہتی ہے۔''

منصور: ''لیکن ہم لاہور میں کسی سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اگر وہ مجھے دھوکہ ہی دینا چاہتی تو فرضی طور پر کسی لڑکی یا کسی کی بیٹی کا نام لے دیتی۔''

عزالدین: ''گویا تم اُسے سچا سمجھتے ہو؟''

منصور: ''جی ہاں! وہ کسی ایسی جگہ اور ایسی لڑکی کے پاس لے جانا چاہتی ہے، جس کے بتانے سے اُس کی بدنامی کا خیال ہے۔''

عزالدین: ''یہ ہو سکتا ہے۔ اچھا! تم خدا کا نام لے کر جاؤ۔ میں تمہارے.....''

منصور نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ مجھے تنہا لے جانا چاہتی ہے۔ کسی دوسرے کے ہمراہ لے چلنے پر آمادہ نہیں ہے۔''

عزالدین: ''میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا اس بات کو۔ تم اُس کے ساتھ تنہا ہی جاؤ! مگر پورے ہتھیار لے لو۔ میں اور ایک اور آدمی، تمہارے پیچھے اور قریب ہی رہیں گے۔ خطرہ ہونے پر تم نعرہ لگا دینا۔ ہم تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔''

منصور: ''بہتر ہے۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ وہ لڑکی آپ کی موجودگی سے خبردار ہو جائے۔''

عزالدین: ''ایسی بے وقوفی نہ کریں گے ہم۔''

اب منصور اپنے کمرے میں گیا۔ ہتھیار لگائے اور اُوپر سے عربوں جیسا فرغل ڈال لیا۔ اس طرح سے وہ مسلح ہو کر عزالدین کے پاس آیا اور اُسے سلام کر کے مکان سے باہر نکلا، گلی میں گھسا اور لڑکی کے پاس پہنچا۔ لڑکی نے اُسے دیکھ کر کہا۔ ''آپ آ گئے؟''

منصور: ''ہاں..... آ گیا۔ چلو!''

لڑکی: ''تم کو مجھ پر اطمینان ہو گیا؟''

منصور: ''اگر اطمینان نہ ہو جاتا تو آتا ہی کیوں؟''

لڑکی نے مسکرا کر کہا۔ ''تب تو آپ بھی نیک دل انسان ہیں۔''

منصور نے اُس کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ چل پڑی تھی۔ وہ بھی اُس کے پیچھے چل پڑا۔ اور یہ دونوں گلی سے نکل کر سیدھے راستہ پر روانہ ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

ہم 368ھ مطابق 977ء کے واقعات قلم بند کر رہے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا، جبکہ ہندوستان کے شہروں کی حالت صفائی یا روشنی کے لحاظ سے بالکل ایسی ہی تھی، جیسی کہ زمانہ حال میں دیہات کی ہے۔ صفائی کی طرف تو مطلق بھی توجہ نہ دی جاتی تھی۔ البتہ بڑے بڑے شہروں کی بڑی بڑی سڑکوں پر کہیں کہیں روشنی ہوتی تھی۔ بازار سرِ شام ہی سے بند ہو جاتے تھے اور اس لئے سڑکیں بھی سنسان ہو جاتی تھیں۔ جس رات کو وہ لڑکی، منصور کو ساتھ لے کر چلی، وہ رات اندھیری تھی۔ چاند آدھی رات کے بعد نکلنے والا تھا۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ایسا اندھیرا کہ تھوڑی دور کی چیز بھی صاف نظر نہ آتی تھی۔ اور چونکہ کوئی اس سڑک پر آ، جا بھی نہ رہا تھا اس لئے سکون چھایا ہوا تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ تھوڑی ہی دُور چل کر وہ وزیرِ اعظم کے محل کے سامنے جا نکلے۔ منصور اس محل اور اس کے مکین کو خوب جانتا تھا۔ اُس نے آہستہ سے لڑکی سے دریافت کیا۔ ''کیا تم اس محل میں لے چلو گی مجھے؟''

لڑکی نے جواب دیا۔ ''ہاں..... کیوں، کیا تم کچھ ڈرتے ہو؟''

وزیرِ اعظم سے منصور کی جو گفتگو ہوئی تھی، اس سے اُس نے خوب سمجھ لیا تھا کہ وہ اُس کا دشمن ہو گیا ہے۔ اور اُسے اور تمام مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی دھمکی بھی دے گیا تھا۔ اُسے خدشہ ہوا کہ کہیں یہ لڑکی اُسے سلاوت کے ہاتھوں میں اسیر نہ کرا دے۔ مگر فوراً اُس نے سوچا کہ اگر وزیرِ اعظم عداوت نکالنا چاہتا تو اُسے اس طرح سے خفیہ بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ جے پال پر اُس کا کافی اثر و رسوخ ہے۔ اور وہ اُس سے اجازت لے کر اُسے اور تمام مسلمانوں کو خود ہی دن میں یا رات کو کسی وقت آ کر گرفتار کرا دیتا۔

لڑکی نے ڈرنے کا طعنہ دیا تھا۔ منصور نے کہا۔ ''تم مسلمانوں سے واقف نہیں ہو۔ مسلمان ڈرنا جانتے ہی نہیں۔ انسان، موت سے ڈرتا ہے اور موت کے خوف سے ہر چیز سے ڈرنے لگتا ہے۔ لیکن جو لوگ موت سے ہی نہیں ڈرتے، وہ کسی اور چیز سے کب ڈر سکتے ہیں؟''

لڑکی نے مسکرا کر کہا۔ ''ٹھیک فرمایا آپ نے۔ اچھا! تو بہادر نوجوان، لیجئے۔ میں آپ کو اس محل کے اندر لے چلوں گی۔ اگر آپ کو کچھ خوف ہو تو واپس تشریف لے جائیے۔''

منصور: ''اطمینان رکھو! مجھے کوئی خوف اور کوئی اندیشہ نہیں ہے۔''

لڑکی: ''اچھا..... تو آپ نہایت خاموشی سے میرے ساتھ چلے آئیں۔''

منصور: ''بہتر ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

دونوں پھر چل پڑے۔ لڑکی آگے آگے جا رہی تھی اور منصور ایک قدم پیچھے۔ دونوں صدر دروازے سے کترا گئے۔ صدر دروازے کے سامنے کئی راجپوت ننگی تلواریں لئے پہرہ دے رہے تھے۔ وہ دونوں، اُن کی نگاہوں سے بچتے ہوئے اندھیرے کی سیاہ چادر میں لپٹے ہوئے دبے قدموں دروازے سے آگے بڑھ گئے اور پہریداروں کی تیز نگاہیں بھی اُنہیں نہ دیکھ سکیں۔

جب وہ دروازے سے اتنی دُور نکل گئے کہ اُن کے آہستہ سے بولنے کی آواز پہرہ والوں تک نہ پہنچ سکے تو منصور نے کہا۔ ''تم تو اس محل میں لے جانا چاہتی تھیں مجھے؟''

لڑکی: ''اسی محل میں لے جاؤں گی۔''

منصور: ''مگر تم دروازے سے آگے کیوں بڑھ آئی ہو؟''

لڑکی: ''اس لئے کہ میں دروازے سے تم کو نہیں لے جانا چاہتی۔''

منصور: ''اور کس طرح سے لے جاؤ گی؟''

لڑکی: ''اُڑا کر۔''

منصور: ''گویا تم پری ہو۔''

لڑکی شرما کر چپ ہوگئی۔ منصور نے کہا۔ ''جواب دو!''

لڑکی: ''کیا جواب دُوں؟''

منصور: ''جو مناسب سمجھو۔''

لڑکی: ''کیا تم دروازے کے ذریعہ سے جانا چاہتے ہو؟''

منصور: ''کیا اندیشہ ہے؟''

لڑکی: ''پہرہ والے جو موجود ہیں۔''

منصور: ''کیا وہ منع کریں گے؟''

لڑکی: ''یقیناً...... مسلمان تو مسلمان، وہ کسی ہندو مرد کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔''

منصور: ''یہی تو دریافت کر رہا ہوں کہ پھر تم کیسے مجھے محل کے اندر لے جا سکو گی؟''

لڑکی: ''اطمینان، دلجمعی اور خاموشی سے میرے پیچھے چلے آؤ!''

منصور: ''اچھا...... چلو!''

دونوں پھر چل پڑے۔ یہ محل نہایت شاندار، بلند اور وسیع تھا۔ اُس کی دیواریں کسی گڑھی کی فصیل کی طرح اُونچی تھیں۔ اتنی اُونچی کہ اندھیرے میں اُن کی بلندی کا اندازہ نہ ہو سکتا تھا۔ وہ چکر لگا کر اُس کے پیچھے پہنچے۔ یہاں لڑکی آگے بڑھی اور دیوار کے پاس پہنچی۔ اُس نے دیوار کو تھپتھپایا اور خاموش ہوگئی۔ منصور اُس کے پیچھے کھڑا دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد دیوار پھٹ گئی اور اُس میں اتنا بڑا شگاف نمودار ہوگیا، جس میں سے ایک آدمی با آسانی گزر سکے۔

لڑکی نے شگاف کے اندر گھستے ہوئے منصور کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ جب لڑکی شگاف

میں داخل ہوگئی تو منصور بھی آگے بڑھ کر اُس میں داخل ہوگیا۔ اور جب وہ دوسری طرف پہنچا تو اُس نے اپنے آپ کو محل کے اندر پایا۔ اُس نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ اب ایک لڑکی کی بجائے وہاں دو لڑکیاں تھیں۔ وہ سمجھ گیا کہ دوسری لڑکی، خفیہ دروازے پر پہلی لڑکی کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اب اُس نے محل کے اندر نظر ڈالی۔ اُسے کہیں کہیں روشنی نظر آئی۔ وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ کس طرف سے عمارتوں کا سلسلہ شروع ہے اور کہاں تک پھیلا ہوا ہے؟ جو لڑکی اُسے ساتھ لے کر آئی تھی، اُس نے کہا۔

''دیکھیے! اب آپ ہمارے قابو میں آ گئے ہیں......''

منصور نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ''قابو میں نہ آ جاتا تو یہاں تک کیسے آتا؟''

لڑکی: ''اس لئے اب جو ہم کہیں، وہ آپ کو کرنا ہوگا۔''

منصور: ''تو کیا مجھ سے کوئی کام لینا چاہتی ہو؟''

لڑکی: ''ہاں.... مگر گھبرائیے نہیں۔ کوئی محنت و مشقت کا کام نہ ہوگا۔''

منصور: ''پھر؟''

لڑکی: ''صرف خاموشی سے ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔''

منصور: ''گویا اب تک میں غل مچاتا ہوا آیا ہوں؟''

لڑکی: ''غل مچاتے تو نہیں آئے۔ لیکن باتیں تو کرتے رہے ہیں۔''

منصور: ''اور اب باتیں بھی نہ کروں؟''

لڑکی: ''بالکل نہیں۔ اب تم محل کے اندر آ گئے ہو۔ ہر قدم پر خطرہ ہے۔ اس لئے عدسو رجہ کی خاموشی اور احتیاط سے کام لینا ہوگا۔''

منصور: ''مگر تم ایسے خطرہ کی جگہ مجھے لائی ہی کیوں؟''

لڑکی: ''یہ کہیے! کہ کسی نے آپ کو ایسے خطرناک مقام پر بلایا ہی کیوں؟''

منصور: ''یونہی سہی۔''

لڑکی: ''مگر یہ بات تو وہی بتا سکتی ہیں، جنھوں نے آپ کو بلایا ہے۔''

منصور: ''اور وہ ہیں کون؟''

لڑکی: ''یہ بات آپ کو اُن سے مل کر معلوم ہو جائے گی۔''

منصور: ''کیا وہ یہاں تک بھی نہ آ سکتی تھیں؟''

لڑکی: ''نہیں...... وہ زیادہ تر اپنے کمرے ہی میں رہتی ہیں۔ اچھا! اب آپ بالکل خاموش رہئے اور ہمارے پیچھے چلے آیئے۔ مگر اتنا بتا دیجئے کہ کہیں آپ گھبرا تو نہیں رہے ہیں؟''

منصور: ''گھبرانے کی بھی کیا کہی۔ ایک مردِ میدان کبھی گھبرا نہیں سکتا۔''

لڑکی: ''بالکل نہیں...... اچھا مردِ میدان صاحب! چپ چاپ چلے آیئے۔''

منصور نے اندازہ کر لیا کہ لڑکی ذرا شوخ ہے۔ اور اس وقت وہ مسکرا رہی ہے۔ چونکہ یہاں

www.pdfbooksfree.pk

بھی ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا، اس لئے صاف طور پر کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اور اسی وجہ سے اُس نے لڑکی کو ہنستے ہوئے نہ دیکھا۔

دونوں لڑکیاں روانہ ہوئیں۔ منصور اُن کے پیچھے چلا اور یہ تینوں روشنی کی طرف بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر میں وہ عمارت کے پاس پہنچ گئے۔ اب وہ روشنی جو محل میں داخل ہوتے ہی نظر آئی تھی، غائب ہوگئی تھی۔ اور یہ بالکل اندھیرے میں بڑھے چلے جا رہے تھے۔

چند قدم اور چل کر وہ ایک چبوترے پر چڑھے۔ اب روشنی پھر نظر آنے لگی۔ اور انہوں نے خفیف اُجالے میں یہ دیکھ لیا کہ کمرے قطار در قطار بنے ہوئے ہیں۔ اس وقت دونوں لڑکیاں کمال احتیاط سے کام لے رہی تھیں۔ اور انہیں حزم و احتیاط سے کام لیتے ہوئے دیکھ کر منصور خود بھی بہت زیادہ محتاط ہوگیا تھا۔

لڑکیوں نے بڑھ کر ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور اُس میں داخل ہوگئیں۔ منصور بھی اُن کے ساتھ ہی پہنچ گیا۔ اُس نے کمرے میں جا کر دیکھا کہ نہایت اچھا کمرہ ہے۔ اور اُس میں آرائش کی تمام اشیاء بھی موجود ہیں۔ روشنی بھی کافی ہوگئی ہے۔ لڑکیوں نے اشاروں ہی اشاروں میں ایک دوسرے سے بات کی اور دوسری طرف نکل کر برآمدہ میں آگئیں۔ یہاں سے وہ دوسرے کمرے میں پہنچیں۔ منصور اُن کے پیچھے پیچھے لگا ہوا آ رہا تھا۔ یہ کمرہ پہلے کمرے سے بھی زیادہ خوبصورت اور آراستہ و پیراستہ تھا۔ اس میں مکلّف فرش ہو رہا تھا۔ روشنی بھی تیز ہو رہی تھی۔

منصور نے دیکھا کہ کمرے کے آخری کنارے پر سنگ مرمر کا ایک چبوترہ بنا ہوا تھا جو تین مربع گز تھا۔ اُس کے چاروں طرف ایک ایک فٹ اُونچی جالی کا کٹہرا لگا ہوا تھا۔ اور زربفت کا منقش سائبان کھنچا ہوا تھا۔ سائبان کے نیچے دو فٹ لمبی ایک تصویر تھی جو کسی دھات کی بنی ہوئی تھی۔ تصویر کے نقش و نگار اچھے تھے مگر رنگ قدرے سانولا تھا۔ سرخ رنگ کی ریشم کا شلوکہ پہنے ہوئے تھی۔ جس کے حاشیوں پر زردوزی کا کام ہو رہا تھا۔ زرد رنگ کی کناری دار دھوتی باندھے ہوئے تھی۔ پیر پر پیر رکھے کھڑی تھی۔ ہاتھوں میں بانسری تھی اور بانسری کا سرا منہ میں تھا۔ گویا وہ بانسری بجا رہا تھا۔ سر پر بال تھے جو کانوں سے نکل کر کندھوں تک آ گئے تھے۔ بالوں کے اُوپر چھوٹا سا تاج تھا۔ پشت پر سونے کا گول دائرہ تھا جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے جو کہ روشنی کے عکس سے بے حد جگمگا رہے تھے۔

یہ تصویر مردانہ تھی۔ ''سری کرشن جی مہاراج'' کی تصویر کے عین سامنے ایک حسین لڑکی بہترین ریشمی خوبصورت ساڑھی باندھے، پیکر تصویر بنی ہاتھ جوڑے اور آنکھیں بند کئے کھڑی تھی۔ گویا تصور میں غرق تھی۔

اُس کی ساڑھی میں ہیرے کی کنی لگی ہوئی تھی۔ حاشیوں پر لیس لگی ہوئی تھی۔ ان دونوں کی وجہ سے ساڑھی جگمگا رہی تھی۔ چونکہ منصور کی طرف اُس کی پشت تھی اس لئے وہ اُس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ دونوں لڑکیاں اُس سے ذرا آگے بڑھ کر نہایت سکوت سے ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر کھڑی ہو

گئیں۔ اگرچہ اُس وقت اُس کمرے میں چار متنفس تھے۔ مگر چاروں اس درجہ خاموش تھے کہ اُن کے سانس لینے تک کی آوازیں سنائی نہ دے رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد وہ حسینہ جو چبوترے کے قریب کھڑی تھی، سجدہ میں جھک گئی اور تھوڑے سے وقفہ کے بعد کھڑی ہو کر جھکی جھکی، چبوترے پر چڑھی اور سری کرشن جی کی مورتی کے پیر چھو کر اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور سیدھے قدموں تاکہ تصویر کی طرف پشت نہ ہو، واپس لوٹ آئی۔

اب اُس نے ایک پردہ کھینچا اور تصویر پردے کے پیچھے ہوگئی۔ اُس وقت اُس نے گھوم کر پہلے لڑکیوں کو اور پھر منصور کو دیکھا۔ جونہی منصور کی نظر اُس پر پڑی، تو اُس نے فوراً ہی پہچان لیا کہ وہ غارت گر صبر و شکیب، وزیرِ اعظم کی بیٹی منورما تھی جس کو اُس نے بچایا تھا۔ منورما کو دیکھتے ہی منصور حیران رہ گیا اور حیرت بھری نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

☆......☆......☆

منصور اُس پیکر حسن و جمال کو ایک مرتبہ نہیں، دو دفعہ دیکھ چکا تھا اور ہر دو مرتبہ اُسے دیکھنے سے اُس کی طبیعت کچھ دگرگوں ہوگئی تھی۔ اُسے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ وہ، جس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن تھا، اُسے طلب کرے گی اپنی شبستانِ عشرت میں اپنی رازدار سہیلیوں کے توسل سے۔

وہ حیران رہ گیا اور حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ منورما اٹھلاتی، مچلتی، خراماں خراماں بلکہ بخرام کرتی ہوئی اُن کی طرف بڑھی۔ جوں جوں وہ منصور کے قریب آتی جاتی تھی، اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مہتاب اپنی تمام جلوہ آرائیوں کے ساتھ اُس کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اور اُس کی شعاعیں اُس کے دل کو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں۔

اُس نے دیکھا کہ منورما کے حسین چہرہ سے متانت اور بھولا پن ٹپک رہا تھا۔ معصومیت اور ہمدردی لہریں لے رہے تھے۔ وہ مست شباب، رعنائیوں کا مجسمہ اور معصومیت کا پیکر تھی۔ وہ اُن تینوں کے پاس پہنچ کر رُک گئی اور اُس لڑکی سے جو منصور کو اپنے ہمراہ لے کر آئی تھی، مخاطب ہو کر بولی۔ ''رادھا! تو انہیں (منصور کو) یہاں اس کمرہ میں کیوں لے آئی؟''

اُس کی آواز بے حد دلکش تھی۔ مزامیر میں وہ دلکشی نہ تھی جو اُس کی پیاری آواز میں تھی۔ منورما کے کہنے سے منصور کو معلوم ہوا کہ اُسے لانے والی لڑکی کا نام رادھا ہے۔ رادھا نے کہا۔ ''چونکہ انہوں نے فوراً ہی واپس جانا تھا، اس لئے یہ غلطی ہوگئی۔''

منورما: ''فوراً ہی جانا ہے...... کیوں؟''

رادھا: ''یہ تو ان سے ہی پوچھئے گا حضور! یہ تو یہاں آتے بھی نہ تھے۔''

منورما: ''شاید ڈرتے ہوں گے۔''

رادھا نے مسکرا کر کہا۔ ''جی ہاں...... ابھی بچے ہیں نا۔''

منصور سن رہا تھا۔ اُس کے کانوں میں امرت رس ٹپک رہا تھا۔ وہ منورما کو دیکھ رہا تھا اور دیکھے

www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

جا رہا تھا۔ روشنی کے عکس نے اُس کی صورت کو اس درجہ جگمگا دیا تھا کہ اُس کی طرف نظر بھر کر ذرا مشکل سے ہی دیکھا جاتا تھا۔ اور جب اُس کے سرخ لب کھل کر موتیوں جیسے دانتوں کی لڑی نظر آ جاتی تو منصور کے دل پر بجلی سی گر پڑتی تھی۔

منورما نے کہا۔ "یہ بچے ہیں؟ مگر بچے تو گھروں میں رہا کرتے ہیں۔"

رادھا نے کسی قدر کھل کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور اس وقت یہ گھر ہی میں تو ہیں حضور!"

منورما: "نہیں رادھا! میں نے تو سنا ہے یہ لمغان کے میدان میں راجپوتوں سے لڑ چکے ہیں۔"

رادھا: "مگر مجھے اس بات کا یقین نہیں آتا۔"

منورما: "مجھ سے تو پتا جی نے یہ بات کہی تھی۔"

رادھا: "تب تو صحیح ہوگی۔ لیکن اگر یہ بات سچ ہوتی تو یہ اپنی زبان سے بھی تو اقرار کرتے۔"

منورما: "مگر ہم کو اقرار کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو انہیں میری نشست گاہ میں لے چل۔ میں آ رہی ہوں۔ سودھا! تو ٹھہر۔ مجھے کپڑے تبدیل کرانا۔"

رادھا نے منصور سے کہا۔ "آئیے صاحب! میرے کمرے میں چلئے۔" منصور چپ تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا حسن کی تصویر کو۔ وہ سن رہا تھا دلکش آواز کو۔ وہ اب بھی کچھ نہیں بولا اور چپ چاپ رادھا کے ہمراہ روانہ ہوا۔

دونوں اُس کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئے اور تھوڑی ہی دور چل کر ایک اور کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کمرے میں فرش ہو رہا تھا۔ ریشم کے کپڑے کی چھت گیری لگی ہوئی تھی۔ کئی مسہریاں پڑی تھیں اور اُن پر پُرتکلف بچھونے بچھے ہوئے تھے۔ دروازوں پر ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے۔ رادھا نے اُس کمرہ میں پہنچ کر منصور سے کہا۔ "آپ مسہری پر تشریف رکھیں۔"

منصور بیٹھ گیا۔ رادھا نے پھر کہا۔ "آپ نے دیکھ لیا اس سندر کنیا (حسین لڑکی) کو جس نے آپ کو بلایا ہے؟"

منصور: "ہاں...... دیکھ لیا۔ مگر یہ تم نے کیا، کیا رادھا؟ کیوں تم مجھے اس حورِ ہند یا لاہور کی اپسرا (پری) کے پاس لائیں؟"

رادھا: "تم خوش قسمت ہو منصور! منورما نے آج تک کبھی کسی مرد سے باتیں نہیں کی ہیں۔"

منصور: "اور مجھ سے بھی کہاں کی ہیں؟"

رادھا: "دو نو مخاطب ہوئیں، مگر تم نے گفتگو ہی نہ کی۔ بلکہ بت بنے ہوئے چپ چاپ کھڑے رہے۔"

منصور: "میں اپنے حواس ہی میں کب تھا رادھا؟"

رادھا: "اچھا...... اب حواس درست کر لو۔ اب وہ آنے والی ہے۔ اور تم سے خاص طور پر گفتگو کرے گی۔"

منصور: "میں حیران ہوں کہ وہ مجھ سے کیا گفتگو کرنا چاہتی ہے؟"

رادھا: "یہ صرف رہی جاتی ہے۔ خاموش! وہ آ رہی ہے۔"

کسی کے ہلکے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ رادھا سنبھل کر کھڑی ہو گئی۔ منصور دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں منورما اٹھلاتی ہوئی دروازے میں داخل ہوئی۔ منصور کو ایسا معلوم ہوا جیسے آفتاب، افقِ مشرق سے نکل آیا ہو۔ وہ بے اختیاری کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔ منورما اس وقت گلابی ساڑھے پہنے ہوئے تھی۔ جس کے کناروں پر سیاہ فیتہ لگا ہوا تھا اور اُس میں سنہرا کام ہو رہا تھا۔ ساڑھی میں سفید رنگ کے پھول تھے اور اُن میں ہیرے کے ٹکڑوں کے ساتھ آبدار موتی ٹکے ہوئے تھے۔ ساڑھی جگمگا رہی تھی۔ اور اُس کا عکس اُس کے رُخساروں کو آتشیں بنا رہا تھا۔

اُس کی آنکھیں غزالِ چین سے زیادہ موٹی موٹی اور رسیلی تھیں۔ وہ سحر آفرینی کرتے ہوئے بڑھی چلی آ رہی تھی۔ منصور کے قریب آ کر وہ دوسری مسہری پر بڑی نزاکت اور دلربایانہ ادا سے بیٹھ گئی۔ آتشِ حسن سے اُس کا چہرہ گرمی پا کر عرق آگیں ہو گیا تھا۔ اور اس سے وہ اور بھی دلفریب ہو گئی تھی۔

اُس نے بیٹھتے ہی رادھا سے مخاطب ہو کر منصور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ان سے کہو! کہ یہ بیٹھ جائیں۔"

رادھا نے منصور کی طرف دیکھا۔ منصور دیدارِ حسن میں محو تھا۔ رادھا نے اُس سے کہا۔ "عربی نوجوان! تشریف رکھئے۔"

منصور نے گویا سنا ہی نہیں۔ وہ خاموش کھڑا اُس پیکرِ نور کو دیکھتا رہا۔ نہایت انہماک اور بڑی محویت سے۔ دنیا اور مافیہا سے بے نیاز ہو کر......!

منورما نے انتظار کیا کہ وہ بیٹھے۔ اور جب وہ بیٹھ جائے، تب گفتگو کا سلسلہ شروع کرے۔ لیکن جب وہ نہ بیٹھا اور ذرا دیر ہو گئی تو منورما نے رادھا سے کہا۔ "شاید یہ کچھ اُونچا سنتے ہیں۔"

رادھا: "اب تو مجھے بھی خیال ہو گیا ہے۔"

منورما: "ذرا ان کے پاس جا کر بلند آواز سے کہہ دے۔"

رادھا، منصور کے قریب گئی اور ذرا بلند آواز سے کہا۔ "بیٹھ جائیے نا!"

منصور چونکا، سنبھلا۔ دنیائے حسن سے نکلا اور رادھا کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا تم مجھ سے کچھ کہہ رہی ہو؟"

رادھا کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ منورما بھی مسکرانے لگی۔ اُس نے کہا۔ "رادھا! یہ تو بہت ہی اُونچا سنتے ہیں۔"

رادھا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "انہیں یہ مرض بھی لاحق ہو گیا ہے۔"

منورما: "کیسے جانا تو نے؟"

رادھا: "محل میں آنے سے پہلے یہ اچھی طرح سے سنتے تھے۔ آہستگی سے بولتے تھے اور

www.pdfbooksfree.pk

آہستگی کی بات بھی سن لیتے تھے۔''

منصور نے رادھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا میری بابت کچھ کہہ رہی ہو تم؟''

رادھا: ''اور کس کی بابت؟''

منصور: ''میں اُونچا نہیں سنتا ہوں۔''

رادھا: ''لیجئے! یہ اُونچا نہیں سنتے۔ اور میں جو دیر سے کھڑی چلا رہی ہوں۔''

منصور: ''کیا کہا تھا تم نے؟''

رادھا پھر ہنس پڑی۔ منورما بھی مسکرانے لگی۔ منورما نے کہا۔ ''بتا دو رادھا!''

رادھا: ''کیوں بتاؤں؟ اگر یہ اُونچا نہیں سنتے تو خود ہی بتائیں کہ میں نے کیا کہا تھا؟''

منورما: ''یہ شاید کسی خیال میں غرق تھے اور انہوں نے سنا ہی نہیں۔''

منصور: ''ہاں..... میں نے نہیں سنا۔''

رادھا: ''اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ اُونچا سنتے ہیں۔''

منصور: ''نہیں..... تمہارا خیال غلط ہے۔''

رادھا: ''اچھا! تو آپ تشریف رکھیں۔''

منصور، منورما کی طرف دیکھنے لگا۔ شاید اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بیٹھ جائے اور حسن و جمال کی دیوی اس سے برہم ہو جائے۔ رادھا نے پھر کہا۔ ''کیا اب بھی نہیں سنا آپ نے؟''

منصور: ''سن لیا ہے۔''

رادھا: ''پھر کیا تکلیف ہے آپ کو بیٹھنے میں؟''

منصور: ''شاید کسی کو میرا بیٹھنا ناگوار گزرے۔'' یہ کہتے ہوئے منصور نے منورما کی طرف دیکھا۔

رادھا نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''جن کے ناخوش ہو جانے کا آپ کو اندیشہ ہے، انہوں نے ہی تو آپ کو بیٹھنے کے لئے کہا ہے۔''

منصور: ''معاف کرنا! میں نے سنا نہیں۔''

رادھا: ''اسی لئے تو کہتی ہوں کہ آپ کچھ اُونچا سنتے ہیں۔''

منصور: ''مگر میں اطمینان دلاتا ہوں کہ میں بالکل بھی اُونچا نہیں سنتا۔''

رادھا: ''اچھا..... تو آپ بیٹھ جائیے۔''

منصور پھر منورما کی طرف دیکھنے لگا۔ رادھا نے منورما سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''بس جی! یہ بیٹھنے ہی کے نہیں۔''

منورما: ''ان سے کہہ دو! کہ یہ بیٹھ جائیں۔''

رادھا: ''اب اور کس طرح سے کہوں؟ کئی دفعہ تو کہہ چکی ہوں۔ اگر آپ حکم دیں تو زبردستی بٹھا دوں؟''

منورما نے مسکرا کر کہا۔ ''تو انہیں زبردستی بٹھا سکتی ہے؟''

رادھا نے اکڑ کر سینہ تانتے ہوئے کہا۔ ''ضرور! کیوں نہیں؟''

منورما: ''نہیں نہیں..... یہ خود ہی بیٹھ جائیں گے۔''

منصور سب باتیں سن رہا تھا۔ مگر ابھی تک کھڑا تھا۔ رادھا نے پھر اُس سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''دیکھئے! اب حکم ہو گیا ہے۔ یا تو آپ بیٹھ جائیں۔ ورنہ مجھے زبردستی بٹھانا پڑے گا۔''

منصور: ''نہیں..... میں خود ہی بیٹھ جاؤں گا۔''

اب وہ بیٹھ گیا۔ مگر ابھی اچھی طرح سے بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ سودھا گھبرائی ہوئی آئی۔ اُس نے منورما سے کہا۔ ''حضور! غضب ہو گیا..... آپ کی ماتا جی آ رہی ہیں۔''

منورما یہ سن کر سہم گئی۔ اُس کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا۔ اُس نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔ ''کہاں تک آ گئی ہیں وہ؟''

سودھا: ''برآمدے میں داخل ہو گئی ہیں۔''

منورما نے اُٹھتے ہوئے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ ''ہائے ایشور! اب کیا ہو گا؟ سری کرشن بھگوان! میری آبرو بچائیو۔''

منصور بھی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ رادھا نے جلدی سے اُس کا ہاتھ پکڑا اور اُسے کھینچتے ہوئے دوسرے دروازے کے پاس لے گئی اور پردہ کے پیچھے کھڑا کر کے منورما کے پاس آ کھڑی ہوئی اور آہستہ سے بولی۔ ''طبیعت کو قابو میں رکھئے۔ چہرہ سے خوف و ہراس کی علامات مٹا دیجئے۔''

منورما حتی الامکان سنبھل کر اور اپنے معصوم و دلکش چہرہ سے بے اطمینان اور تردّد کے آثار مٹا کر کھڑی ہو گئی اور دروازہ کی جانب دیکھنے لگی۔

☆.....☆.....☆

اگرچہ منورما نے اپنے چہرے سے خوف کے آثار گم کر کے اپنی صورت کو ہشاش بشاش بنا لیا تھا۔ تاہم اب بھی بنظر غائر سے دیکھنے والوں کو اُس کی صورت سے پریشانی ٹپکتی معلوم ہو رہی تھی۔ اُس کا نازک دل اُس کے گداز سینے میں دھڑک رہا تھا۔ اور اب وہ دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ چند ہی لمحے گزرنے کے بعد ایک ادھیڑ عمر کی عورت پیازی رنگ کی ساڑھی پہنے، زیورات سے لدی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ منورما نے آگے بڑھ کر ہاتھ جوڑے اور پھر جھک کر اُس کے قدم چھوئے اور دلکش لہجہ میں کہا۔ ''ماتا جی پرنام!''

یہ آنے والی سیلادت کی بیوی اور منورما کی والدہ چندر کلا تھی۔ اُس نے منورما کے حسین چہرہ پر ہاتھ پھیر کر محبت بھرے لہجہ میں کہا۔ ''جیتی رہو میری بیٹی! شاید تم اس بے وقت اور اچانک میرے آ جانے سے کچھ متعجب ضرور ہوئی ہو گی۔''

منورما نے سروقد کھڑی ہو کر کہا۔ ''جی ہاں ماتا جی! بلکہ میں تو گھبرا گئی تھی۔''

www.pdfbooksfree.pk

چندر کلا: ''میں یہ بتانے آئی ہوں کہ دربار کل ہوگا۔''

منورما: ''تو کیا پتا جی مجھے وہاں جانے کی اجازت دیدیں گے؟''

چندر کلا: ''نہیں۔''

منورما: ''کیوں؟''

چندر کلا: ''اس لئے کہ کل دربار میں مسلمانوں کا معاملہ پیش ہوگا۔ اس لئے اس میں کسی لڑکی کو جانے کی اجازت نہ دی جائے گی۔''

منورما: ''تو کیا مسلمانوں کے لئے کچھ طے ہو چکا ہے؟''

چندر کلا: ''ابھی کچھ طے نہیں ہوا۔ کل دربار میں طے ہوگا۔''

منورما: ''ماتا جی! کیا اچھا ہوتا کہ مہاراج صلح پر قائم رہتے۔''

چندر کلا: ''تو یا میں ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ یہ راج پاٹ کی باتیں ہیں۔ راجہ اور مہاراجہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اچھا! اب تو آرام کر۔''

یہ کہتے ہی وہ واپس لوٹ گئی۔ اُس کے چلے جانے سے منورما کی جان میں جان آئی۔ اُس کے چہرے کا اُڑا ہوا رنگ واپس عود کر آیا۔ اُس نے رادھا کی طرف کچھ اشارہ کیا۔ وہ بڑھ کر منصور کو پردہ کے پیچھے سے کھینچ لائی اور اُس سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''اب آپ اطمینان سے بیٹھیے۔'' اس عرصہ میں منورما اپنی جگہ پر بیٹھ چکی تھی۔ منصور بھی بیٹھ گیا۔

منورما نے رادھا سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''انہوں نے پنڈت جی مہاراج کی شان میں گستاخی کیوں کی؟''

رادھا نے منصور سے کہا۔ ''سن لیا آپ نے؟ اب جواب دیجئے!''

منورما معصوم نگاہوں سے منصور کو دیکھ رہی تھی۔ منصور نے رادھا سے کہا۔ ''کیا یہ مجھ سے کچھ ناخوش ہیں؟''

رادھا: ''واہ واہ...... آپ نے تو سوال جڑ دیا۔ اجی! پہلے جواب تو دیجئے۔''

منصور: ''میں جواب دُوں؟ حالانکہ وہ دریافت تم نے کر رہی ہیں۔''

رادھا: ''مجھ سے؟ کیا میں نے گستاخی کی تھی؟''

منصور: ''نہیں...... بلکہ یہ سمجھتی ہیں کہ وجہ تم کو معلوم ہے۔''

رادھا: ''مجھے معلوم ہے۔ گویا میں ہر وقت تمہارے ہی پاس تو رہتی ہوں۔''

منصور: ''ان کا یہی خیال ہوگا۔''

رادھا: ''خیال ہوگا...... خوب بات کہی ہے آپ نے۔''

منصور: ''تم ناخوش کیوں ہوتی ہو؟ دریافت کرلو!''

رادھا: ''کیوں دریافت کرلوں میں کہ انہیں معلوم نہیں کہ میں تو ہر وقت ان کے پاس ہی رہتی ہوں۔ یا......''

منصور: ''تب تو تم کو یہ بات ضرور معلوم ہوگی کہ یہ مجھ سے کیوں ناخوش ہیں؟''

رادھا: ''آپ نے پوجیہ پاد برہمن دیوتا کی توہین کی ہے۔''

منصور: ''مگر میں اطمینان دلاتا ہوں کہ میں نے بالکل بھی توہین نہیں کی ہے۔''

منورما: ''پھر پنڈت جی ناخوش کیوں ہو گئے؟''

منصور نے منورما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھ سے یہ غلطی ہوگئی تھی کہ میں نے پنڈت جی کو انسان سمجھ کر ہاتھ لگا دیا تھا۔ وہ اس پر خفا ہوئے اور مجھے برا بھلا کہنے لگے۔ اس پر مجھ کو بھی غصہ آ گیا اور میں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دے دیا۔''

اب منورما بلا توسط کے منصور سے باتیں کرنے لگی۔ اُس نے کہا۔ ''لیکن آپ یہ نہیں جانتے تھے کہ جب برہمن دیوتا نہا لیتے ہیں تو پھر پوجا کئے اور کھانا کھائے بغیر اگر کوئی انہیں ہاتھ لگا دے تو پھر بھرشٹ (نجس) ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو پھر اشنان کرنا پڑتا ہے۔''

منصور: ''یہی غلطی ہوگئی مجھ سے۔''

منورما: ''اور آپ کی اسی غلطی نے سارے برہمنوں کو نہ صرف آپ سے بلکہ تمام مسلمانوں سے ناخوش کر دیا ہے۔''

منصور: ''میں تو اسے معمولی بات سمجھتا تھا۔''

منورما: ''یہ تمہاری بھول ہے۔ یہ نہایت اہم بات ہوگئی ہے۔''

منصور: ''اگر آپ نے مجھے جوابدہی کے لئے طلب کیا ہے تو......''

منورما نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آپ کو جوابدہی کے لئے نہیں، بلکہ ہوشیار کرنے کے لئے بلایا ہے۔''

منصور: ''تب تو میں آپ کا بے حد مشکور ہوں۔ کیا میرے خلاف کوئی سازش کی جا رہی ہے؟''

منورما: ''ہاں...... تمام برہمن سخت غضب ناک ہو رہے ہیں۔ اور انہوں نے جاہل راجپوتوں کو بھی بھڑکا دیا ہے۔''

منصور: ''اور وہ ہمارے قتل پر تُل گئے ہیں۔''

منورما: ''یہی بات ہے۔ اُنہوں نے مشورہ کر لیا ہے کہ وہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اچانک حملہ کر کے قتل کر ڈالیں۔''

منصور: ''مگر وہ نہیں جانتے کہ ہم مسلمان ہیں۔''

منورما: ''وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم مسلمان ہو۔''

منصور: ''لیکن وہ واقف نہیں ہیں کہ مسلمانوں کو قتل کر ڈالنا آسان نہیں ہے۔'' منصور کو اس وقت جوش آ گیا تھا اور اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

منورما اُس کی طرف دیکھ رہی تھی، میٹھی میٹھی معصوم نظروں سے۔ اُس نے کہا۔ ''آپ کو کس قدر جلد جوش اور غصہ آ جاتا ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk

منصور: ''کیا یہ غصہ کی بات نہیں ہے کہ ایک ذرا سی بات پر، جو ناواقفیت کی وجہ سے ہوگئی، مسلمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے؟''

منورما: ''آپ نہیں جانتے کہ تمام ہندو، مسلمانوں سے اس وجہ سے ناراض ہیں کہ اُنہوں نے پاک چشمہ کو ناپاک کر کے دیوتاؤں کو خفا کر دیا ہے۔''

منصور: ''لیکن تمہارے دیوتاؤں کو تو خوش ہم سے ہونا چاہئے تھا۔''

منورما: ''خیر! میں ان باتوں میں نہیں پڑتی۔ تم پردیسی ہو۔ غریب الوطن ہو۔ تم نے میری جان بچائی ہے۔ میں تمہاری مشکور ہوں۔ عمر بھر ممنون رہوں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔''

منصور: ''میں آپ کی اس ہمدردی کا اپنی اور تمام مسلمانوں کی طرف سے شکر گزار ہوں۔''

منورما: ''سنئے! ایک تو آپ احتیاط کریں کہ جب تک ہندوؤں کا غصہ دھیما نہ پڑ جائے، باہر نہ نکلیں۔ دوسرے اپنے مسکن پر بھی ہوشیاری سے رہیں۔''

منصور: ''بہتر ہے۔''

منورما: ''میں نے کوشش کی تھی کہ پنڈت جی کو خوش کر کے اُن کا غصہ تمہاری طرف سے ٹھنڈا کر دوں۔ مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ وہ نہیں مانے۔ اگر تم اُن سے معافی مانگ لو تو شاید.....''

منصور کو پھر جوش آ گیا۔ اُس نے کہا۔ ''گویا میں اُن کی خوشامد کروں؟''

منورما: ''کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اگر اس طرح سے معاملہ دب جائے تو اچھا ہے۔''

منصور: ''مگر زندگی کے خوف سے میں یا کوئی مسلمان بھی بے جا خوشامد نہیں کر سکتا۔''

منورما: ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برہمنوں نے مہاراج کو بھی بھڑکا دیا ہے۔ اور اسی لئے اُنہوں نے کل دربار منعقد کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔''

منصور: ''اگر جے پال وعدہ خلافی کریں گے تو اُن کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔''

منورما: ''مگر آپ کے لئے تو خطرہ ہے۔''

منصور: ''جے پال سلطان سبکتگین کو اچھی طرح سے جانتا ہے۔ اگر اُس نے کسی ایک مسلمان کا بال بھی بیکا کیا تو سلطان آندھی کی طرح آئے گا اور طوفان کی طرح لاہور اور اس کے مضافات پر چھا جائے گا۔ آپ کو شاید یہ معلوم نہیں ہے کہ جے پال نے بڑی عاجزی سے خوشامد کر کے سلطان کو مصالحت پر آمادہ کیا تھا۔ اب وہ اگر اپنے اقرار سے پھر گیا تو سلطان اُس کی حکومت کا خاتمہ کر دے گا اور جے پال کو سر چھپانے کے لئے جگہ نہ ملے گی۔''

منورما: ''مگر سلطان کے آنے سے پہلے وہ آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی زندگیاں تو ختم کر سکتا ہے۔''

منصور: ''بے شک..... مگر ہم کو اس کی مطلق بھی پرواہ نہیں ہے۔''

منورما: ''مگر آپ مجھ پر مہربانی کر کے اس پنڈت کو راضی کر لیں۔''

منصور نے منورما کی طرف دیکھا۔ وہ التجایانہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُس نے کہا۔ ''گویا آپ مجھے اس ذلت پر مجبور کرنا چاہتی ہیں۔''

منورما: ''ہاں..... اگر آپ اسے ذلت سمجھتے ہیں تو میری وجہ سے برداشت کر لیجئے۔''

منصور: ''اگر میں یہ برداشت کر بھی لوں تو اور مسلمان کیوں برداشت کرنے لگے؟''

منورما: ''آپ اگر چاہیں گے تو وہ بھی تیار ہو جائیں گے۔''

منصور کچھ سوچنے لگا۔ منورما نے کہا۔ ''سوچئے نہیں۔ اقرار کیجئے۔''

منصور: ''منورما! میں اقرار کرتا ہوں۔ مگر کل دربار ہے۔ دربار ہو لینے دیجئے! اس کے بعد میں پنڈت جی کو راضی کر لوں گا۔''

منورما: ''بہت اچھا..... میں آپ کی مشکور ہوں۔''

منصور: ''آپ نہیں، میں مشکور ہوں کہ آپ نے تکلیف گوارہ کر کے مجھے بلایا اور اچھا مشورہ دیا۔''

منورما: ''میں کوشش کروں گی کہ ہندوؤں میں جو غیظ و غضب کا طوفان اُمڈ آیا ہے، وہ دُور ہو جائے۔ رات چونکہ اب زیادہ ہوگئی ہے۔ کہیں ماتا جی پھر نہ چلی آئیں، اس لئے.....''

''اس لئے مجھے رُخصت ہو جانا چاہئے۔'' منصور نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

منورما: ''میں کہہ تو نہیں سکتی۔ مگر واقعہ ایسا ہی ہے۔''

منصور: ''اچھا..... میں رُخصت ہوتا ہوں۔ اور ایک مرتبہ پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

منورما: ''مگر اس بات کا ضرور خیال رکھئے گا۔''

منصور: ''ضرور رکھوں گا۔''

پھر منصور اُٹھا۔ اُس نے آخری مرتبہ منورما کے چاند سے زیادہ روشن چہرے پر نظر ڈالی اور چلا۔ رادھا اُس کے ساتھ روانہ ہوئی۔ دونوں کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئے اور کچھ دُور چل کر ایک کمرے میں گھسے، اور ایک دوسرے دروازے سے نکلے۔ اس طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ اندھیرے میں چل کر محل کی دیوار کے پاس آئے۔ رادھا نے کچھ اشارہ کیا، شگاف نمودار ہوگیا۔ منصور باہر نکل آیا اور اندھیرے میں ہی ایک طرف کو روانہ ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

جے پال جب سے سلطان سے زرِ تاوان کا عہد و اقرار کر کے آیا تھا، کچھ چپ چپ سا رہتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ زرِ تاوان ادا کرے یا بدعہد بن جائے؟ اُس نے سلطان کے پاس جن راجپوتوں کو بطور یرغمال چھوڑا تھا، وہ معمولی لوگ تھے۔ اُن کی اُسے مطلقاً پرواہ نہ تھی۔ چند روز کے غور و خوض کے بعد اُس نے دوبارہ دربار منعقد کرنے کا اعلان کر دیا۔ اراکین سلطنت کو اطلاع دے دی گئی۔ دربار کی عمارت آراستہ و پیراستہ کی جانے لگی۔ جب وہ دن آ گیا جس روز دربار کرنا تھا تو درباری آئے اور دربار کے وسیع کمرہ میں داخل ہونے لگے۔ وہ کمرہ جس میں جے پال

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

دربار کیا کرتا تھا، کچھ عجیب تھا۔ نہ تو وہ تہ خانہ تھا اور نہ سطح زمین کے ہموار تھا۔ بلکہ زمین کھود کر دربار کے کمرے کی سطح زمین سے آٹھ فٹ نیچی رکھی گئی تھی۔ اُس میں آنے جانے کے لئے سیڑھیاں تھیں۔ کمرے کی چھت اکیس فٹ اُونچی تھی۔ گویا سطح زمین سے تیرہ فٹ بلند تھی۔ کمرہ ساٹھ فٹ چوڑا اور اسّی فٹ لمبا تھا۔ اس کی چھت قائم کرنے کے لئے محراب دار ڈاٹیں لگی ہوئی تھیں۔ کمرے کے تین طرف بالا خانے بنے ہوئے تھے اور ایک طرف چبوترہ تھا جو سات فٹ اُونچا تھا۔ یہ سنگھاسن کہلاتا تھا۔

اُس چبوترہ پر سنگ مرمر کا کٹہرا دو فٹ اُونچا لگا ہوا تھا۔ اور اس سے ملا ہوا چاندی کا تخت تھا۔ اُس تخت پر راجہ جے پال بیٹھا کرتا تھا۔ داہنی اور بائیں سمتوں میں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور اُن پر اراکین سلطنت بیٹھا کرتے تھے۔ اُس زمانے میں یہ دستور تھا کہ داہنی طرف برہمن بیٹھتے تھے اور بائیں جانب راجپوت۔ برہمنوں کا اُس زمانہ میں بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا۔ اور تمام ہندو اُن سے ڈرتے تھے اور احترام کرتے تھے۔

تمام اراکین سلطنت آ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تھے۔ اب صرف جے پال کے آنے کی دیر تھی۔ کچھ سوار تو درباری کمرے کے باہر کھڑے تھے۔ اور کچھ سپاہی اندر ننگی تلواریں لئے، درباریوں کے پیچھے پرے باندھے کھڑے تھے۔ کچھ لوگ تخت کے تین طرف سر جھکائے برچھے ہاتھوں میں لئے خاموش کھڑے تھے۔

دفعتہً ناقوس بجنے لگے۔ تمام درباری نہایت ادب سے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں جے پال، چبوترے کی پشت کی طرف سے برآمد ہوا اور بڑھ کر تخت پر بیٹھ گیا۔ چند حسین لڑکیوں نے اُس کے پیچھے کھڑے ہو کر مگس رانی شروع کر دی۔ اب تمام درباری ہاتھ جوڑ کر سجدہ میں گر گئے۔ اور اس طرح سے سلام کر کے اُٹھے اور پھر اپنی اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔ جب تمام کمرے میں سکوتِ مرگ طاری ہو گیا، تب جے پال نے کہا۔

''محترم برہمنو اور شجاع راجپوتو! یہ دربار اس لئے منعقد کیا گیا ہے تاکہ تم کو لمغان کے واقعات سنا کر مشورہ کیا جائے کہ ہم جن کی عزت آج سارے بھارت ورش (ہندوستان) میں ہے، کیا کرنا چاہیے؟''

واقعہ یہ ہے کہ جب ہم اُس میدان میں پہنچے تو سلطان سبکتگین بھی آ گیا۔ اُس کا لشکر ہم سے چوتھائی بھی نہ تھا۔ جنگ سے پہلے میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ فتح ہماری ہی ہو گی۔ مگر پاپی مسلمانوں نے پاک چشمہ کو ناپاک کر دیا اور دیوتاؤں کا غضب ہم پر نازل ہو گیا۔ اس زور و شور سے آندھی آئی اور اس کثرت سے برف پڑی کہ ہمارے تیرہ ہزار بہادر سردی سے اکڑ اکڑ کر مر گئے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر یہی کیفیت رہی تو کہیں تمام لشکر ہلاک نہ ہو جائے۔ اس لئے میں نے ہوشیاری سے کام لے کر سلطان سے صلح کر لی اور واپس چلا آیا۔ مگر میرے دل و دماغ میں

1 از تاریخ ہند

مسلمانوں اور سلطان کی طرف سے سخت غم و غصہ ہے۔ میں غزنی فتح کرنا چاہتا ہوں۔ اور پھر اس پر حملہ کرنے کے لئے مستعد ہوں۔ چاہتا یہ ہوں کہ آپ مشورہ دیں کہ کیا تدبیر کی جائے، جس سے منحوس مسلمانوں اور اُن کی خطرناک حکومت کا خاتمہ ہو جائے؟''

دربار میں وہ راجپوت سردار بھی تھے جو لمغان کے میدان میں جے پال کے ساتھ گئے تھے۔ اور جن کے سامنے زرِ تاوان کی ادائیگی پر راجہ صلح کر کے آیا تھا۔ اُنہیں سخت حیرت ہوئی کہ جے پال نے زرِ تاوان کی ادائیگی کے سوال ہی کو اُڑا دیا تھا۔ نہ اُس نے یہ بیان کیا تھا کہ اُس پر اور اُس کے لشکر پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی تھی اور وہ بڑی عاجزی، تیز بڑے عہد و اقرار کرنے کے بعد صلح کر کے آیا تھا۔ اُنہوں نے حیرت بھری نگاہوں سے راجہ کی طرف دیکھا۔

بھیم سے نہ رہا گیا۔ اُس نے کہا۔ ''کیا مہاراج عہد شکنی کرنا چاہتے ہیں؟''

جے پال نے خشمگیں نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ سیلادت نے بھیم سے دریافت کیا۔

''عہد شکنی کیسی؟''

بھیم: ''سلطان سبکتگین سے زرِ تاوان ادا کرنے کے اقرار پر مصالحت ہوئی تھی۔ مہاراج نے قسم کھا کر سلطان کو اطمینان دلایا تھا اور چند راجپوتوں کو بطورِ ضمانت سلطان کے حوالے کیا تھا۔ جو ابھی تک وہیں ہیں۔''

اب سب نے حیرت بھری نظروں سے جے پال کی طرف دیکھا۔ جے پال نے جلدی سے کہا۔ ''میں بیان کر چکا ہوں کہ دیوتاؤں کے ناخوش ہو جانے کی وجہ سے میں نے سلطان سے صلح کی تھی۔''

سیلادت: ''اور مہاراج نے زرِ تاوان ادا کرنے کا اقرار کیا تھا؟''

جے پال: ''اس کے بغیر چارہ ہی کیا تھا؟''

بھیم: ''میرے خیال میں ہم کو بد عہدی نہیں کرنی چاہیے۔''

سیلادت: ''مسلمانوں سے عہد کر کے توڑنا کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ ہاں! اگر کسی ہندو سے عہد کیا جاتا اور اُسے توڑا جاتا تو وہ پاپ کی بات تھی۔''

بھیم: ''مگر پرانوں، شاستروں اور ویدوں (یہ سب ہندوؤں کی مذہبی کتابیں ہیں) میں یہ لکھا ہے کہ جس سے جو عہد کرو، اُسے پورا کرو۔''

سیلادت نے جوش میں آ کر کہا۔ ''تم راجپوت ہو۔ بجز لڑنے مرنے کے اور کچھ نہیں جانتے۔ تم نے کتابیں نہیں پڑھی ہیں۔ تم کیا جانو کہ ان کتابوں میں کیا لکھا ہے؟''

بھیم: ''میں نے کتھاؤں (وعظ) میں سنا ہے۔ پنڈتوں ہی کی زبان سے۔''

سیلادت: ''اور پنڈت اب وہی کہتے ہیں، جو میں کہہ رہا ہوں۔''

اب سیلادت نے پنڈتوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کیوں صاحبو! کیا میں نے سچ کہا ہے؟''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

ایک بڈھے برہمن نے کھڑے ہو کر کہا۔ ویدوں[1] کا حوالہ دینا بڑی غلطی ہے۔ ان کو جاننے اور سمجھنے والے اس دیش (ملک) میں ہیں ہی کہاں؟ ہم برہمن بھی نہیں جانتے کہ ان میں کیا لکھا ہے؟ ہاں! شاستروں اور پرانوں میں جو کچھ لکھا ہے، ان کا مطلب وہی ہے، جو کہ منتری جی (وزیر اعظم) نے کہا ہے۔"

سیلادت نے بھیم سے مخاطب ہو کر کہا۔ "سن لیا تم نے؟"

ایک اور راجپوت سردار نے کھڑے ہو کر کہا۔ "مہاراج! اقرار ہر حالت میں اقرار ہے۔ اور اقرار کو پورا کرنا ہر انسان کا انسانی اور مذہبی فرض ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سلطان سبکتگین سے زرِ تاوان ادا کرنے پر صلح کی گئی ہے۔ اور اس عہد کو پورا کرنا مہاراج کا فرضِ اولین ہے۔"

ایک اور برہمن کھڑا ہوا۔ اُس نے جوش میں آ کر کہا۔ "پاپی مسلمانوں سے کوئی اقرار کر کے اُسے پورا کرنا ہندو دھرم نہیں ہے۔ ہندو دھرم ہے ہندوؤں کی رکھشا (پرورش یا حفاظت) کرنا۔ مہاراج اپنے دیش کی دولت اپنے دشمنوں کو نہیں دے سکتے۔"

بھیم: "لیکن کیا سلطان زرِ تاوان لینے کے لئے پھر حملہ نہ کرے گا؟"

سیلادت: "آنے دو۔ اس مرتبہ اُس کا اور اُس کے تمام لشکر کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔"

بھیم: "منتری جی! آپ یا پنڈت لمغان کے میدان میں نہیں گئے تھے۔ اس لئے آپ نہیں سمجھ سکتے کہ ہم کو کون کون سے مصائب سے سابقہ پڑا تھا۔"

سیلادت: "ویروں کا کام ہی مصائب برداشت کرنا ہے۔"

بھیم: "آپ بھی انسان ہیں۔ بالکل ہماری ہی طرح۔ لہٰذا آپ بھی ویر بنئے اور میدانِ جنگ میں چل کر لڑیئے۔"

سیلادت: "ہمارا کام لڑنے کا نہیں ہے۔ ہم مذہبی لوگ ہیں۔ اور مذہب کا پرچار کرنا ہی ہمارا دھرم ہے۔ ہم کرتے ہیں۔ تم چھتری ہو۔ اور چھتریوں کا فرض لڑنا ہے۔ لڑو! ویشوں کو تجارت اور زراعت کرنا چاہئے۔ وہ کرتے ہیں۔ شودروں (اچھوتوں) کے ذمے ان تینوں طبقوں کی خدمت یا غلامی ہے۔ وہ کرتے ہیں۔ ہمارے بزرگ بے وقوف نہیں تھے۔ انہوں نے بلاوجہ چار ذاتیں (ذاتیں) قائم نہیں کیں۔

بھیم: "مذہبی لوگوں کا یہ دھرم بھی نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو ادھرم (لامذہب) بننے کا اپدیش (نصیحت) دیں۔"

سیلادت: "یہ تم پنڈتوں پر الزام لگا رہے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔"

بھیم: "یہی کہ آپ ہمیں دیوتاؤں کے خوف سے ڈرانے لگیں گے۔"

سیلادت: "ڈرانے نہیں لگیں گے، بلکہ حقیقت میں دیوتا تم سے ناخوش ہو کر تم پر اپنے غیظ و

---

[1] اب تک بھی تمام ویدوں کا ترجمہ اور اس کی شرح نہیں لکھی گئی ہے۔ کیوں نہیں لکھی گئی؟ اسے ہندو ہی جانتے ہوں گے۔ (صادق حسین صدیقی)

غضب کی بجلی گرا دیں گے۔ برہمنوں کی توہین کرنا پرماتما کی توہین کرنا ہے۔ ہم برہما جی کے مکھ (منہ) سے پیدا ہوئے ہیں۔"

بھیم: "اور ہم باہُو (بازو) سے۔ ہم بھی تم سے کم نہیں ہیں۔"

جے پال: "اس آپس کی بحث کو چھوڑو۔ مطلب یہ نکلا کہ پنڈت صاحبان اس بات کو اچھا نہیں سمجھتے کہ سبکتگین کو زرِ تاوان دیا جائے۔"

سیلادت: "یہی تو بات ہے اور اس میں بڑی بزدلی پنہاں ہے۔ بتایئے! جس وقت اقرار کیا گیا تھا، اُس وقت آپ چونکہ مجبور تھے، اس لئے اقرار کر لیا۔ اب مجبوری دُور ہو گئی ہے۔ لہٰذا مجبوری کے وقت کے اقرار کی پابندی ضروری نہیں ہے۔"

جے پال: "میں نے یہ بات اُس وقت سمجھ لی تھی، جب کہ اقرار کیا تھا۔ اس لئے مجبوری کے وقت کیا ہوا اقرار پورا کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔"

سیلادت: "ٹھیک ہے۔"

بھیم: "مگر حضور! اس کے انجام پر غور کر لیجیے۔"

جے پال: "خوب غور کر لیا ہے۔ اب میں خود جنگ کے لئے تیار ہوں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم ویر راجپوت ہوتے ہوئے مجھے اقرار پورا کرنے کا مشورہ دے کر میرے خاندانی وقار کو کلنک کا ٹیکہ لگوانا چاہتے ہو۔ اس سمے (وقت) سارے بھارت میں میرے خاندان کی اور میری عزت ہے، شہرت ہے۔ تم اسے مٹانے کے درپے ہو۔"

بھیم: "ہم بات پر تلوار مارنے والے بہادر راجپوت ہیں۔ لیکن بد عہدی کو بڑا پاپ سمجھتے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ بچن (عہد) کا توڑنا ایسا پاپ ہے جس کا پراشچت (نعم البدل) ہی نہیں ہو سکتا۔ بچن (عہد) توڑنے والا بپتا (مصیبت) میں پھنس جاتا ہے۔ اور مصیبت بھی اس انداز سے آتی ہے کہ گردن توڑ کر رکھ دیتی ہے۔"

جے پال: "یہ فضول خیالات ہیں پرانے لوگوں کے۔ اب ترقی کا زمانہ ہے۔ تمام پہلی باتیں بھول جاؤ!"

بھیم: "جیسے آپ کی اچھا (مرضی) ہو۔"

جے پال: "اچھا! اگر سبکتگین نے چڑھائی کی تو پھر کیا ہو گا؟"

سیلادت: "اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ دلی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کے راجاؤں کو چٹھیاں لکھ کر ان سے لشکر اور روپیہ طلب کرنا چاہئے۔ اُمید واثق ہے کہ وہ سب امداد دیں گے۔"

جے پال: "نہایت مناسب مشورہ ہے۔ اچھا! آپ چٹھیاں لکھوائیں۔"

سیلادت نے ایک برہمن کو اشارہ کیا۔ اُس نے چٹھیاں لکھ کر پیش کیں۔ جے پال نے دیکھ کر منظوری دی۔ سیلادت نے اُسے سربمہر کر کے اُسی وقت اُنہیں قاصدوں کے حوالے کر کے اُنہیں روانہ کر دیا۔

www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

اب جے پال نے کہا: ”اچھا! ان مسلمانوں کا کیا ہو، جو زرِ تاوان لینے کے لئے آئے ہیں؟“
سیلادت: ”اُن سب کو قید کر دیجئے۔“
بھیم: ”لیکن یاد رکھئے! سلطان کے پاس بھی ہمارے بھائی ہیں۔ جو کہ بطور یرغمال چھوڑے گئے ہیں۔ وہ بھی اُن کو قید کر دے گا۔“
جے پال: ”سلطان کو لکھ دیا جائے کہ اگر وہ ہمارے آدمیوں کو آزاد کر دے تو ہم بھی اُس کے آدمی چھوڑ دیں گے۔“
بھیم: ”اگر اُس نے ہمارے آدمیوں کو رہا کر دیا تو؟“
جے پال: ”میں اُسی وقت ان تمام مسلمانوں کو قتل کرا دوں گا۔ اچھا! اب تم ان مسلمانوں کو دربار میں بلواؤ!“
سیلادت نے فوراً چند برہمنوں کو اشارہ کیا۔ وہ روانہ ہوئے۔ اور جے پال اور تمام درباری اُن کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

☆......☆......☆

سیلادت نے مسلمانوں کو بلانے کے لئے برہمنوں کو اس لئے بھیجا تھا تاکہ اُنہیں دربار کے واقعات اور حالات کا کچھ علم نہ ہو۔ اُس نے راجپوتوں کو اسی لئے نہیں بھیجا تھا کہ کہیں وہ اُنہیں آگاہ نہ کر دیں۔ جب برہمنوں کو وہاں سے گئے دیر ہو گئی، تب جے پال نے کہا۔ ”منتری جی! اب ایک فرمان سبکتگین کے نام بھی لکھو! اور اُس میں لکھ دو کہ اگر اُس نے ہمارے آدمیوں کو فوراً نہ چھوڑا تو پھر اس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے تیار ہو جائے۔“
سیلادت: ”بہت اچھا مہاراج!“
اُس نے اُسی برہمن کو اشارہ کیا، جس نے راجاؤں کے نام چٹھیاں لکھی تھیں۔ اُس نے فوراً چٹھی لکھ کر پیش کی۔ جے پال نے پڑھی اور پسند کی۔ اور واپس سیلادت کو دے دی۔ اُس نے اُسے سربمہر کر کے ایک راجپوت سردار کو قریب بلا کر کہا۔ ”تم پچاس سواروں کو ساتھ لے کر غزنی چلے جاؤ! اور یہ فرمان سلطان کو دے کر اُس کا جواب لے کر آؤ!“
سردار اظہارِ تعظیم کے لئے جھکا اور چلا گیا۔ اب جے پال نے کہا۔ ”اگر تمام مسلمان دربار میں آ گئے تو اُنہیں گرفتار کرنا دُشوار ہو جائے گا۔“
سیلادت: ”حضور! اطمینان رکھیں۔ میں ایسا بندوبست کئے دیتا ہوں کہ وہ آسانی سے گرفتار کر لئے جائیں گے۔“ یہ کہتے ہی وہ اُٹھا اور دربارِ عام سے باہر چلا گیا۔ اُس نے پہریداروں کو کچھ ہدایات کیں اور واپس چلا آیا۔ دربارِ عام کی عمارت ایک احاطہ کے اندر واقع تھی۔ احاطہ کی فصیل یا دیوار کافی اُونچی اور مضبوط تھی۔ اُس کے صدر دروازے پر بھی پہرہ تھا اور اندر بھی۔ تھوڑی ہی دیر میں دونوں برہمن منصور اور عز الدین کو ساتھ لے کر صدر دروازے پر پہنچے۔ غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ منصور، وزیرِ اعظم کے محل سے نکل کر عز الدین سے آ ملا تھا اور وہ دونوں بخیریت اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے تھے۔ منصور نے رات ہی کو عز الدین سے تمام واقعات بیان کر دیئے تھے۔ اس وقت دونوں برہمن صرف اُن دونوں ہی کو ساتھ لائے تھے۔ اور وہ بھی دھوکہ دے کر کہ جے پال نے زرِ تاوان نکلوا لیا ہے۔ اور تمہارے حوالے کرنے کے لئے تم کو بلایا ہے۔
جب منصور اور عز الدین صدر دروازے پر پہنچے تو پہرے والوں نے اُن سے کہا۔ ”دربار میں ہتھیار لے کر جانے کی ممانعت ہے۔“
عز الدین نے کہا۔ ”مگر ہم بغیر ہتھیاروں کے کہیں بھی نہیں جا سکتے۔“
پہریدار: ”اچھا...... تو آپ ٹھہریئے! مہاراج کو اس بات کی اطلاع کر دی جائے۔“

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

فوراً ایک سپاہی اندر گیا۔ عز الدین اور منصور گھوڑوں پر سوار کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر میں سپاہی واپس آیا۔ اُس نے کہا۔ ''چلئے! آپ کو معہ ہتھیاروں کے باریاب ہونے کی اجازت مل گئی ہے۔'' اب دونوں اپنے اپنے گھوڑوں سے اُترے۔ ایک راجپوت نے اُن کے گھوڑوں کی باگ پکڑ لی۔ یہ دونوں دروازے کو عبور کر کے جب دوسری طرف پہنچے تو اُنہوں نے صحن دیکھا۔ صحن میں پہنچتے ہی اُنہیں دربار کی عمارت نظر آئی۔ وہ اُس کی طرف بڑھنے لگے۔ راستہ پر دو رویہ راجپوت سپاہی، ننگی تلواریں لئے کھڑے تھے۔ یہ دونوں اُن کے درمیان میں سے گزر گئے۔

چونکہ اُن دونوں کو کسی قسم کی دغا بازی کا اندیشہ نہ تھا۔ اس لئے وہ نہایت بے فکری اور لاپرواہی سے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دُور چلے تھے کہ پیچھے سے پچاس راجپوت جھپٹ کر اُن کے اُوپر آ پڑے..... اور اتنے میں کہ وہ ہوشیار اور خبردار ہو کر معاملہ کی نوعیت سمجھیں، گرفتار ہو گئے۔

راجپوتوں نے اُنہیں ریشم کی مضبوط ڈوروں سے جکڑ لیا اور ایک طرف لے جا کر کھڑا کر دیا۔ اُن دونوں کو اُن کی اس حرکت پر بڑا غصہ آیا۔ مگر وہ بے دست و پا ہو گئے تھے۔ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے خاموش کھڑے ہو کر اپنی غفلت پر افسوس کرنے لگے۔ اب وہ دونوں برہمن جو اُنہیں لے کر آئے تھے، پھر واپس چلے گئے اور پانچ مسلم سپاہیوں کو بلا لائے۔ جس طرح سے منصور اور عز الدین کو دھوکہ سے گرفتار کیا گیا تھا، اُسی طرح سے اُنہیں بھی اسیر کر لیا گیا اور ریشمی ڈوروں سے جکڑ کر عز الدین اور منصور کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا۔

غرضیکہ پانچ پانچ سواروں کو لا کر دونوں برہمنوں نے تمام مسلمانوں کو گرفتار کرا دیا۔ غالباً قارئین بھولے نہ ہوں گے کہ عز الدین اور منصور کے ہمراہ پچاس مجاہدین آئے تھے۔ یہ سب ایسے شیر تھے کہ اگر اُنہیں موقع مل جاتا اور اُن کے ساتھ دھوکہ نہ کیا جاتا تو وہ دربار ہی میں خون کی ندیاں بہا دیتے۔ اور راجپوتوں کو عموماً اور جے پال کو خصوصاً مکاری اور دغا بازی کا مزہ معلوم ہو جاتا۔ لیکن سیلادت اور برہمنوں کی فریب کاری نے جنگ کی نوبت ہی نہ آنے دی۔ اور اُنہوں نے کمال چالاکی کے ساتھ اُنہیں قید کر لیا تھا۔ جب تمام مسلمان قید کر لئے گئے، تب سیلادت کو اطلاع دے دی گئی۔ اُس نے کھڑے ہو کر جے پال سے نہایت فخر کے انداز میں کہا۔ ''مہاراج! سانپوں کو قابو میں کر لیا گیا ہے۔''

جے پال: ''کیا مطلب ہے تمہارا اس سے؟''

سیلادت: ''تمام مسلمان گرفتار کر لئے گئے ہیں۔''

جے پال، سارے راجپوت اور تمام برہمن اس خوشخبری کو سن کر شاد کام ہوئے۔ بعض برہمن تو درباری آداب اور جے پال کا لحاظ بالائے طاق رکھ کر قہقہے مارتے ہوئے ہنس پڑے۔ جے پال نے کہا۔ ''سیلادت! تمہاری دانشمندی کا آج پورا پورا ثبوت مل گیا۔ واقعی تم جیسا وزیر اعظم دوسرے راجاؤں کو نصیب نہ ہوا ہو گا۔ تم نے کس قدر دانائی سے کام لیا ہے۔''

سیلادت اور اکڑ گیا۔ اُس نے کہا۔ ''میری تدبیر کبھی پٹ ہی نہیں سکتی۔ کیا عرض کروں۔ میں لمغان میں نہ گیا تھا۔ ورنہ تمام مسلمان اور اُن کے سلطان کو جکڑ کر حضور کے سامنے پیش کر دیتا۔''

جے پال: ''تم سچ کہہ رہے ہو۔ خیر! وہ موقع تو نکل گیا۔ لیکن اگر آئندہ سبکتگین نے حماقت کی اور اُس سے جنگ کی ٹھہر گئی تو تم کو بھی ساتھ لے جایا جائے گا۔''

سیلادت گھبرا گیا۔ وہ برہمن تھا۔ تن پروری اُس کا کام تھا۔ میدانِ کارزار کا نام سن کر کانوں پر ہاتھ رکھتا تھا۔ لہٰذا اُسے خوف ہوا کہ کہیں جے پال اُسے میدانِ کارزار میں واقعی نہ لے جائے۔ اس لئے اُس نے فوراً ہی کہا۔ ''مگر مہاراج کی غیر حاضری میں میدانِ جنگ سے زیادہ میری ضرورت یہاں ہو گی میرے ان داتا!''

جے پال: ''یہ بھی تم ٹھیک کہتے ہو۔ بے شک تم کو اسی جگہ رہنا چاہئے۔ اور تم اسی جگہ رہو گے۔'' اب سیلادت کے دم میں دم آیا۔ جے پال نے کہا۔ ''اچھا! تو اُن تمام مسلمانوں کو حاضر کیا جائے۔''

سیلادت: ''بہتر ہے۔''

اُس نے اُن برہمنوں کو، جنہوں نے عیاری سے مسلمانوں کو گرفتار کرایا تھا، کچھ اشارہ کیا۔ وہ چلے گئے اور تھوڑی دیر میں دوسو راجپوتوں کی زیر حراست مسلمانوں کو لے کر حاضر ہوئے۔''

جے پال نے مسلمانوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''تم زرِ تاوان لینے آئے تھے۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ ایک راجپوت اس ذلت کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔''

عز الدین نے کہا۔ ''مگر میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ راجہ تو بڑی چیز ہے، ایک معمولی انسان کو بھی خواہ وہ کسی مذہب، کسی طبقہ اور کسی فرقہ کا کیوں نہ ہو، عہد شکنی نہیں کرنی چاہئے۔''

جے پال: ''یہ عہد شکنی نہیں ہے۔''

عز الدین: ''پھر؟''

جے پال: ''اسے ہوشیاری کہتے ہیں۔''

عز الدین: ''آپ بھولتے ہیں۔ اسے فریب کاری اور عیاری بلکہ دغا بازی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔''

جے پال کو غصہ آ گیا۔ اُس نے غضب ناک ہو کر کہا۔ ''ذلیل مسلمان! تو ایسے گستاخانہ جملے.....؟''

عز الدین: ''سچی بات زیادہ کڑوی ہوتی ہے۔ کیا تم وہ وقت بھول گئے جب کہ تم سلطان کے سامنے گڑگڑائے تھے اور رحم و کرم کی گریہ کنان التجا کی تھی؟ اب تم شاید یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ سلطان کی گرفت سے باہر نکل آئے ہو۔ خدائے قدوس کی قسم! یہ جھوٹ ہے۔ اور تم بھول رہے ہو۔ تم اپنے دل کو فریب دے رہے ہو۔ کیونکہ جس وقت سلطان کو تمہاری بدعہدی اور ہمارے اسیر ہونے کا حال معلوم ہو گا تو وہ سیلاب کی طرح آئے گا اور تمہیں اور تمہاری حکومت کو ایک ہی موج میں بہا

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

لے جائے گا۔"

جے پال: "دیکھوں گا..... تمہارے سلطان اور مسلمانوں کی شجاعت دیکھوں گا۔"

عزالدین: "دیکھ چکے ہو تم لمغان کے میدان میں۔ اچھی طرح سے دیکھ چکے ہو۔"

جے پال: "اگر غزنی پر قبضہ نہ کر لیا تو میرا نام جے پال نہیں۔"

منصور نے جوش میں آ کر کہا۔ "تم غزنی پر قبضہ کرو گے؟ خدا کی قسم! تمہارا وہ سر جس میں غزنی پر قبضہ کرنے کا خبط ہے، توڑ ڈالا جائے گا۔"

اب جے پال کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اُس نے درشت لہجے میں کہا۔ "بدزبان! تیری زبان کاٹ کر تجھے سزا دوں گا۔"

عزالدین: "تو اترانا ہے۔ دھمکاتا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ مکار اور دغاباز کبھی بہادر نہیں ہوا کرتے۔ اگر تو بہادر ہے تو تلوار لے اور میرے مقابل آ۔"

جے پال: "تم جیسے ذلیل کتوں کے مقابلے میں؟"

منصور: "تلوار لے! ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کتا کون ہے اور شیر کون ہیں؟"

جے پال: "میں تمہارے منہ لگنا نہیں چاہتا۔"

منصور: "منہ نہ لگ۔ لیکن اپنے ملک پر تباہی نہ لا۔ اپنی موت کو دعوت نہ دے۔"

جے پال نے غصہ سے بپھرتے ہوئے کہا۔ "فوراً اس کا سر اُڑا دو!"

دو سپاہی تلواریں لے کر اُس کی طرف بڑھے۔ جب اُس کے قریب پہنچے اور اُن میں سے ایک نے تلوار بلند کی تو ایک دلکش آواز آئی۔ "مہاراج! چھما (رحم) کیجئے۔"

راجپوت کا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔ سارے مسلمان، تمام درباری، خود جے پال اور تمام سپاہی اُس طرف دیکھنے لگے، جس طرف سے آواز آئی تھی۔

☆.....☆.....☆

سلطان سبکتگین فتح وظفر کے پھریرے اُڑاتا ہوا لمغان کے میدان سے چلا اور کوہِ سفید کے درۂ پیوار کو عبور کر کے غزنی پہنچ گیا۔ غزنی اُس کا دارالسلطنت تھا۔ اُسے یہ قطعی اطمینان تھا کہ راجہ جے پال زرتاوان کی ادائیگی کا جو وعدہ کر گیا ہے، اسے ضرور پورا کرے گا۔ چونکہ وہ خود قول و اقرار پورا کرنے کا پابند تھا۔ ہمیشہ سچ بولتا تھا۔ اس لئے دوسروں کو بھی اپنے جیسا ہی سمجھتا تھا۔ حالانکہ اُس کے فرزند رشید غازی محمود کو اُس پر شبہ تھا اور اس لئے وہ صلح کا مخالف تھا۔ لیکن سلطان نے اس بات سے متاثر ہو کر کہ کہیں جے پال مایوس ہو کر معہ اپنے لشکر کے جل نہ مرے، صلح کر لی۔ جو راجپوت اُس کے ساتھ گئے تھے، اُنہیں اُس نے شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرایا تھا اور اُن کی ضروریات کا سامان اُن کے لئے مہیا کر دیا تھا۔ دن گزر رہے تھے اور سلطان عزالدین، منصور اور اُن کے ہمراہیوں کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ محمود اور دوسرے مسلمان بھی بے تابانہ منتظر تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد ایک روز محمود، غزنی کے سامنے والی پُر بہار وادی میں، چند سپاہیوں کے

ساتھ محوِ گشت تھا کہ اُس نے دُور سے درۂ پیوار کی طرف سے ایک سوار کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور جب وہ قریب آیا تو اُس نے پہچان لیا۔ وہ عزالدین کے اُن ہمراہیوں میں سے ایک تھا، جو لاہور زرتاوان لانے کے لئے گئے تھے۔

سوار نے بھی شہزادے کو دیکھ لیا تھا۔ وہ ذرا قریب آ کر گھوڑے سے اُترا اور شہزادے کی طرف بڑھنے لگا۔ شہزادے کے قریب پہنچ کر نہایت ادب سے سلام کیا۔ شہزادے نے سلام کا جواب دے کر دریافت کیا۔ "کیا تم لاہور سے آ رہے ہو؟"

سوار نے جواب دیا۔ "جی ہاں!"

محمود: "تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟"

سوار: "لاہور ہی میں ہیں۔"

محمود: "بخیریت ہیں؟"

سوار: "جس وقت میں چلا تھا، اُس وقت تک بخیریت تھے۔"

محمود نے چونک کر سوار کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا اُن کے لئے کوئی خطرہ پیدا ہو گیا ہے؟"

سوار: "جی ہاں!"

محمود: "کیا.....؟"

سوار: "وہاں کے ہندو، مسلمانوں کو ستانے کی فکر کر رہے تھے۔"

محمود: "اور راجہ جے پال؟"

سوار: "وہ بدعہدی پر آمادہ نظر آتا تھا۔"

محمود نے جوش اور افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ "میں اُس مکار کی باتوں سے پہلے ہی کھٹک گیا تھا۔ لیکن جہاں پناہ نے نہ مانا۔"

سوار: "اعلیٰ حضرت اُسے بدعہد اور دغاباز نہ جانتے تھے؟"

محمود: "نہیں..... بلکہ اعلیٰ حضرت صاف دل اور صادق القول ہیں۔ اس لئے وہ دوسروں کو بھی ویسا ہی سمجھتے ہیں۔ اچھا! اب تم جہاں پناہ کے حضور میں جا رہے ہو؟"

سوار: "جی ہاں!"

محمود: "چلو! میں بھی چلتا ہوں۔"

محمود نے اپنا گھوڑا طلب کیا، ایک خادم نے فوراً حاضر کیا۔ وہ اور اُس کے ساتھی بھی گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ لاہور سے آنے والا سوار بھی سوار ہو گیا اور یہ سب غزنی کی جانب روانہ ہو گئے۔ اُس جگہ سے غزنی دو تین میل تھا۔ وہ سب بہت جلد اُس کے سامنے جا پہنچے۔ غزنی شہر پناہ نہایت مضبوط اور بہت زیادہ اُونچی تھی۔ شہر بھی نہایت وسیع تھا۔ چاروں طرف پھاٹک بنے ہوئے تھے جو نہایت عالیشان اور مستحکم تھے۔

وہ سب دروازے میں داخل ہو کر شہر کے اندر پہنچے۔ غزنی نہایت خوبصورت شہر تھا۔ عمارتیں

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

دیدہ زیب تھیں۔ لاہور کے مکانات کو غزنی کی عمارتوں سے کوئی بھی نسبت نہ تھی۔ وہ پست، تنگ اور غلیظ تھے۔ اور یہ بلند و بالا، کشادہ اور صاف و شفاف تھیں۔ بازاروں کی سڑکیں نہایت کشادہ تھیں۔ دُکانیں بڑی بڑی اور صاف ستھری تھیں۔ چونکہ سلطان کی وجہ سے یہ شہر تجارت کا مرکز بن گیا تھا اس لئے کابل، بلخ، بخارا، ایران و عراق، عرب اور شام تک کے لوگ تجارت کے لئے آتے رہتے تھے۔ سڑکوں پر اس درجہ صفائی رہتی تھی کہ کبھی کوڑے کرکٹ کا نام و نشان تک بھی نہ نظر آتا تھا۔ یہ لوگ عام گزرگاہوں سے گزرنے لگے۔ شہزادہ محمود سے تمام لوگ بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ وہ اُس کی پیشانی دیکھ کر اُس کی بلند اقبالی کا اندازہ لگا رہے تھے۔ سب کو توقع تھی کہ یہ ہونہار شہزادہ بڑا با حوصلہ، بہادر، مدبر، دانشمند اور زود فہم ہوگا۔ دنیا اس کے کارنامے سن کر حیران رہ جائے گی۔ وہ مکاروں، دغابازوں، خالموں اور فرعونی دل و دماغ رکھنے والوں کو سیدھا کر دے گا۔ اسی وجہ سے وہ جب اور جس طرف سے گزرتا تھا، لوگ اُسے سلام کرتے چلے جاتے تھے۔ اور سب اُس کی عمر اور دولت کی ترقی کی دُعائیں مانگا کرتے تھے۔

چنانچہ جس طرف سے بھی شہزادہ گزرا، لوگ اُسے سلام کرتے اور دُعائیں دیتے چلے گئے۔ جب وہ قصرِ شاہی پر پہنچا تو قصر کے محافظوں نے اُسے سلام کیا۔ شاہی محل کے یکے بعد دیگرے کئی دروازے تھے۔ اور تمام دروازوں پر پہرہ رہتا تھا۔ وہ اور اُس کے ساتھ سوار تمام دروازوں کو عبور کر کے آخری دروازے پر جا کر رُک گئے۔ شہزادہ گھوڑے سے نیچے اُترا۔ اس سے پہلے ہی دوسرے تمام بھی اُتر گئے۔ شہزادے نے لاہور سے آنے والے سوار سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''تم یہیں رہنا۔ میں اعلیٰ حضرت سے تمہاری اطلاع کئے دیتا ہوں۔''

سوار نے سرِ اطاعت خم کیا۔ شہزادہ قصر میں داخل ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد ایک لڑکا آیا اور سوار کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے چلا۔ سوار اُس کے پیچھے محل میں داخل ہوا۔ محل بھی نہایت وسیع تھا۔ اُس میں داخل ہوتے ہی بائیں باغ تھا۔ جس میں طرح طرح کے پھول والے درخت اور پھولوں والے پودے تھے۔ باغ سے آگے بڑھ کر ایک چمن تھا۔ جس کی تختہ بندی نہایت سلیقہ سے کی گئی تھی۔ ہر طرف سبزہ لہلہا رہا تھا۔ پودے کیاریوں میں کھڑے تھے۔ پھول کھل رہے تھے اور اُن کی عطر بیز خوشبو ہر طرف پھوٹ رہی تھی۔

لڑکا اُس سوار کو لے کر چمن سے بھی گزر گیا اور ایک اُونچے چبوترے پر جا چڑھا۔ چبوترہ بھی کافی لمبا اور چوڑا تھا۔ اُس کے انتہائی کناروں سے عمارتوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ عمارتیں نہایت بلند، شاندار اور خوبصورت تھیں۔ ہر کمرے کے دروازے پر ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے۔ لڑکا اُسے برآمدے میں کھڑا کر کے ایک کمرے میں گھس گیا۔ یہ قصر کا مردانہ حصہ تھا۔ زنانہ درجہ چمن کے قریب دوسری طرف تھا۔ زنانہ محل میں کسی کو بھی کسی وقت جانے کی اجازت نہ تھی۔

کچھ وقت کے بعد لڑکے نے ریشمی پردہ اُٹھایا اور اشارہ سے سوار کو آگے بڑھنے کے لئے کہا۔ سوار دروازے میں داخل ہو کر ایک کمرے میں پہنچا۔ کمرہ نہایت کشادہ تھا۔ اُس میں ایرانی

قالینوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ چاروں طرف دو دو گز اُونچی جلتی آئینوں کی دیوار تھی۔ آئینوں سے اُوپر سبز رنگ کا پلاستر چڑھا ہوا تھا۔ چھت گیری زربفت کی تھی۔ اُس میں کئی میزیں پڑی تھیں اور ہر میز کے گرد کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔

سوار کمرے میں داخل ہو کر حیران رہ گیا۔ آئینوں کی وجہ سے وہ کمرہ اُسے اتنا بڑا معلوم ہوا جس کا کہیں کنارہ ہی نہ ہو۔ سلطان، کمرے کے بیچ میں بیٹھا تھا۔ مگر سوار کو وہ چاروں طرف بیٹھا ہوا نظر آیا۔ آئینوں کے عکس نے اُسے حیران کر دیا۔ سلطان سمجھ گیا۔ وہ کھنکھارا۔ اب سوار سلطان کی طرف متوجہ ہوا۔ اُس کے پاس محمود بھی بیٹھا تھا۔ سوار نے سلطان کو سلام کیا۔ سلطان نے سلام کا جواب دے کر پوچھا۔ ''تم لاہور سے آ رہے ہو؟''

سوار: ''عالم پناہ! میں لاہور سے ہی آ رہا ہوں۔''

سلطان: ''کیا جے پال اپنے وعدہ سے پھر گیا ہے؟''

سوار: ''وہ ٹال مٹول کر رہا ہے۔ اُس ملک میں برہمنوں کا زور ہے۔ راجپوت، برہمنوں سے ڈرتے ہیں۔ اور برہمن مسلمانوں سے خدا واسطے کا بیر رکھنے لگے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو ستانے اور انہیں نقصان پہنچانے کی فکر میں ہیں۔''

سلطان: ''کیا عز الدین نے کوئی مراسلہ دیا ہے؟''

سوار: ''جی ہاں!'' یہ کہتے ہی اُس نے مراسلہ نکال کر سلطان کو دیا۔ سلطان نے اُسے کھول کر پڑھا۔ اُس میں تحریر تھا۔

از جانب وفادار و جانثار خادم عز الدین

بجانب صاحب قران سلطان فرمانروائے اقلیم غزنی!

حمد و صلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ جے پال بد عہدی کرنے پر آمادہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ وقت گزار رہا ہے۔ اور اُس کے اشارے سے برہمن جن کا اس ملک میں زور ہے، ہم مسلمانوں سے نفرت اور دشمنی کا اظہار کر رہے ہیں۔ آج وزیر اعظم دھمکی دے کر گیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ وہ ہمیں قید کرنے کی فکر میں ہے۔ ہم خدا پر بھروسہ کئے پڑے ہیں۔ اعلیٰ حضرت ہماری خبر لیں۔ ہمیں ہندوؤں سے وعدہ وفائی کی کوئی اُمید نہیں رہی ہے۔ سنا ہے کہ جے پال خفیہ طور پر پھر حملہ کرنے کی سازش کر رہا ہے۔ تمام مسلمانوں کا سلام قبول فرمایئے۔ جانثار خادم عز الدین۔

سلطان نے اس مراسلہ کو ذرا بلند آواز سے پڑھا تھا، جس سے محمود اور سوار نے بھی سن لیا تھا۔ محمود نے کہا۔ ''عالم پناہ! دیکھئے، جے پال دغا پر اُتر آیا ہے۔''

سلطان: ''فرزندِ ارجمند! میں اُسے ایسا فریبی نہیں سمجھتا تھا۔ جس ملک کا فرمانروا جھوٹا، بد عہد اور دھوکہ باز ہوتا ہے، اُس کے تمام لوگ اُس جیسے ہی ہوتے ہیں۔ لیکن فکر نہ کرو! اگر خدا کو منظور ہے تو اُس کا فریب خود اُس کے اُوپر ہی پڑے گا۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

محمود: "لیکن عز الدین، منصور اور اُس کے ہمراہی؟"

سلطان نے جوش میں آ کر کہا۔ "خدا کی قسم! اگر اُن میں سے کسی کا بھی بال بیکا ہوا تو لاہور کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

معلوم ہوتا تھا کہ محمود نے وہ تمام حالات جو اُس نے سوار سے سنے تھے، سلطان کو سنا دیئے تھے۔ سلطان نے سوار سے کہا۔ "تم جا کر آرام کرو!"

سوار سلام کر کے چلا گیا۔ اب سلطان نے خود راجہ جے پال کے نام شقہ لکھنا شروع کیا۔ اور جب لکھ چکا تو محمود کو دے کر کہا۔ "یہ شقہ کسی سوار کو دے کر اُسے ہدایت کر دو کہ وہ لاہور چلا جائے۔ اور جلد سے جلد وہاں پہنچ کر جے پال کو دیدے۔"

محمود نے اُٹھ کر مراسلہ لیا اور کہا۔ "لیکن اگر یہ مراسلہ پہنچے اور جواب آنے میں دیر ہو گئی اور جے پال نے مسلمانوں کو قتل کر دیا..........؟"

سلطان نے کہا۔ "قتل......؟ وہ مسلمانوں کو قتل کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ بالفرض اگر اُس نے ایسا کیا تو جب تک اُسے اور اُس کے تمام ارکین اور سارے لشکر کو قتل نہ کر ڈالوں گا، آرام سے نہ بیٹھوں گا۔"

محمود کمرے سے باہر نکلا۔ چبوترے، چمن اور پائیں باغ کو طے کر کے باہر آیا۔ اُس نے ایک سوار کو مراسلہ دے کر اُسے لاہور جانے کی تاکید کی۔ اور جب وہ روانہ ہو گیا، تب محل میں واپس لوٹ آیا۔

☆......☆......☆

منصور کے سر پر ابھی تک تلوار بلند تھی۔ اور وہ بھی آواز سن کر صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اُس نے، تمام درباریوں اور خود جے پال نے حور ادا منورما کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ پیازی رنگ کی ساڑھی باندھے ہوئے تھی۔ جس کے کناروں پر چوڑی سنہری لیس لگی ہوئی تھی۔ بڑی شان سے آراستہ ہو رہی تھی۔ اُسے سب جانتے تھے۔ نہ صرف لاہور بلکہ دہلی، اجمیر اور قنوج تک اُس کے حسنِ جہانسوز کا شہرہ تھا۔ خواہ اس وجہ سے کہ وہ وزیر اعظم کی بیٹی تھی۔ یا اس بناء پر کہ وہ بے حد حسین تھی۔ سب اُس سے محبت رکھتے اور اُس کی عزت کرتے تھے۔ وہ راجکماریوں (شہزادیوں) کی سی شان سے بڑھ کر منصور کے قریب پہنچی اور اُن دونوں راجپوتوں سے جو اُسے قتل کرنے پر آمادہ تھے، بولی۔ "ابھی ٹھہر جاؤ! میں مہاراج سے کچھ عرض کر لوں۔"

راجپوت پیچھے ہٹ گئے۔ وہ سنگھاسن کی طرف بڑھنے لگی۔ تمام درباریوں کی گرم و گستاخ نگاہیں اُس کے پھول سے زیادہ نازک اور گلابی رُخساروں پر پڑ رہی تھیں۔ وہ غزالی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھتی، خراماں خراماں چلی جا رہی تھی۔ جب وہ اپنے باپ سیلادت کے پاس پہنچی تو اُس کے باپ نے کہا۔ "پتری (بیٹی) تو راج سبھا (دربارِ شاہی) میں کیوں آئی ہے؟"

منورما رک گئی۔ اُس نے کہا۔ "مہاراج سے کچھ پرارتھنا (عرض) کرنی ہے۔"

سیلادت: "کیا پرارتھنا کرنی ہے تجھے؟"

منورما: "کچھ دیش (ملک) اور جاتی (قوم) کے لئے کہنا ہے۔"

سیلادت: "مگر اس بھری سبھا میں تجھے نہیں آنا چاہئے تھا۔"

منورما: "لیکن پتا جی! ضرورت تو اس وقت آنے کی تھی۔ میں آپ کی اگیانی پتری (نادان بیٹی) ہوں۔ چھما (معافی) چاہتی ہوں۔"

سیلادت خاموش ہو گیا۔ منورما بڑھ کر تخت کے سامنے چبوترے کے نیچے جا کھڑی ہوئی۔ جے پال بھی اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس نے دریافت کیا۔ "منورما! تجھے سبھا میں آنے کی کیسے جرات ہوئی؟"

منورما دونوں ہاتھ جوڑ کر جھک گئی۔ پھر کھڑی ہوئی۔ اُس کے بشرہ سے دیویوں کی سی شان ظاہر ہو رہی تھی۔ اُس نے کہا۔ "مہاراج! میں کچھ کہنے آئی ہوں۔"

جے پال: "کیا دربار ہی میں کہنا ضروری تھا؟"

منورما: "جی ہاں!"

جے پال: "مگر پھر بھی تجھے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔"

منورما: "مجھے خوف ہوا کہ اگر میں نہ گئی تو شاید ملک و قوم کو نقصان پہنچ جائے۔"

جے پال: "اچھا کہو! کیا کہنے آئی ہو تم؟"

منورما: "مہاراج! میرے پتا جی اور سب اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ میں سری کرشن جی بھگوان کی پوجا کیا کرتی ہوں۔"

جے پال: "یہ بات سب کو معلوم ہے۔"

منورما: "رات بھگوان سپنے (خواب) میں آئے تھے۔"

جے پال: "تب تو تیری قسمت بڑی اچھی ہے۔"

منورما: وہ ایک ہاتھ میں بنسری اور دوسرے میں ترشول لئے ہوئے تھے۔"

جے پال نے حیرت سے منورما کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ترشول لئے ہوئے تھے؟"

منورما: "جی ہاں مہاراج!"

جے پال: "تب تو اُنہوں نے لڑائی کی آگیا (اجازت) دے دی ہے۔"

منورما: "نہیں مہاراج! وہ خفا تھے۔ اُن کے بشرے سے جلال ظاہر تھا۔ آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں۔"

جے پال: "شاید کسی سے کسی بات پر ناراض تھے۔"

منورما: "جی ہاں!"

جے پال: "تم نے اُن کی خفگی کی وجہ دریافت کی تھی؟"

منورما: "میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔"

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

جے پال: "کیا اتر (جواب) دیا اُنہوں نے؟"

منورما: "اُنہوں نے کہا کہ مجھے شوک (افسوس) ہے کہ لمغان کے میدان میں ہزاروں ہندو مارے گئے۔"

جے پال نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ "آہ! سری کرشن بھگوان کو بھی اس کا غم ہے۔"

منورما: "جی ہاں..... اُنہوں نے فرمایا، منورما! صبح دربار میں مہاراج مسلمانوں کو بلا کر قتل کرنا چاہیں گے۔ تو سبھا میں جا کر اُن سے کہہ دینا کہ وہ ایسا نہ کریں۔ اس سے دیش کا ناش ہو جائے گا۔ مسلمان ہر طرف سے بھارت پر ٹوٹ پڑیں گے اور ہندو جاتی کو مسل ڈالیں گے۔"

جے پال کچھ حیران ہو کر منورما کی طرف دیکھنے لگا اور تمام درباری بھی اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ خصوصاً پنڈت بڑے غور سے دیکھ اور بڑی توجہ سے باتیں سن رہے تھے۔ منورما نے سانس لے کر پھر کہا۔ "مہاراج! میں نے بھگوان سے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کی کہ دیش اور ہندو جاتی کی سہائتا (مدد) کیجئے۔ اُنہوں نے کہا، مسلمانوں کو قتل کر ڈالنے سے سارے ملک پر تباہی آ جائے گی۔ تو مہاراج سے سبھا میں جا کر کہہ دینا کہ وہ اُنہیں قتل نہ کریں۔"

جے پال کچھ سوچنے لگا۔ منورما نے کچھ وقفہ کے بعد پھر کہا۔ "اُنہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جو اقرار مہاراج نے کر لیا ہے، اُسے پورا کرنا چاہئے۔ اگر ایسا نہ کیا تو شاید لاہور پر آفت آ جائے۔"

جے پال سر بگریبان ہو گیا۔ سیلادت نے کہا۔ "کس میں جرات ہے جو سری کرشن بھگوان جی مہاراج کا کہنا ٹال سکے؟"

ایک بڈھے برہمن نے کھڑے ہو کر کہا۔ "منورما دیوی ہے۔ جسے بھگوان نے اپنے درشن دیئے ہیں۔ ان کے پتا کو مبارکباد ہے۔"

جے پال نے سر اُٹھا کر کہا۔ "منورما! کیا تو یہ سب سچ کہہ رہی ہے؟"

منورما: "مہاراج! میری بات کا ایک ایک لفظ نہیں بلکہ ایک ایک حرف سچا ہے۔"

بڈھا برہمن: منورما کو جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ وہ اتنا بڑا جھوٹ اپنے دل سے کیوں گھڑ سکتی ہے؟"

سیلادت: "میری پتری کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔"

جے پال: "لیکن میں دوسرے مسلمانوں کی تو قید پر ہی اکتفا کروں گا، مگر اس نوعمر اور زبان دراز لونڈے کو ہرگز نہ چھوڑوں گا۔"

سیلادت: "لیکن حضور! اگر آپ نے ایک مسلمان کو بھی قتل کر ڈالا تو سلطان اس کا انتقام لئے بغیر نہ رہے گا۔"

جے پال: "مگر مجھے خوب یاد ہے کہ تم نے ایک مرتبہ اس نوجوان ہی کی مجھ سے شکایت کی تھی۔"

سیلادت: "اس نے میری توہین کی تھی۔ میں اس سے سخت ناخوش ہوں۔ لیکن مجبوری یہ ہے

کہ بھگوان ہی نہیں چاہتے کہ یہ گستاخ لونڈا مارا جائے۔"

جے پال: "مگر اس نے میری جو اہانت کی ہے وہ ناقابل برداشت ہے۔ اور میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا۔"

سیلادت: "میری رائے یہ ہے کہ جب تک ہمارا وہ قاصد جو سلطان کے پاس گیا ہے، واپس نہ آئے، اُس وقت تک ان مسلمانوں کو قید رکھئے! اگر سلطان ہمارے آدمیوں کو چھوڑ دے تو سمجھ لینا! کہ وہ ہم سے دب گیا۔ اور اس وقت ان مسلمانوں کا مار ڈالنا کوئی فتنہ پیدا نہ کر سکے گا۔ اور اگر سلطان نے اُنہیں نہ چھوڑا اور جنگ پر آمادہ ہو گیا تو پھر فتح یابی کے بعد انہیں قتل کرا دیجئے گا۔"

جے پال: "تمہاری رائے ہے تو مناسب۔ لیکن میں اس مغرور اور سرکش نوجوان کو اسی وقت معاف کر سکتا ہوں جب کہ وہ میری رعایا کی طرح مجھے سجدہ میں گر کر عاجزانہ سلام نہ کرے۔"

سیلادت: "اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔" وہ یہ سمجھتا تھا کہ جس طرح اس قوم کے لوگ موت سے ڈر کر ہر قسم کی ذلت برداشت کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں، اسی طرح سے مسلمان بھی ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ منصور کے پاس آیا۔ اُس نے کہا۔ "گستاخ نوجوان! مہاراج نے اپنی رحم دلی سے تم کو معاف کر دیا ہے۔ مگر اس شرط پر کہ تم اسے سجدہ کر کے اس سے معافی طلب کرو۔"

منصور کو جوش آ گیا۔ اُس نے کہا۔ "تم ایک مسلمان سے اس بات کی توقع رکھتے ہو کہ وہ خدا کو چھوڑ کر انسان کو سجدہ کر کے اپنی جان بچائے گا۔ اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو یہ تمہاری سخت غلطی ہے۔ مسلمان مر جاتا ہے مگر سوائے خدا کے کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا۔"

سیلادت: "تب تو تم ضرور مارے جاؤ گے۔"

منصور: "میں موت کو ایسی زندگی سے بہتر سمجھتا ہوں، جس میں کسی کے سامنے سر جھکانا پڑے۔"

سیلادت: "ضد نہ کرو۔"

منصور: "میں کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔"

سیلادت: "تمہاری قسمت۔" وہ غصہ میں بھرا جے پال کے پاس پہنچا اور بولا۔ "مہاراج! اسے سجدہ کرنے سے انکار ہے۔"

جے پال: "پھر اسے قتل کرا دو!"

منورما بے چین ہو گئی۔ اُس کے چہرے کا رنگ فق پڑ گیا۔ اُس نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ "نہیں مہاراج! ابھی ان میں سے کسی کو بھی قتل نہ کرائیے۔ یہ لوگ ضدی ہوتے ہیں۔ شاید قید خانہ میں جا کر ان کے حواس درست ہو جائیں۔ اور پھر یہ وہی کرنے لگیں جو حضور انہیں حکم دیں۔"

جے پال نے کچھ سوچا اور کچھ دیر کے بعد اُس نے کہا۔ "مجھ سے آج تک منورما نے کوئی بات نہیں کی ہے۔ میں اس کی بات مانتا ہوں۔ اچھا! فی الحال انہیں قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔"

منورما نے شکورانہ نظروں سے جے پال کو دیکھ کر کہا۔ "مہاراج کی جے ہو۔"

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

سب نے یک زبان ہو کر نعرہ لگایا۔ ''مہاراج کی جے ہو۔''

اب سیلادت نے کچھ سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ اُن سپاہیوں کو جو درباریوں کے پیچھے ننگی تلواریں لئے خاموش سیہ فام بتوں کی طرح نیم برہنہ کھڑے تھے، وہ بڑھ کر وزیر اعظم کے پاس آئے۔ اُس نے کہا۔ ''ان بد بخت مسلمانوں کو قید خانہ میں جھونک آؤ۔''

اُنہوں نے مسلمانوں کی ڈوریں پکڑیں اور اُنہیں لے کر روانہ ہوئے۔ جب وہ دربار سے باہر نکل گئے، تب جے پال بھی اُٹھ کر چلا گیا۔ اُس کے جاتے ہی درباری بھی اُٹھ اُٹھ کر چلنے لگے۔ سیلادت بھی منورما کو ساتھ لے کر دربار سے باہر نکلا۔ دربار کے باہر منورما کی رتھ موجود تھی۔ وہ رتھ میں سوار ہوئی۔ سیلادت گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں اپنے محل کی طرف چل پڑے۔

☆.....☆.....☆

منورما اور سیلادت دونوں خاموش چلے جا رہے تھے۔ منورما رتھ میں سوار تھی اور سیلادت گھوڑے پر سوار تھا۔ بہت سے راجپوت ننگی تلواریں لئے اُن کے ساتھ جا رہے تھے۔ منورما حسب عادت گاؤ تکیہ کے سہارے نیم دراز تھی۔ اُس کا لباس، اُس کے زیورات، اُس کی صورت سب ہی جگمگا رہے تھے۔ شاہراہ پر چل کر وہ قصر وزارت پر پہنچے۔ منورما رتھ سے اُتری، سیلادت گھوڑے سے اُترا۔ دونوں دروازے میں داخل ہو کر محل کے اندر پہنچ گئے۔ محل میں داخل ہوتے ہی اُنہیں منورما کی ماں چندر کلا ملی۔ وہ منورما کو دیکھتے ہی مسکرائی اور اُس نے سیلادت سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''نہ رہ سکے تم سوامی! لے ہی گئے نا اپنی اس لاڈلی کو دربار میں۔''

سیلادت: ''کون لے گیا تھا؟''

چندر کلا مسکرا رہی تھی۔ اُس نے کہا۔ ''بس! یہی تو تمہاری بری عادت ہے۔ خود تو لے گئے تھے۔ مگر اب باتیں بناؤ گے۔''

سیلادت: ''اور مجھے تمہاری انہی باتوں پر غصہ آتا ہے۔ سنتی نہیں، سمجھتی نہیں۔ جو جی میں آئے، کہے چلی جایا کرتی ہو۔''

چندر کلا نے تیکھی چتون سے دیکھ کر کہا۔ ''اچھا! اب تم مجھے دھمکانے بھی لگے ہو۔''

سیلادت نے بھیگی بلی بن کر کہا۔ ''توبہ کرو توبہ! میں تم کو دھمکا سکتا ہوں؟ یہ تمہاری لاڈلی کھڑی ہے۔ اس سے ہی دریافت کر لو! کہ اسے کون لے گیا تھا؟ اور یہ کیسے دربار میں پہنچی تھی؟''

چندر کلا نے خفگی کے انداز سے کہا۔ ''مجھے کیا ضرورت پڑی ہے پوچھنے کی۔ رات تو مجھ سے انکار کرا دیا۔ اور صبح ہوتے ہی لے گئے۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے؟''

سیلادت: ''غصہ تو تمہاری ناک پر رکھا ہے۔ پہلے بات تو سن لیا کرو!''

چندر کلا: ''اب کوئی کچھ سنائے تو سنوں۔''

سیلادت: ''کوئی سنے تو کہا بھی جائے۔''

منورما کھڑی اُن کی باتیں سن رہی تھیں۔ اُس نے جب دیکھا کہ اُس کی والدہ ناراض ہو چلی

ہے اور بات بڑھتی چلی جا رہی ہے تو خود ہی کہا۔ ''ماتا جی! مجھے پتا جی نہیں لے گئے تھے۔''

چندر کلا نے برہم ہوتے ہوئے کہا۔ ''پتا جی نہیں لے گئے تھے تو کیا دوت (فرشتے) لے گئے تھے؟''

سیلادت: ''کیسی بات کہہ رہی ہو تم؟''

منورما: ''ماتا جی! میری بات کا یقین کیجئے۔ پتا جی مجھے نہیں لے گئے تھے۔''

چندر کلا: ''پھر کون لے گیا تھا تجھے؟''

منورما: ''وہ خود گئی تھی۔''

چندر کلا: ''کیوں گئی تھی خود؟''

منورما: ''رات سپنے میں سری کرشن بھگوان آئے تھے۔''

چندر کلا نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''سری کرشن بھگوان آئے تھے؟''

منورما: ''ہاں ماتا جی!''

اس کے بعد اُس نے وہ تمام واقعہ کہہ سنایا جو دربار میں جے پال اور تمام درباریوں کو سنایا تھا۔ چندر کلا کو سارا حال سن کر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ اُس نے بڑھ کر منورما کی چاندی پیشانی چوم کر کہا۔ ''میری خوش نصیب پتری! تیری پوجا کی شکتی نے بھگوان کرشن جی کو یہاں آنے پر مجبور کیا۔ تیرے بھاگ (قسمت) سے ہم سب کے بھی بھاگ کھل گئے۔''

سیلادت: ''مگر تم تو کہہ رہی تھیں کہ میں لے گیا تھا اسے۔''

چندر کلا: ''اب اس بات کی تو مجھے خبر نہیں تھی۔''

سیلادت: ''اسی لئے تو کہتے ہیں کہ بات کی پہلے تصدیق کرو، پھر کچھ کہو۔''

چندر کلا: ''چلو! آج تم ہی سچے ٹھہرے۔''

سیلادت: ''مگر تم تو آج بھی جھٹلائے دیتی تھیں۔''

چندر کلا: ''میں تو یہ سمجھی تھی کہ جیسے تم ہر روز باتیں بنایا کرتے ہو، آج بھی کوئی بات گھڑی ہو گی۔''

سیلادت: ''میں راج پاٹ میں تو باتیں بنا دیتا ہوں۔ مگر تمہارے سامنے نہیں۔''

چندر کلا: ''لیکن جب کسی شخص کو جھوٹ بولنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو اُس سے سچ بولا ہی نہیں جاتا۔''

سیلادت: ''اچھا! اب چلو گی بھی یا یہیں کھڑی باتیں بناؤ گی؟''

چندر کلا: ''آئیے..... چلئے!''

اب یہ تینوں بڑھتے ہوئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ منورما نے تھوڑی دیر آرام کر کے کھانا کھایا اور مسہری پر لیٹ کر آرام کرنے لگی۔ ابھی بمشکل اُسے نصف گھنٹہ بھی لیٹے ہوئے نہ ہوا تھا کہ رادھا آ گئی۔ اُس نے آتے ہی کہا۔ ''کہو! دربار سے ہو آئیں؟''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

سورما اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے کہا۔ ''آ ؤ رادھا! بیٹھو۔''

رادھا نیچے فرش پر بیٹھنے لگی، سورما نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔ ''یہاں بیٹھو۔ میرے پاس۔''

رادھا: ''لیکن میں داسی (کنیز) ہوں۔ اور داسی کو مالک کے پاس نہیں بیٹھنا چاہیے۔''

سورما: ''تو میری بہن ہے رادھا! داسی نہیں۔''

رادھا نے حیرت بھری نظروں سے سورما کو دیکھا۔ سورما بھی اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُس نے کہا۔ ''کیا دیکھ رہی ہے رادھا؟''

رادھا کھڑی تھی۔ اُس نے کہا۔ ''یہ آپ نے کیا کہہ دیا؟''

سورما: ''وہی جو میں تجھ کو سمجھتی ہوں۔''

رادھا: ''کیا میرے ایسے بھاگ ہو سکتے ہیں؟''

سورما: ''بھاگ میرے ہیں نہ جو تجھ جیسی بہن مجھے ملی۔''

رادھا نے مشکورانہ نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ''تم نے یہ پدوی (عزت) مجھے دے دی ہے۔''

سورما: ''ہاں! اور میں زندگی بھر اسے نبھاؤں گی۔''

رادھا نے جوشِ محبت میں آ کر کہا۔ ''تو سنو! میں بھی اپنی جان تمہارے اُوپر سے نچھاور (نثار) کر دوں گی۔''

سورما: ''آ! اور میرے پاس بیٹھ۔''

رادھا اُس کے پاس بیٹھ گئی۔ اُس نے کہا۔ ''کہو...... کیا رہا آج دربار میں؟''

سورما: ''بڑی خیریت ہوئی رادھا! ایشور کو اچھا ہی منظور تھا جو کہ میں وہاں وقت پر پہنچ گئی۔''

رادھا: ''کیا ہوا......؟''

سورما: ''جس وقت میں پہنچی تو ایک جلاد اُن (منصور) پر تلوار کھینچے کھڑا قتل کرنے پر آمادہ تھا۔''

رادھا: ''اور وہ چپ چاپ کھڑے تھے؟''

سورما: ''اُنہیں اور تمام مسلمانوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔''

رادھا: ''کیسے گرفتار ہو گئے وہ لوگ؟''

سورما: ''مجھے بھی تعجب ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنہیں دھوکہ دے کر گرفتار کیا گیا۔''

رادھا: ''ضرور ایسا ہی ہوا ہوگا۔ ورنہ مسلمانوں کو گرفتار کر لینا کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔''

سورما: ''یہی بات ہے۔ جب میں دربار میں پہنچی تو سب نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ میں نے جاتے ہی جلاد کو قتل کرنے سے روک دیا اور مہاراج کے پاس پہنچ کر وہی تمہارا بتایا ہوا اور پڑھا ہوا سری کرشن جی بھگوان کے خواب میں آنے کا قصہ سنایا۔''

رادھا: ''سب کو بڑی حیرت اور خوشی ہوئی ہوگی۔''

سورما: ''پنڈتوں کو بڑی مسرت ہوئی۔ لیکن راجپوتوں نے ذرا دیر سے اعتبار کیا۔ اور مہاراج کو تو شاید آخر تک بھی یقین نہیں آیا۔''

رادھا: ''نہیں نہیں...... اعتبار آ گیا ہوگا۔''

سورما: ''میرے خیال میں اُن کو بالکل یقین نہ آیا ہوگا۔ اُنہوں نے اُنہیں (منصور کو) اس شرط پر معاف کرنے اور قید کرنے کا ارادہ ظاہر کیا کہ وہ مہاراج کو سجدہ کریں۔''

رادھا نے حیرت بھری نظروں سے دیکھا اور کہا۔ ''سجدہ کریں......؟ تو کیا اُنہوں نے سجدہ کر لیا؟''

سورما: ''نہیں...... وہ اس بات کو سن کر بہت زیادہ غضبناک ہو گئے۔''

رادھا: ''مسلمان کبھی کسی کو سجدہ نہیں کیا کرتے۔''

سورما: ''اُنہوں نے بھی نہیں کیا۔''

رادھا: ''پھر کیسے معافی ملی؟''

سورما: ''جب میں نے زیادہ ضد کی، تب مہاراج نے معاف کیا۔''

رادھا: ''خیر! تمہارے جانے سے اُن کی اور مسلمانوں کی آج جانیں بچ گئیں۔''

سورما: ''اگر سچ پوچھو! تو تمہاری تدبیر سے اُن کی جانیں بچ گئیں۔ اگر میں نہ جاتی تو وہ ضرور مار ڈالے جاتے۔''

رادھا: ''میں اس وقت کھٹک گئی تھی، جب رات تمہاری ماتا جی نے آ کر کہا تھا کہ کسی عورت کو دربار میں جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ میں نے اُسی وقت سے تدبیریں سوچنا شروع کر دی تھیں۔''

سورما: ''ایشور کا دھنباد ہے کہ تمہاری بتائی ہوئی تدبیر نہایت مفید ثابت ہوئی۔ مگر اب کیا ہوگا رادھا؟''

رادھا: ''فکر نہ کرو...... میں اور کوئی تجویز سوچوں گی۔''

سورما: ''اب تو اُنہیں قید خانے سے آزاد کرانے کی تدبیر سوچنی چاہیے۔''

رادھا: ''ایسی ہی تدبیر سوچوں گی۔''

سورما: ''مگر کب؟''

رادھا: ''بہت جلد۔''

سورما: ''مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں مہاراج اُنہیں پھر کسی وقت قتل نہ کرا دیں۔''

رادھا: ''میرے خیال میں ابھی وہ ایسی جرأت نہیں کریں گے۔''

سورما: ''لیکن ایشور نہ کرے اگر ایسا ہو گیا تو......؟''

رادھا: ''ایسا خیال کر کے اپنا جی تھوڑا نہ کرو۔''

سورما: ''رادھا! تجھے میرے من (دل) کا حال معلوم ہے۔ میرا جیون (زندگی) اُن کے

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

جیون پر ہے۔"

رادھا: "میں خوب جانتی ہوں۔ اور اسی لئے اُنہیں آزاد کرنے میں اپنی جان تک کی پرواہ نہ کروں گی۔"

منورما: "میں کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟"

رادھا: "شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم دیکھ لوگی کہ میں نے کیا، کیا۔ مگر بے صبر نہ ہو۔ غمگین نہ ہو۔ جرات و ہمت سے کام لو!"

منورما: "جی نہیں مانتا۔ کیا کروں؟"

رادھا: "اگر تم نے بے صبری کی تو تمام بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔"

منورما: "میں صبر کروں گی۔"

رادھا: "اگر کسی پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ تم انہیں (منصور) بچانے کے لئے بہت بے کل (بے چین) ہو تو پھر بنے بنائے کام بھی بگڑ جائیں گے۔ بدنامی الگ ہوگی۔ اور اُن کی جان الگ جاتی رہے گی۔ کیونکہ اوّل تو مہاراج ہی اُن سے بہت زیادہ ناخوش ہیں۔ دوسرے تمہارے پتا بھی اُن کی جان کے دشمن ہو جائیں گے۔"

منورما: "تم سچ کہہ رہی ہو۔ اب میں اُف تک بھی نہ کروں گی..... ہائے ایشور! یہ کیا کر دیا؟ اچھا ہوتا کہ میں اُنہیں نہ دیکھتی۔ یا دیکھا تھا تو اُن پر موہت (فریفتہ) نہ ہوتی۔"

رادھا: "اب تو جو ہونا تھا، ہو گیا۔ اب اُٹھو اور منہ ہاتھ دھو لو! کنگھی چوٹی کرو۔ کپڑے بدلو۔ ہو سکتا ہے والد ادھر آنکلیں۔"

منورما: "اچھا!"

پھر وہ اُٹھی اور منہ ہاتھ دھونے اور کپڑے بدلنے چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

تمام مؤرخ خواہ وہ عیسائی ہوں یا مسلمان اس بات کو لکھتے ہیں کہ راجہ جے پال نے خود ہی چھیڑ خانی کی۔ اور سلطان سبکتگین کے ملک پر حملہ کرنے اور غزنی کو فتح کر لینے کے ارادے سے لمغان میں پہنچا۔ آنریبل ڈاکٹر ڈبلیو ہنٹر صاحب اپنی مختصر تاریخ ہند حصہ دوم کے صفحہ 4 پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "سب سے پہلا مقابلہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا لمغان کے میدان میں ہوا۔ یہ حملہ ہندوؤں کے فعل سے ہوا تھا۔"

977ء میں راجہ جے پال والی لاہور نے غزنی کی اسلامی حکومت پر جس کا والی سلطان سبکتگین تھا، حملہ کیا۔ سلطان نے سخت ہنگامہ کے بعد اُسے ہزیمت دی۔ راجہ جے پال بڑی خوشامد کر کے پچاس ہاتھی اور دس لاکھ درہم کے وعدے پر اپنی اور اپنے لشکر کی جان بچا سکا۔ مگر افسوس! کہ اُس نے اپنا وعدہ وفا نہ کیا۔ اور جس بلا سے اُس نے نجات پائی تھی، وہ پھر اُس پر مسلط ہوگئی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ہندوؤں کی اپنی کوئی تاریخ نہیں ہے۔ اور اسی لئے وہ تاریخی دنیا میں بعینہ اس طرح

سے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں کہ جس طرح کوئی اندھیرے میں پڑا ہوا شخص روشنی میں آنے کے لئے مارا کرتا ہے۔

جھوٹ سچ جو اُن کے جی میں آتا ہے، کہہ دیتے ہیں۔ اور پھر اسے نبھانے کے لئے طرح طرح کے جھوٹ تراشتے ہیں۔ اُن کا قول ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان پر محض لوٹ مار کی غرض سے حملہ کیا تھا۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ مسلمانوں نے ہندوستان پر اُس وقت حملہ کیا، جبکہ ہندوؤں کی چیرہ دستیاں اور زیادتیاں حد سے متجاوز کر گئیں۔ بیٹھے بٹھائے جے پال کے دل میں اپنی مملکت وسیع کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ ہندوستان میں تو اُس کے بھائی ہندوؤں کی سلطنتیں تھیں۔ اس میں اُس کے لئے کہیں گنجائش نہ تھی۔ اس لئے وہ مسلمانوں ہی سے اُلجھ پڑا اور غزنی کو فتح کرنے کے ارادے سے حملہ آور ہوا۔ اب غور کرنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ حملہ مسلمانوں نے کیا یا ہندوؤں نے؟

مگر تعصب نے ہندوؤں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے۔ وہ مسلمانوں کو بدنام کرنا چاہتے ہیں یا اُن کا یہ منشا ہے کہ وہ ایسی غلط اور لاطائل باتیں لکھ لکھ کر ہندوؤں کو مسلمانوں سے متنفر کر دیں تاکہ کسی وقت اور کسی زمانہ میں بھی ہندوؤں اور مسلمانوں سے اتحاد نہ ہو سکے۔

ایک بات اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ ہندوستان کے قدیم باشندے کول، دراوڑ اور بھیل تھے۔ اُن کے بڑے بڑے شہر تھے۔ تمام شہروں میں تجارت ہوتی تھی۔ نیز وہ کاشتکاری بھی کرتے تھے۔ موجودہ ہندوؤں نے افغانستان کی طرف سے آ کر اُن پر حملہ کیا اور اُن بے گناہوں کو بری طرح سے ذبح کیا۔ عورتوں، مردوں اور بچوں کو چن چن کر قتل کر ڈالا۔ اُن کی دولت لوٹ لی۔ گھروں کو جلا دیا۔ آبادیاں ویران کر دیں۔ اور جو کم و بیش بچ رہے، اُنہیں اپنا غلام بنا لیا۔ اور جو بھاگ گئے، وہ اُن کی دستبرد سے بچ گئے۔ یہ لوگ اب بھی دکن کے شمال مشرقی پہاڑوں پر اور جنوبی ہند کے حصے میں راس کماری تک بستے ہیں۔ اور ان ظالم و جابر ہندوؤں کی جان و مال کو رو رہے ہیں، جنہوں نے اُن کو گھر سے بے گھر کر دیا اور اُن کے تمام زن و فرزند کو قتل کر کے جو کچھ اُن کے پاس تھا، سب لوٹ لیا۔

موجودہ اچھوت یا ہریجن ان لوگوں ہی کی اولاد ہیں جنہیں ہندوؤں نے گرفتار کر کے غلام بنا لیا تھا۔ چونکہ ہندوؤں کو یہ تمام واقعات معلوم ہیں اس لئے وہ اس الزام سے بچنے کے لئے مسلمانوں پر لوٹ مار کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔

ہندوؤں کو چاہئے کہ پہلے وہ تاریخوں کا مطالعہ کریں۔ اور پھر سنجیدگی کے ساتھ حق بات کہیں۔ ہندوستان اگر مسلمانوں کا وطن یا ان کا ملک نہیں ہے تو ہندوؤں کا بھی نہیں۔ جس طرح مسلمان باہر سے آئے ہیں، اُسی طرح سے ہندو بھی آئے ہیں۔ پہلے ہندو آئے اور بعد میں مسلمان! لہٰذا پہلے ہندوستان سے ہندوؤں کو نکل جانا چاہئے۔ اور پھر مسلمان بھی چلے جائیں گے۔ اور اس کے بعد ہندوستان کی قدیم قومیں آرام اور اطمینان کا دم لے سکیں گی۔

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

جے پال نے ایک اور حماقت کی کہ جو وعدہ، جو اقرار، جو عہد لمغان کے میدان میں سلطان سبکتگین سے کر آیا تھا اور جن مواعید پر اپنی جان بچا کر آیا تھا، اُن کو توڑ ڈالا۔ یہ بات تمام ہندوؤں کو معلوم ہو گئی تھی کہ جے پال نے اُن مسلمانوں کو قید کر دیا ہے۔ اس سے اُنہیں بڑی مسرت ہوئی تھی۔ خصوصاً اُس پنڈت کو جسے منصور نے ہاتھ لگایا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد ہی لوگوں کو معلوم ہوا کہ غزنی سے کوئی قاصد آیا ہے۔ سب اس بات کو سمجھ گئے کہ سلطان نے شاید مسلمانوں کی اسیری کی خبر پا کر اُن کے آزاد کرنے کے لئے اُسے بھیجا ہے۔ چونکہ کوئی ہندو بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو آزاد کر دیا جائے، اس لئے وہ اس بات کے منتظر تھے کہ دیکھیں! اُن کا راجہ کیا جواب دیتا ہے؟

سلطان کا قاصد لاہور پہنچ گیا تھا۔ وہ سیلا دت سے مل چکا تھا۔ اور سیلا دت نے جے پال کو مطلع کر دیا تھا۔ لہٰذا جے پال نے پھر دربار منعقد کیا اور اُس دربار میں قاصد کو بلایا۔ چونکہ وہ مسلم قاصد پر اپنا رُعب و اثر ڈالنا چاہتا تھا، اس لئے اُس نے تمام درباریوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا تھا۔ بڑی شان و شکوہ سے دربار آراستہ کیا گیا تھا۔ قاصد نے اس سے پہلے کبھی کسی ہندو کو نہ دیکھا تھا۔ جب اُس نے لاہور پہنچ کر اُنہیں صرف ایک دھوتی باندھے نیم برہنہ گھومتے دیکھا تو اُسے بڑھا تعجب ہوا کہ ہندو ابھی تک غیر مہذب ہیں۔ اور جب وہ دربار میں پہنچا تو اُس نے ہندو سپاہیوں کو گھٹنوں سے اُوپر تک دھوتی پہنے، ننگے جسم، ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے کھڑے دیکھا۔

وہ سب سیاہ فام تھے۔ کالے بدن پر لال آنکھیں چمکتی تھیں۔ کسی کی داڑھی تھی اور کوئی صفا چٹ تھا۔ اُن سے گزر کر جب اُس کی نظر درباریوں پر پڑی تو وہ بھی سپاہیوں ہی کی طرح نظر آئے! فرق صرف اتنا تھا کہ سپاہیوں کی دھوتیاں معمولی اور موٹے کپڑے کی تھیں اور درباریوں کی قدرے باریک ریشم کی۔ مگر جب اُس کی نظر جے پال پر پڑی، تب تو اُسے حد سے زیادہ حیرت ہوئی۔ کیونکہ وہ بھی نیم برہنہ تھا۔ سنہری کنارے کی دھوتی باندھے تھا اور ننگے بدن کے عیب کو چھپانے کے لئے آبدار موتیوں کے بیسیوں چھوٹے بڑے ہار پہنے ہوئے تھا۔ لہٰذا وہ سمجھ گیا کہ راجہ اور رعایا سب اسی حالت میں رہتے ہیں۔

وہ جے پال کے قریب پہنچا اور اُس نے شاہی مراسلہ اُس کے سامنے پیش کیا۔ جے پال نے لے کر سیلا دت کو دیتے ہوئے کہا۔ ''اسے کھولو اور پڑھو!''

سیلا دت نے مہر توڑ کر مراسلہ کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا:۔

''از جانب بندۂ خدا سلطان سبکتگین والی غزنی بجانب راجہ جے پال والی لاہور۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد راقم ہے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے عہد و اقرار سے پھرنا اور اپنی قسم کو توڑنا چاہتے ہو۔ جن مسلمانوں کو تم اپنے ہمراہ لے گئے تھے، اُنہیں تم اور تمہاری قوم دق اور پریشان کر رہے ہو۔ یہ بات مناسب نہیں ہے۔ قول مردان جان دارد کے مقولہ پر عمل کرنا ہر شریف انسان کا فرض ہے۔ ہم کو اُمید ہے کہ تم اپنے قول پر

قائم رہو گے۔ بدعہدی نہ کرو گے۔ دنیا میں بدعہدی کرنا گناہِ عظیم ہے۔ نیز یقین ہے کہ تم زرِ تاوان دے کر مسلمانوں کو فوراً واپس کر دو گے۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خوف ہے کہ کہیں پھر خونریزی نہ ہو۔ دانشمندی اسی میں ہے کہ خونریزی کو روکنے کے لئے اپنا اقرار پورا کرو۔ (امیر ناصر الدین سبکتگین سلطان غزنی)''

یہ مراسلہ سن کر جے پال کو بڑا غصہ آیا۔ اُس نے برافروختہ ہو کر کہا۔ ''مغرور سلطان اس بات کا منتظر ہو گا کہ اُسے دس لاکھ درہم اور پچاس ہاتھی دے دیئے جائیں گے۔ کیا ایک راجہ ایسی ذلت کو برداشت کر سکتا ہے؟ ایک خود دار راجپوت اپنی پیشانی پر بدنامی کا ٹیکہ لگا سکتا ہے؟ اس بے وقوف کو لالچ کے خواب دیکھنے دو۔ میں ایک پائی اور ایک چڑیا کا بچہ تک بھی اُسے نہ دُوں گا۔''

قاصد: ''مگر آپ نے جو قول دیا تھا؟''

جے پال: ''سیاست میں قول و اقرار کوئی چیز نہیں ہوتے۔ ہوشیار انسان وہی ہے، جو جیسا وقت دیکھے، ویسا ہی کام کرے۔''

قاصد: ''اچھا! تو آپ اُن مسلمانوں کو میرے ساتھ روانہ کر دیں، جنہیں زرِ تاوان دینے کے لئے ہمراہ لائے تھے۔''

جے پال: ''وہ قید کر دیئے گئے ہیں۔ تم بھی قید کر دیئے جاؤ گے۔ اور جس قدر بھی قاصد یا دوسرے لوگ آتے رہیں گے، سب کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیا جائے گا۔ میں دیکھوں گا، کیسے سلطان انہیں چھڑا کر لے جا سکتا ہے؟'' یہ کہتے ہی اُس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور اُنہوں نے ہلالی دائرہ میں بڑھ کر قاصد کو اپنے زیرِ حراست لے لیا۔

قاصد نے کہا۔ ''راجہ جے پال! تم اپنی طاقت کے زعم میں سلطان کو دعوتِ جنگ دے رہے ہو۔ تم نے اور تمہاری قوم نے مسلمانوں کی تلواریں دیکھیں اور اُن کا ذائقہ چکھ لیا ہے۔ تعجب ہے کہ پھر بھی تم وہ خونی منظر دیکھنے کے خواہشمند ہو جس سے گھبرا کر تم خوشامد کر کے اور قسمیں کھا کر بہ دُشواری اپنی جانیں بچا کر لا سکے تھے۔ بداندیشی نہ کرو! اپنے ملک پر تباہی کو نہ بلاؤ۔ عقلمندی بھی ہے اور اسی میں عافیت ہے کہ اپنا اقرار پورا کرو۔ یہ بات ایک راجہ کی شان کے خلاف ہے۔''

جے پال: ''او زبان دراز مسلمان! میں مسلمانوں کی طاقت دیکھنا چاہتا ہوں۔''

قاصد: ''اگر تو مسلمانوں کی قوت کا امتحان لینا چاہتا ہے تو اپنے کسی سورما کو بھیج! تاکہ مجھ سے مقابلہ کرے۔''

جے پال: ''تجھ سے مقابلہ کرے؟ کیا فائدہ؟ میں سلطان اور اُس کے لشکر کا مقابلہ کر کے اُسے شکست دُوں گا۔ اور اُس کی تمام قلمرو پر قبضہ کر کے غزنی پر قابض ہو جاؤں گا۔''

قاصد: ''ممکن ہے کہ تیرے دماغ میں یہ خیال ہی رہے اور تو موت سے ہمکنار ہو جائے۔''

جے پال کو غصہ آ گیا۔ اُس نے درشت لہجہ میں کہا۔ ''منہ پھٹ! تو اپنی حد سے بڑھ گیا ہے۔

www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

میں تجھے ہرگز ہرگز زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔'' یہ کہتے ہوئے اُس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ اور وہ تلواریں سونت کر اُس کی طرف بڑھے۔ قاصد پہلے ہی قبضہ میں کر لیا گیا تھا۔ وہ ہاتھ پیر بھی نہ ہلا سکتا تھا۔ ایک راجپوت نے اُس کی گردن پر تلوار ماری۔ اُس نے کلمہ شہادت پڑھا اور جنت کو روانہ ہو گیا۔ جے پال نے فخریہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔ ''کہاں گیا وہ کتا جو بھونک رہا تھا؟''

سیلادت: ''آپ کے قدموں پر نثار ہو گیا۔''

جے پال: ''اس کی لاش باہر پھنکوا دو۔''

دو راجپوتوں نے اُس کی لاش اُٹھائی اور دربار سے باہر پھینک آئے۔ اب جے پال اُٹھ کر چلا گیا۔ اُس کے جاتے ہی تمام درباری بھی چلے گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں دربار خالی ہو گیا۔

☆......☆......☆

سلطان کو اُن مسلمانوں کی طرف سے جنہیں اُس نے لاہور بھیجا تھا، بڑا فکر ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ عجب نہیں کہ راجہ جے پال بدعہدی کرے۔ مگر اُسے یہ خیال تسلی دیتا رہتا تھا کہ جے پال مسلمانوں کی قوت کا اندازہ کر چکا ہے۔ اور اس لئے وہ ایسی حماقت نہیں کرے گا جس سے کہ پھر زور آزمائی کی نوبت آئے۔ پھر خون کی ندیاں بہہ جائیں اور پھر موت کی گرم بازاری ہو جائے۔ اگر وہ جے پال کی طینت سے واقف ہوتا تو اس فریب خیال میں نہ رہتا۔

وہ بے قراری سے اپنے اُس قاصد کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا، جسے اُس نے روانہ کیا تھا۔ وہ اس قدر سادہ لوح تھا کہ اُسے یقین تھا کہ راجہ جے پال اُس کا مراسلہ پڑھ کر فوراً زرِ تاوان دے کر مسلمانوں کو واپس لوٹا دے گا۔

دن گزر رہے تھے۔ اور وہ منتظر تھا کہ غزنی میں غلغلہ ہوا کہ راجپوتوں کا وفد آیا ہے۔ مسلمان ہمیشہ سے پورا لباس پہنتے ہیں۔ گردن سے لے کر ٹخنوں تک تمام جسم کی ستر پوشی کرتے ہیں۔ غزنی کے مسلمان بھی واقف نہ تھے کہ ہندو، ننگے بدن رہتے ہیں۔ جب اُنہوں نے ہندوؤں کو دیکھا تو بڑے حیران ہوئے۔ سارے غزنی اور اُس کے نواح میں غل پڑ گیا کہ ہندوستان سے ایسے لوگ آئے ہیں جو ذرا سا کپڑا ناف کے نیچے سے رانوں تک لپیٹے رہتے ہیں۔ اور باقی جسم ننگا رہتا ہے۔ لوگ جوق در جوق اُنہیں دیکھنے کے لئے اُمڈ آئے اور اُن کو دیکھ کر بڑے حیران و ششدر سے رہ گئے۔

یہ وفد اُن پچاس راجپوتوں کا تھا، جن کو جے پال نے سلطان کی خدمت میں بھیجا تھا۔ سب سے پہلے غزنی کا وزیرِ اعظم ابو العباس فضل اُن سے ملا۔ یہ شخص بھی سلطان کی طرح نرم مزاج اور عمر رسیدہ تھا۔ اُسے معلوم ہوا کہ جے پال نے اُنہیں بھیجا ہے اور وہ کوئی مراسلہ لے کر آئے ہیں۔ ابو العباس فضل نے سلطان سے کہا اور سلطان نے دربار منعقد کرنے کا حکم دے دیا۔ فوراً دربار آراستہ کر دیا گیا اور راجپوتوں کو دربار میں طلب کیا گیا۔ راجپوت غزنی کے مسلمانوں کے عالیشان مکانات اور شاہی ایوانات کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ اُنہوں نے ایسے ارفع و اعلیٰ، صاف ستھرے اور لمبے چوڑے محلات کہاں دیکھے تھے؟ بازار بھی نہایت کشادہ اور خوبصورت تھے۔ اُنہوں نے تمام مسلمانوں کا لباس ایک ہی قسم کا دیکھا۔ جب وہ دربار کی طرف روانہ ہوئے تو اُنہوں نے لاتعداد مسلمانوں کو بھی اسی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ ہندوستان میں قاعدہ تھا کہ دربار میں صرف درباری ہی جا سکتے تھے۔ عام لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ ہر شخص دربار کی کارروائی دیکھنے کے لئے جا سکتا تھا۔

چنانچہ جب ہندو، دربار کے سامنے والے میدان میں پہنچے تو اُنہوں نے مسلمان سواروں کے دستے کھڑے دیکھے جو عربی پوشاک پہنے، تلواریں اور نیزے لئے، بڑی شان و دبدبہ سے کھڑے تھے۔ اُنہیں دیکھنے والوں پر اُن کا اس قدر رعب پڑتا تھا کہ ایک دفعہ اُن کی طرف دیکھ کر دوبارہ دیکھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ راجپوت بھی خائف ہو گئے۔ دربار کی عمارت سطح زمین سے دو فٹ کی بلندی سے شروع ہوتی تھی۔ نہایت بلند اور بڑی شاندار عمارت تھی۔ خوبصورت بھی بہت تھی۔ ایسی سفید اور صاف شفاف تھی کہ دُور سے دیکھنے پر سنگ مرمر کی معلوم ہوتی تھی۔

راجپوت گھوڑوں سے اُتر کر جب اُس عمارت میں داخل ہوئے تو عام کمروں کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اور جب وہ دربار کے وسیع کمرے میں پہنچے تو کمال متحیر ہوئے۔ یہ کمرہ ڈیڑھ سو فٹ لمبا اور سوا سو فٹ چوڑا تھا۔ اُس کے چاروں طرف پتلے پتلے ستونوں کی بارہ دریاں تھیں۔ اُن ستونوں پر محراب دار دروازے بنے ہوئے تھے۔ یہ بارہ دریاں سولہ سولہ فٹ چوڑی تھیں۔ اُن میں ایک طرف سنگ مرمر کا چبوترہ تھا جس پر چاندی کا جنگلہ لگا ہوا تھا اور جنگلے سے ذرا ہٹ کر تخت تھا۔ تمام درباری ہال کا فرش سنگ مرمر کا تھا جس میں سنگ سبز سے پچی کاری ہو رہی تھی۔ اُس کمرے کی چھت 30 فٹ سے بھی زیادہ تھی بارہ دریوں میں عام تماشائی بیٹھے تھے اور اُن سے آگے درباری ہوتے تھے۔ اس وقت پورا کمرہ اور ساری بارہ دریاں لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ تمام مسلمان سفید لباس پہنے ہوئے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ تخت پر سلطان تھا اور اُس کے پہلو میں اُس کا عزیز از جان فرزند محمود بیٹھا تھا۔ کئی خواجہ سرا پیچھے کھڑے تھے۔ تخت پر سلطان تھا۔

راجپوت، دربار کی یہ شان دیکھ کر حیرت زدہ اور مرعوب رہ گئے۔ فرطِ خوف سے اُن کے جسم کانپنے لگے۔ وہ سلطان کے حضور میں پہنچ کر سجدہ کرنے کے لئے جھکنے لگے، مگر فوراً ہی اُن کو ابو العباس فضل وزیرِ اعظم نے جو چبوترے کے قریب چاندی کی کرسی پر بیٹھا تھا، روک دیا۔ ابو العباس نے اُن سے کہا۔ ''تم اگر کوئی مراسلہ لائے ہو تو پیش کرو۔''

سردار نے بڑھ کر مراسلہ وزیرِ اعظم کو دے دیا۔ اُس نے مراسلہ لیا اور سیڑھیوں پر چڑھ کر سلطان کے حضور میں گزارا۔ سلطان نے پڑھنے کا حکم دیا۔ اُس نے مہر توڑ کر پڑھنا شروع کیا۔

''ہندوستان کے مہاراجہ جے پال کی طرف سے امیر سبکتگین والی غزنی کو معلوم ہو کہ ہم راجپوت زرِ تاوان ادا کر کے اپنی قوم کو بدنام و رسوا نہیں کر سکتے۔ آپ اس

www.pdfbooksfree.pk

بات کو بھول جائیں! کہ ہم نے ایسا کوئی اقرار کیا تھا۔ اگر آپ اپنی بہتری چاہتے ہیں تو ہمارے اُن آدمیوں کو جنہیں بطور یرغمال آپ اپنے ساتھ لے گئے تھے، فوراً واپس بھیج دیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پھر اس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہم ہندوستان کے تمام راجے اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی گوشمالی کر کے آپ کو غزنی سے بدر کر دیں۔ آپ ہم سے لڑائی کا خیال تک بھی نہ کریں۔ ورنہ میدانِ جنگ میں ایک ایک مسلمان کو چن چن کر قتل کر ڈالا جائے گا۔ ہم اپنی طرف سے اس مہربانی کا اقرار کرتے ہیں کہ جب ہمارے آدمی ہمارے پاس پہنچ جائیں گے، تب ہم آپ کے آدمیوں کو رہا کر دیں گے۔ (میں ہوں راجہ جے پال والی ہند)

ابوالعباس فضل جوں جوں مراسلہ پڑھتا جاتا تھا، سلطان کا چہرہ فرطِ غیظ و غضب سے سرخ ہوتا جاتا تھا۔ اُس کی آنکھیں شعلے برسانے لگی تھیں۔ جب مراسلہ ختم ہوا تو اُس نے درباریوں اور تماشائیوں پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ اُسے ہر مسلمان غیظ و غضب سے بھرا ہوا نظر آیا۔ تمام دربار میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ راجپوت دزدیدہ نظروں سے مسلمانوں کی کیفیت دیکھ رہے تھے۔ سلطان نے غضبناک ہو کر کہا۔ ''بدعہد بھول گیا اُس وقت کو جبکہ گڑگڑا کر مجھ سے رحم و مہربانی کی درخواست کی تھی۔ لاہور جا کر وہ سمجھنے لگا ہے کہ وہ اب مسلمانوں کی دستبرد سے دُور ہو گیا۔ مگر اس بات کو نہیں جانتا کہ مسلمانوں میں خدا کے فضل و کرم سے یہ قوت ہے کہ وہ اُس کے گھر پر بھی جا کر اُسے اُس کی گستاخی کی سزا دے سکتے ہیں..... خیر! وہ مسلمانوں کی تلواروں کو ہندوؤں کے سروں پر بلند دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کو وہ دکھا دیا جائے گا، جس کے دیکھنے کا وہ خواہشمند ہے۔''

سلطان کے خاموش ہوتے ہی محمود نے کہا۔ ''عالم پناہ! میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ ان کے قول و فعل کا کچھ اعتبار ہی نہیں ہو سکتا۔''

سبکتگین: ''مجھے یاد ہے۔ تم نے کہا تھا اور میں بھولا نہیں ہوں۔ مگر میں اُسے ایسا پست نہ سمجھتا تھا۔ اُس کے دماغ میں غرور چھا گیا ہے۔ اُس کا سر توڑ کر اُس کا گھمنڈ خاک میں ملا دُوں گا۔''

اب سلطان قاصدوں کی طرف متوجہ ہوا۔ تمام راجپوت فرطِ خوف و دہشت سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ سلطان نے کہا۔ ''جاؤ! اُس سے کہہ دو کہ اُس کے مراسلے کا جواب تلواروں کی نوک سے دیا جائے گا۔ اور اس کے آدمیوں کو اس لئے رہا نہیں کیا جا سکتا کہ اُس نے مسلمانوں کو روک لیا ہے۔''

راجپوت سلطان اور مسلمانوں کو غضبناک دیکھ کر سہمے جا رہے تھے۔ وہ اپنی زندگیوں سے مایوس ہو گئے تھے۔ سمجھ رہے تھے کہ سلطان غصہ سے بھر کر کچھ عجب نہیں کہ اُن سب کو قتل کر ڈالنے کا حکم دے دے۔ مگر جب سلطان نے اُن کو جانے کا حکم دے دیا تو اُن کی جان میں جان آئی۔ اُنہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور ہاتھ جوڑ کر سلام و تعظیم کے لئے جھکے اور چپ چاپ دربار سے نکلتے چلے گئے۔

اب سلطان نے کہا۔ ''مجھے اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ جھوٹا جے پال کہیں مسلمانوں کو قتل نہ کرا دے۔ اس لئے بہت جلد لشکر کو تیار کیا جائے۔ باربرداری کے چھکڑے اور رسد کا سامان کل ہی سے روانہ کرنا شروع کر دیا جائے۔''

ابوالعباس فضل نے ادب سے جھک کر شاہی فرمان کی فوراً تعمیل کی۔ ''آپ مطمئن رہیں۔''

سلطان: ''اعلان کر دو! کہ ہندوستان پر لشکر کشی ہو گی۔ مجاہدین فوج میں بھرتی ہونے کے لئے آ جائیں۔ میں اُس بدسرشت اور دغاباز راجہ کو اُس کی دغابازی اور فریب دہی کی پوری پوری سزا دُوں گا۔''

ابوالعباس فضل: ''بہتر ہے حضورِ والا!''

چونکہ سلطان کا مزاج بہت برہم ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ اُٹھ کر چلا گیا۔ اُس کے جاتے ہی تمام مسلمان بھی اُٹھ کر دربار سے چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

منورما جوان ہو چکی تھی۔ جوں جوں وہ جوانی کی حد کو پہنچ رہی تھی، اُس کا حسن عالم افروز اُسے کچھ کا کچھ بناتا جا رہا تھا۔ اب وہ ایسی رشکِ مہ پارہ حسینہ بن گئی تھی کہ ہر وہ شخص جو اُسے دیکھتا تھا، اُس کا گرویدہ بن جاتا تھا۔

چونکہ اب اُس کی عمر سترہ اٹھارہ سال کی ہو گئی تھی اس لئے حسن شباب کی آغوش میں جھولنے لگی تھی۔ وزیرِ اعظم کو اب اُس کی فکر دامن گیر ہو گئی تھی۔ یوں تو اُس کی نظروں میں بہت سے ایسے لڑکے تھے جن سے وہ اُس کی شادی کر دینے پر رضامند تھا۔ لیکن ملتان میں ایک معزز گھرانہ تھا جو بڑا متمول تھا۔ اُس خاندان میں صرف ایک ہی لڑکا تھا اُس کا نام گنگا دت تھا۔

سیلا دت کی نظرِ انتخاب اُس پر پڑی۔ اُس نے اپنی بیوی چندر کلا سے اس کا تذکرہ کیا۔ چندر کلا نے بھی اُسے منظور کر لیا۔ سیلا دت نے کچھ آدمی اور ایک نائی منگنی کی رسم ادا کرنے کے لئے ملتان گنگا دت کے پاس بھیجے۔ گنگا دت، منورما کے حسن کی تعریف سن چکا تھا۔ جونہی یہ لوگ اُس کے پاس آئے، اُس نے بڑی خوشی سے اس رشتہ کو منظور کر لیا اور منگنی کی تمام کارروائی باحسن انداز سے اختتام پذیر ہوئی۔

ملتان، راجہ جے پال ہی کے زیرِ حکومت تھا۔ اُس کا علاقہ کشمیر سے ملتان اور لاہور سے لمغان تک پھیلا ہوا تھا۔

گنگا دت کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اُسے اس قابل سمجھا جائے گا کہ جس سے منورما جیسی حسین و نازک اندام دوشیزہ سے اُس کی شادی ہو سکے۔ وہ منگنی ہونے کے بعد چھپ کر ملتان سے لاہور آیا اور ایک نظر منورما کو دیکھ لینے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ چونکہ اکثر و بیشتر منورما مندر میں جایا کرتی تھی، اس لئے گنگا دت نے اُسے دیکھ لیا۔ اُس کی ایک ہی نظر اُس کے لئے برقِ خاطف کا کام کر گئی اور اُس کا سرمایہ صبر و قرار جل کر راکھ ہو گیا اور وہ ہزاروں جان سے

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

اُس پر شیفتہ ہو گیا۔

گنگا دت بھی نوجوان تھا۔ خلیل تھا۔ اُس نے یہ بھی کوشش کی کہ منورما بھی اُسے دیکھ لے اور پہچان لے۔ لیکن منورما نے اُس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ گنگا دت دو چار روز لاہور میں خفیہ طریقے سے قیام کرنے کے بعد واپس ملتان لوٹ آیا۔ اور اب اس بات کی کوشش کرنے لگا کہ شادی کا کام جلد از جلد سرانجام دے دیا جائے۔

منورما کو بھی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اُس کی نسبت ایک برہمن زادہ سے ملتان میں قرار پا چکی ہے۔ اور شادی عنقریب ہونے والی ہے۔ اس بات کا اُسے بڑا فکر ہوا۔ اور وہ اسی تردد و تفکر میں شب و روز گھلتی چلی جا رہی تھی۔ رادھا کو بھی اُس سے بہت زیادہ محبت ہو گئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ تمام دنیا کی مسرت منورما اور صرف منورما ہی کے حصے میں آ جائے۔ اور وہ ہر وقت سرور اور خندہ جبیں نظر آئے۔ لیکن اکثر و بیشتر یہ دیکھا گیا ہے کہ دنیا جسے خوش دیکھنا چاہتی ہے، چرخ کجرفتار سب سے زیادہ اُسے ہی پامالِ غم کرنے میں مشتاق نظر آتا ہے۔

رادھا ایک راجپوت سردار کی بیٹی تھی اور اُس کی نسبت لاہور ہی میں تیج سنگھ نامی راجپوت نوجوان کے ساتھ قرار پا چکی تھی۔ چونکہ رادھا کا باپ معرکہ لمغان میں کام آ چکا تھا اس لئے شادی ایک حد تک روک دی گئی تھی اور ابھی تک رُکی تھی۔ رادھا کو بھی تیج سنگھ سے اور تیج سنگھ کو رادھا سے اُنسیت تھی۔ چند مرتبہ تیج سنگھ نے کوشش بھی کی کہ رادھا سے مل کر باتیں کر سکے۔ لیکن رادھا نے اس کا موقع نہ آنے دیا۔ وہ اکثر ایسے مواقع پر کترا جاتی تھی۔ رادھا دیکھ رہی تھی کہ منورما دن بدن لاغر اور نحیف ہوتی چلی جا رہی ہے۔ وہ یہ سمجھی کہ اُسے منصور کے قید ہو جانے کا غم ہے۔ یہ بات اُس کے اختیار سے باہر تھی کہ وہ اُسے قید خانہ سے چھڑا سکے۔ تاہم وہ رستگاری کی تدابیر میں مصروف ضرور تھی اور ابھی تک اُسے کامیابی نہ ہوئی تھی۔

ایک روز شام کے وقت وہ اچانک منورما کے کمرے میں جا پہنچی۔ جب اُس کی نظر اُس پر پڑی تو رادھا نے منورما کو روتے ہوئے دیکھا۔ منورما کی نرگسی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک چشمہ جاری تھا اور آنسوؤں کا ایک سیلاب اُس کے رُخسار آتشیں کو تر کرتا ہوا بہہ رہا تھا۔

رادھا اُسے روتے ہوئے دیکھ کر تڑپ گئی۔ وہ بڑی اور بے قرار ہوتے ہوئے اُس کے پاس بیٹھ کر بولی۔ ''تم رو رہی ہو منورما؟''

منورما محویت کے عالم میں بے خبر بیٹھی تھی۔ اُس نے رادھا کو آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اُس کی آواز سن کر چونک پڑی اور اُس نے اشک بار نظریں اُوپر اُٹھاتے ہوئے دیکھا اور دیکھتے ہی بیش از بیش پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ رادھا نہایت بیقرار ہو گئی۔ اُس کا دل بھر آیا۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔ ''منورما! میری اچھی بہن! نہ رو۔ دیکھو! میرا دل اُلٹ جائے گا۔''

منورما نے ریشمی ساڑھی کے آنچل سے اپنے آنسو پونچھے اور سسکیاں لینے لگی۔ رادھا نے کہا۔ ''آج ایسی کیا بات ہو گئی ہے جو تم رو رہی ہو؟''

منورما نے اُس کی طرف معصومانہ اور رحم طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''رادھا! میں کیوں پیدا ہوئی؟ کیا کلیش (غم) اُٹھانے کے لئے؟''

رادھا: ''تم بے وجہ کڑھ رہی ہو۔''

منورما نے گہرا ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ''آہ! تجھے کیا خبر ہے رادھا! میں ہی جانتی ہوں کہ میرے من پر کیا بیت رہی ہے۔''

رادھا: ''میری اچھی بہن! مجھے بھی بتاؤ! آخر کیا بات ہے؟''

منورما: ''بات..... آہ! کیا تجھے خبر نہیں ہے؟''

رادھا: ''مجھے خبر ہے؟ مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔''

منورما: ''رادھا! یہ لوگ میری شادی کرنے والے ہیں۔''

رادھا: ''مگر میں نے تو سنا تھا کہ جب تک سلطان کے پاس سے قاصد واپس نہ آ جائیں، شادی کو معرض التواء میں ہی رکھا جائے گا۔''

منورما: ''میں نے بھی یہی سنا تھا۔ مگر رات ماتا جی پتا جی سے چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں جو کہ اتفاق سے میں نے بھی سن لیں۔''

رادھا: ''کیا باتیں کر رہی تھیں وہ؟''

منورما: ''پتا جی کہہ رہے تھے کہ وہ (گنگا دت) تقاضہ کر رہے ہیں کہ اب شادی کی تاریخ مقرر ہی کر دینی چاہئے۔''

رادھا: ''تمہاری ماتا جی نے کیا کہا؟''

منورما: ''وہ خود بھی یہی چاہتی ہیں۔ کہنے لگیں کہ لڑکی سیانی ہو گئی ہے۔ اسے بٹھائے رکھنا ٹھیک نہیں۔ وہ بھی تقاضہ کر رہے ہیں اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ لہٰذا شادی کی تاریخ مقرر کر کے اطلاع دے دو!''

رادھا: ''یہ تو برا ہوا۔''

منورما: ''میں کیا کروں گی رادھا؟ کیا اُن (گنگا دت) سے میری شادی ہو جائے گی؟''

رادھا: ''رُک کیسے سکتی ہے؟''

منورما: ''لیکن ہندو کنیا تو اپنے پتی (شوہر) کا انتخاب ساری عمر میں صرف ایک ہی دفعہ کرتی ہے۔''

رادھا: ''اور وہ تم کر چکی ہو؟''

منورما: ''ہاں!''

رادھا: ''پھر اُسی سے تمہاری شادی ہو رہی ہے۔''

منورما نے رادھا کی طرف متجسس نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ''اُسی کے ساتھ ہو رہی ہے؟ رادھا! کیا تم غلط فہمی میں تو مبتلا نہیں؟ یا اس وقت مجھے بنا رہی ہو؟''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

رادھا: ''نہیں بہن! میں سچ کہہ رہی ہوں۔''

منورما: ''بھولی رادھا! میرا پتی وہ نہیں ہے۔''

رادھا: ''پھر؟''

منورما: ''وہ ہے، جس نے میری جان بچائی ہے۔ جس جان کو اُس نے بچایا ہے، اُس کا وہی مالک ہے۔''

رادھا: ''کیا وہی مسلمان لونڈا؟''

منورما: ''ہاں..... اور کون؟ کیا تجھے معلوم نہیں رادھا؟''

رادھا: ''مگر وہ تو مسلمان ہے۔''

منورما: ''خواہ کوئی ہو، میں اُس کی ہوں اور اُسی کی رہوں گی۔''

رادھا: ''مگر یہ تو مشکل معلوم ہوتا ہے۔''

منورما: ''جب میں بالکل نا اُمید ہو جاؤں گی، تب میں اپنی جان دے دُوں گی۔''

رادھا، منورما کی طرف دیکھ رہی تھی۔ منورما نے بڑے استقلال کے ساتھ یہ بات کہہ دی تھی۔ جس سے وہ سمجھ گئی تھی کہ جو اُس نے کہا ہے، وہی کرے گی۔''

رادھا: ''لیکن اگر اُس مسلمان نے ہی اس بات کو منظور نہ کیا تو؟''

منورما: ''وہ اس بات کو تو مان لے گا کہ میں اُس کی داسی (کنیز) ہونے کی حیثیت سے اُس کے پاس رہوں۔''

رادھا: ''ہاں! شاید اس سے عذر نہ ہو۔''

منورما: ''میں اسی کو غنیمت سمجھوں گی۔''

رادھا: ''لیکن جب اُس کی شادی ہو جائے گی؟''

منورما: ''تب میں اُس کی اور اُس کی پتنی (بیوی) کی خدمت کروں گی۔''

رادھا: ''مگر تم کیسے اس بات کو برداشت کرو گی؟''

منورما: ''کیوں نہ کروں گی؟ میں تو صرف اُنہیں دیکھنا اور اُن کے پاس ہی رہنے میں اپنی بہتری سمجھتی ہوں۔''

رادھا: ''مگر تم اس بات سے واقف نہیں ہو کہ جس سے پریم (محبت) ہو جاتا ہے، جی نہیں گوارہ کرتا کہ کوئی دوسرا اُس سے پریم کرے۔''

منورما: ''نہیں رادھا! پریمی کو لازم ہے کہ جس سے پریم ہو جائے، اُس سے ہر حالت میں پریم کرے۔''

رادھا: ''لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ اُسے مہاراج چھوڑ دیں؟ ممکن ہے کہ سلطان جنگ شروع کر دے اور مہاراج غصہ میں آ کر تمام مسلمانوں کو قتل کرا دیں۔''

منورما: ''میں مہاراج سے اُن کے جیون (زندگی) کی بھکشا (بھیک) مانگوں گی۔''

رادھا: ''کیا تم اُن سے سب کچھ کہہ دو گی؟''

منورما: ''کہنا ہی پڑے گا۔''

رادھا: ''اگر اُنہوں نے تمہارے کہنے سے اُنہیں رہا کر بھی دیا تو کیا وہ پھر اپنے وطن جانا نہ چاہے گا؟''

منورما: ''میں سمجھتی ہوں کہ وہ یہاں نہ رہے گا۔ ضرور اپنے دیس جائے گا۔''

رادھا: ''پھر تم کیا کرو گی؟''

منورما: ''میں بھی اُس کے ساتھ جاؤں گی۔''

رادھا: ''اگر اُس نے لے جانا نہ چاہا؟''

منورما: ''غیر ممکن ہے۔''

رادھا: ''کیوں؟''

منورما: ''اس لئے کہ جب ایک طرف پریم ہوتا ہے تو دوسری طرف بھی اُس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔''

رادھا: ''مگر یہ مسلمان کچھ عجیب قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔''

منورما: ''ہوں۔''

رادھا: ''تب تو ہمیں اُس کی رہائی کی کوشش کرنی چاہئے۔''

منورما: ''میری اچھا (خواہش) یہی ہے۔''

رادھا: ''مگر کیا اور کیسے کوشش کریں ہم؟''

منورما: ''جیل خانہ کے محافظ کو رشوت دو!''

رادھا: ''رشوت دینے کو دھن (دولت) کہاں سے آئے؟''

منورما: ''میرے پاس جس قدر زیورات ہیں، وہ سب دے دُوں گی۔''

رادھا: ''اور تمہارے پاس زیورات نہ دیکھ کر تمہاری ماتا جی جب پوچھیں گی تو کیا جواب دے کر چھٹکارا حاصل کرو گی؟''

منورما: ''بہانہ کر دُوں گی کہ چوری ہو گئے۔''

رادھا: ''اچھا..... میں کوشش کروں گی۔''

منورما: ''کس طرح سے کوشش کرو گی تم؟''

رادھا نے شرماتے ہوئے کہا۔ ''اُن (تیج سنگھ) سے کہوں گی۔''

منورما نے چونک کر کہا۔ ''تیج سنگھ سے کہو گی؟ لیکن اگر اُس نے کسی اور سے اس بات کا تذکرہ کر دیا تو پھر کیا ہو گا؟''

رادھا: ''اطمینان رکھو! وہ ایسے نہیں ہیں۔ جب میں اُن کو منع کر دُوں گی تو وہ کسی سے نہیں کہیں گے۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

سنورما: ''لیکن اگر اُنہوں نے کسی سے کہہ دیا............؟''

رادھا: (قطع کلام کرتے ہوئے) بالکل بھی نہیں کہیں گے۔ ایک مرد کی شرکت کے بغیر ہم کر بھی کیا سکتی ہیں؟''

سنورما: ''یہ تو تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ مگر اُن سے پہلے بچن (عہد) ضرور لے لینا۔''

رادھا: ''میں سب کچھ کرلوں گی۔ تم فکر نہ کرو۔''

سنورما نے۔ ''کوشش کروگی تم؟''

رادھا: ''میں آج ہی شام کو اُن سے ملوں گی۔''

سنورما نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ''میری اچھی بہن! میری زندگی بچانے کے لئے جو کچھ کر سکتی ہو، کرو!''

رادھا: ''میں کہہ چکی ہوں کہ تم کو خوش دیکھنے کے لئے اپنی جان تک دے ڈالوں گی۔''

سنورما: ''میرا بال بال تم کو دُعا دے گا۔''

رادھا: ''اچھا! اقرار کرو کہ اب تم کبھی نہ روؤ گی۔''

سنورما: ''میں اقرار کرتی ہوں کہ صبر و جبر سے کام لوں گی۔''

رادھا: ''اچھا...... اب میں جا رہی ہوں۔ اگرچہ میں اُن سے آج تک پہلو تہی کرتی رہی ہوں۔ حالانکہ اُنہوں نے اکثر اوقات مجھ سے بات کرنے کی کوشش بھی کی۔ اور ہر بار میں اُن کو طرح دے کر نکل آئی...... مگر آج اُن سے خود ملوں گی اور اُنہیں اپنا بنا کر اقرار لیتے ہوئے اُن سے امداد طلب کروں گی۔ یقین ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ تو کر ہی سکیں گے۔''

سنورما نے مشکورانہ نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم میرے لئے کس قدر مہربانی کرنے پر تیار ہوگئی ہو۔''

رادھا: ''بس! اب میں یہاں سے سیدھی مندر میں جاؤں گی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اُٹھ کر کھڑی ہوئی اور سنورما کے کمرے سے نکل کر باہر چلی گئی۔ سنورما اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی، اُس وقت تک کہ جب تک رادھا اُسے نظر آتی رہی۔

☆......☆......☆

رادھا، وزیر کے محل سے نکل کر اپنے راستہ پر ہو لی۔ اُس کا مکان بھی قریب ہی تھا۔ وہ درمیانی راستہ طے کر کے اپنے گھر میں داخل ہوئی۔ اُس کی والدہ ساڑھی پہنے کہیں جانے کے لئے تیار بیٹھی تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ یہ تاخیر محض رادھا کی عدم موجودگی نے پیدا کر دی تھی۔ لہٰذا اُسے دیکھتے ہی اُس نے کہا۔ ''تم نے تو بہت دیر لگا دی رادھا! میں دیر سے بیٹھی تیرا انتظار کر رہی ہوں۔ دیوں میں بتی پڑ چکی ہے۔ مندر میں جانے کا یہی تو وقت ہے۔''

رادھا نے کہا۔ ''آج سنورما کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ اُس نے مجھے اُٹھنے ہی نہ دیا۔ لہٰذا میں وہیں بیٹھی رہی۔''

رادھا کی ماتا نے کہا۔ ''اُس کی ماتا بھی کہہ رہی تھی کہ وہ کچھ دنوں سے قدرے روگی سی معلوم ہونے لگی ہے۔ کچھ معلوم بھی ہوا کہ کیا روگ (مرض) ہے؟''

رادھا: ''کچھ بھی معلوم نہیں ہوا۔ وہ خود بھی نہیں کہہ سکتی کہ اُسے کیا روگ لاحق ہوگیا ہے؟''

ماتا: ''میں نے اُس کی ماتا سے کہہ دیا ہے کہ وہ اُس کی شادی کر دیں۔ تمام روگ جاتے رہیں گے۔''

رادھا: ''مگر اُسے تو شادی کے نام سے ہی نفرت ہے۔''

اُس کی ماں نے حیرت سے رادھا کو دیکھا۔ ''شادی کے نام سے نفرت ہے؟''

رادھا: ''جی ہاں...... اُسے سب سے بڑا فکر اسی بات کا ہے۔''

ماتا: ''مگر لگن تو اب جانے والا ہے۔''

رادھا: ''اسی سے شاید وہ پریشان رہتی ہے۔ اگر ہو سکے تو آپ اُس کی ماتا سے کہہ کر ابھی رُکوا دیں۔''

ماتا: ''میں کہوں گی۔ اچھا! تو بھی ساڑھی بدل کر تیار ہو جا۔''

رادھا: ''بہت اچھا۔''

وہ چلی اور اپنے کمرے میں پہنچ کر جو ساڑھی وہ پہنے ہوئے تھی، وہ اُتار کر نارنجی ساڑھی باندھ کر آبدار موتیوں کے ہار پہن کر باہر نکلی۔ اس وقت اُس کے چہرے کا رنگ پھوٹ نکلا اور وہ اچھی حسینہ معلوم ہونے لگی۔ چراغ روشن ہو گئے تھے۔ مٹی کے چراغوں میں سرسوں کا تیل جلتا تھا۔ دھیمی دھیمی روشنی تمام گھر میں پھیل گئی تھی۔ اس ہلکی روشنی میں رادھا اور بھی خوبصورت معلوم ہو رہی تھی۔

اُسے دیکھتے ہی اُس کی ماں اُٹھ کر کھڑی ہوگئی اور رادھا کو ہمراہ لے کر چلی۔ اُن دونوں کے پیچھے ایک داسی چلی۔ یہ داسی ادھیڑ عمر کی تھی اور سفید دھوتی باندھے ہوئے تھی جو گھٹنوں سے اُونچی

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

تھی اور اتنی چھوٹی کہ اس سے تمام اُوپر کا بدن بھی نہ ڈھکتا تھا۔ پیٹ کا کچھ حصہ اور کچھ سینے کا کھلا ہوا تھا۔ یہ داسی ہندوستان کے اصل باشندوں کی قوم سے تھی۔ اُسی قوم سے جنہیں ہندوؤں نے لوٹ لیا تھا۔ اُن کے مردوں کو مار ڈالا اور عورتوں کو داسی (کنیزیں) بنالیا تھا۔

ہندو، ہندوستان کے ان قدیم باشندوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اُنہوں نے اُن پر طرح طرح کے مظالم کر کے اُنہیں اپنے غلام اور کنیزیں بنا لیا تھا۔ ساتھ ہی اُن میں تقسیم کار بھی کر دی گئی تھی۔ کسی سے گھاس کھدواتے، بوجھ اُٹھواتے اور گھوڑوں کو ملنے دلنے کا کام لیتے اور کسی سے گھر کا کوڑا کرکٹ اُٹھواتے، کسی سے پانی بھرنے اور برتن وغیرہ مانجھنے کا کام لیتے تھے۔ اگر وہ انکار کرتے تھے تو اُن پر بے پناہ ظلم وستم اور اس قدر بے رحمیاں کرتے تھے کہ جن کے خیال تک سے بھی انسانیت کانپ اُٹھتی تھی۔

آج ہندوستان میں جو اچھوت یا ہریجن ہیں جن کو بالفاظ دیگر شودر کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے، وہ کوئی نیچ قوم سے نہیں ہیں۔ بلکہ وہی تو ہندوستان کے قدیم اور اصلی باشندوں کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ ناممکن تھا کہ کسی اچھوت کو کسی مندر میں جانے دیا جاتا یا اُن کے ہاتھ اپنے کپڑوں سے لگنے دیتے۔ اُنہیں بے حد نفرت اور نہایت حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اُنہیں انسانوں کی صف سے ہی خارج سمجھا جاتا تھا اور اپنے کنوؤں سے پانی تک نہیں بھرنے دیتے تھے۔ شاید اُنہیں یہ خوف تھا کہ کہیں ہندوستان کے یہ باشندے اپنے پیروں پر کھڑے نہ ہو جائیں۔ اور اُنہیں یہ احساس نہ ہو جائے کہ ہندوستان، ہندوؤں کا ملک نہیں ہے، بلکہ خود ان کا ہی ملک ہے۔

جیسا کہ آج ہندو، انگریز سے کہہ رہا ہے کہ وہ اُنہیں آزادی عطا کر دیں، اسی طرح کل کو اچھوت، ہندو سے مطالبہ کرنے لگے کہ تم بھی ہندوستان چھوڑ کر پہاڑوں میں جا گھسو! ملک ہمارا ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے خالی کر دو۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے ہندوستان کے قدیم باشندوں پر ہمیشہ تعدیاں اور سختیاں کی ہیں۔ جب سے مسلمان ہندوستان میں آئے، اُس وقت سے اچھوتوں پر ہندوؤں کے مظالم کم ہونا شروع ہو گئے تھے۔ کیونکہ مسلمان دونوں قوموں کو ایک نظر سے دیکھتے تھے۔ اور جب انگریز ہندوستان میں آئے تو اُنہوں نے ہندوؤں کو تنبیہ کر دی کہ وہ اچھوتوں کو بھی انسان ہی سمجھیں۔ اور اُن کے ساتھ بھی انسانوں کا سا سلوک کریں جس سے کہ اچھوتوں نے آرام واطمینان کا سانس لیا اور اُن کے مصائب میں ایک حد تک کمی ہو گئی۔

اگر خدانخواستہ ہندوستان سے مسلمان اور انگریز چلے گئے تو پھر بیچارے اصل باشندوں کا خدا حافظ ہے۔ ہندو ان کو بالکل ہی ہڑپ کر ڈالیں گے۔

ہندوستان میں یکے بعد دیگرے اوّل ''آرین'' جو اپنے آپ کو ہندو کہنے لگے ہیں، دوسرے مسلمان اور تیسرے انگریز آئے ہیں۔ انصاف تو یہ ہے کہ جس طرح سے یہ تینوں قومیں آئی ہیں، اُسی طرح چلی جائیں۔ یعنی پہلے ہندوستان سے ہندو رخصت ہو جائیں، پھر مسلمان، اور پھر

انگریز۔

اگر ہندو جانے کے لئے تیار نہیں ہیں تو اُنہیں کیا حق ہے کہ وہ کسی دوسری قوم کو ہندوستان سے چلے جانے کے لئے کہیں۔ نہ اُن کی اس ہرزہ سرائی پر قوم کان دھر سکتی ہے، نہ اُن کی یہ آواز مجذوبوں کی بڑ سے زیادہ وقعت رکھتی ہے۔

خیر! داسی اُن دونوں کے پیچھے چلی۔ وہ برتن مانجھنے کا کام کیا کرتی تھی۔ اُس کے ہاتھوں میں ایک پیتل کا تھال تھا جس میں آٹے کے بنے ہوئے کئی چراغ تھے۔ جن میں گھی جل رہا تھا۔ کچھ چاول تھے اور کچھ ارد۔ ایک طرف کچھ پھول تھے۔ اور ایک پیتل کے لوٹے میں تھوڑا سا پانی تھا۔

یہ تینوں گھر سے باہر نکل کر سڑک پر ہولیں۔ دن کو چھپے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ اندھیرا ہر طرف پھیلنے لگا تھا۔ اور چونکہ راستوں پر روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا اس لئے دن کے چھپتے ہی تاریکی نے اپنا قبضہ جمانا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت بھی کافی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ یہ تینوں چل کر ایک احاطہ میں داخل ہوئیں۔ یہ احاطہ نہایت وسیع تھا۔ اس کے بیچ میں ایک نہایت اُونچا مندر تھا۔ اُس میں ناقوس اور گھنٹے وغیرہ بجائے جا رہے تھے۔ اُن کی آوازوں سے تمام احاطہ گونج رہا تھا۔ عورتیں اور مرد مندر میں آ اور جا رہے تھے۔ وہ تینوں بھی احاطہ کو طے کر کے مندر کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگیں۔ مندر کی سطح زمین سے تقریباً سات آٹھ فٹ اُونچی تھی۔ اُس پر چڑھنے کے لئے لمبی اور چوڑی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ وہ سیڑھیوں پر چڑھ کر برآمدے میں پہنچیں۔ یہاں کئی چراغ جل رہے تھے۔ اور پوجا کرانے والوں کے ہاتھ میں جو چراغ تھے، وہ بھی روشن ہو رہے تھے۔ ان سے سارا برآمدہ خوب روشن ہو رہا تھا۔

یہاں بہت سی عورتیں اور کثیر التعداد مرد جمع تھے۔ جونہی یہ تینوں برآمدے میں پہنچیں، اُنہیں ایک نوجوان کھڑا ملا، جو رادھا کی طرف دیکھنے لگا۔ جب رادھا کی اُس پر نظر پڑی تو اُس نے شرما کر سر جھکاتے ہوئے جلدی سے ساڑھی کا آنچل کھینچ کر سر کو اچھی طرح سے ڈھک لیا۔ نوجوان بڑھ کر رادھا کی ماں کے پاس آیا اور جھک کر اُس کے پیر چھونے لگا۔ رادھا کی ماں نے اُسے دُعا دی۔ یہی نوجوان تیج سنگھ تھا۔

جب وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا اور اُس نے پھر رادھا کی طرف دیکھا تو رادھا نے اُسے اشارہ کیا۔ غالباً ٹھہرنے کا۔

آج سے پہلے تیج سنگھ نے خود کئی مرتبہ کوشش کی تھی کہ رادھا اُس سے باتیں کرے، لیکن اُس نے کبھی اس کا موقع نہ دیا تھا۔ مگر آج جب رادھا نے خود اُسے ٹھہر جانے کا اشارہ کیا تو وہ باغ باغ ہو گیا اور اُس کے آرزومند بشرہ سے مسرت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

رادھا اور اُس کی والدہ تھال لے کر اندر بڑھیں اور برآمدہ طے کر کے ایک کمرے میں پہنچیں۔ رادھا نے پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا تیج سنگھ ہے یا چلا گیا؟

بھلا تیج سنگھ اب کہاں جا سکتا تھا؟ وہ کھڑا تھا اور اُسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رادھا کے ہونٹوں

www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

پر ہلکا سا تبسم کھیلنے لگا۔ مگر اُس نے فوراً ہی شرما کر ایک ادائے جانانہ سے اپنی گردن پھیر لی۔ حسینوں کا کسی دل گرفتہ کو ناز بھری چتون سے دیکھ کر مسکرا دینا ایسا چلتا ہوا جادو ہے جس کا مارا کوئی نوجوان بھی نہیں بچتا۔

رادھا، تیج سنگھ پر جادو نگاری کر کے چلی اور اُس کمرے کو عبور کر کے تیسرے کمرے میں پہنچی۔ اس میں ایک چھوٹی سی سہ دری بنی ہوئی تھی اور اُس سہ دری کے بیچ کے در میں ایک بت رکھا تھا۔ بیسیوں چراغ جو آٹے کے بنے ہوئے تھے اور جن میں گھی جل رہا تھا، اُس کے قریب رکھے تھے۔ کئی تھالوں میں چاول اور ارد بھرے ہوئے تھے۔ بت کے پیروں میں پھولوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ سہ دری سے ملے ہوئے کئی جوان اور موٹے تازے پنڈت معمولی قسم کی دھوتیاں رانوں تک باندھے، جنیو گلوں میں ڈالے بیٹھے تھے۔ رادھا اور اُس کی ماں بڑھ کر بت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں پر کھڑی ہو گئیں۔ اُنہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر کے بعد آنکھیں کھولیں۔ رادھا نے تھال لے کر پہلے پھول، بت کے پیروں میں ڈال دیئے، پھر لٹیا میں سے پانی لے کر اُس پر چھڑکا اور چاول، چاولوں کے تھال میں اور ارد اردوں کے تھال میں ڈال دیئے۔

ایک برہمن نے رادھا اور اُس کی ماں کے ماتھے پر قشقہ (ٹیکا) لگایا۔ اور یہ دونوں وہاں سے نکل کر برآمدے میں آ گئیں۔ تیج سنگھ اُنہیں آتے ہوئے دیکھ کر ایک طرف ہٹ گیا۔ رادھا نے اُسے دیکھ لیا تھا۔ مگر اُس کی ماں نے نہ دیکھا۔ رادھا نے برآمدے میں آتے ہی اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے ایک لڑکی اُس سے ذرا فاصلے پر کھڑی نظر آئی۔ اُس نے اپنی ماں سے کہا۔ ''ماتا جی! جمن سوبھی سامنے کھڑی ہے۔ آپ آگیا (اجازت) دیں تو میں اُس سے مل آؤں؟''

اُس کی ماں نے کہا۔ ''جا! مل آ۔ داسی کے ساتھ چلی آنا۔ میں جا رہی ہوں۔''

رادھا پہلے ہی اس بات کی خواہشمند تھی۔ اُس کی ماں چلی گئی اور رادھا بھیڑ کو چیرتے ہوئے بڑھنے لگی۔ مگر وہ کچھ دُور جا کر رُک گئی اور اپنی ماں کو دیکھنے لگی۔ جب اُس کی ماں سیڑھیوں سے اُتر کر دُور نکل گئی تو وہ داسی کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ ''داسی! تم ذرا بیٹھ جاؤ اور میرا انتظار کرو۔ میں ابھی آتی ہوں۔''

داسی کو حکم کے ماننے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ لہٰذا وہ ایک ستون سے سہارا لیتے ہوئے بیٹھ گئی۔ رادھا نے تیج سنگھ کو دیکھا، تیج سنگھ اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رادھا نے اُسے اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور خود تیزی سے سیڑھیوں کی طرف چل پڑی۔ مگر داسی کی نظروں سے بچتے ہوئے۔

وہ اندھیرے میں پہنچی اور سیڑھیوں سے اُتر کر داہنی طرف روانہ ہوئی۔ جس طرف کا رادھا نے رُخ کیا تھا، اُس طرف کوئی بھی نہ تھا۔ اور کچھ دُور چل کر وہ اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

☆......☆......☆

رادھا، اندھیرے میں چلی جا رہی تھی۔ آہستہ آہستہ پیچھے کو مڑ کر دیکھتے ہوئے اُسے اندھیرے میں ایک سایہ حرکت کرتا ہوا اپنے پیچھے پیچھے آتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ مندر کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔ اُس جگہ بھی چند ایک چراغ روشن ہو رہے تھے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ تیج سنگھ بھی آ گیا۔

اُسے دیکھتے ہی رادھا شرما گئی۔ اُس نے پھر ساڑھی کا آنچل کھینچ کر درست کیا اور شرمائے ہوئے انداز سے سر جھکائے کھڑی ہو گئی۔ تیج سنگھ اُس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اُس نے کہا۔ ''آج میں جس قدر بھی اپنی خوش بختی پر ناز کروں، کم ہے۔''

رادھا نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دزدیدہ نگاہوں سے اُسے دیکھتی رہی۔ تیج سنگھ نے پھر کہا۔ ''بولو میری پیاری! بولو۔''

رادھا، شرم و حیا کی گڑیا بنی کھڑی تھی۔ وہ لجیا (شرم) کے مارے ساگر (سمندر) میں ڈوبی جا رہی تھی۔ بات کرنا تو چاہتی تھی لیکن نازک لب خشک ہو گئے تھے اور بات تک نہ کی جاتی تھی۔

تیج سنگھ نے پھر کہا۔ ''تم شاید مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو!..... کہو! کیا کہنا ہے؟ دیکھو! اگر اسی طرح سے تم چپ چاپ کھڑی رہیں اور کوئی آ گیا تو پھر بات کرنے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا۔''

رادھا نے ہمت کر کے سر اُٹھایا، تیج سنگھ کو دیکھا اور نہایت آہستگی سے شیریں آواز میں کہا۔

''ہاں..... مجھے آپ سے کچھ کہنا ہی ہے۔''

تیج سنگھ: ''تو کہیے! کیا کہنا ہے؟''

رادھا: ''مگر وہ بات ایسی ہے کہ اگر تم نے کسی اور شخص سے کہہ دی تو بڑا نقصان ہو جائے گا۔''

تیج سنگھ: ''کیا تم یہ توقع رکھتی ہو کہ میں تمہاری بات کسی سے کہہ دوں گا؟''

رادھا: ''قصداً تو نہ کہو گے، لیکن ممکن ہے کہ غلطی سے نکل جائے۔''

تیج سنگھ: ''میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہرگز ہرگز کسی سے ذکر نہ کروں گا۔''

رادھا: ''بچن دیتے ہو؟''

تیج سنگھ: ''ہاں..... بچن دیتا ہوں۔''

رادھا: ''اچھا! دیوتاؤں کی قسم کھاؤ۔''

تیج سنگھ: ''میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر کسی سے بھی بات کا ذکر کروں تو مجھ پر دیوتاؤں کا قہر و غضب نازل ہو۔''

رادھا: ''دیکھو! ایک مرتبہ پھر کہتی ہوں اور آگاہ کیے دیتی ہوں کہ اگر تم نے بھول کر کسی سے اس بات کا ذکر کر دیا تو تجھ کو اپنی جان دینا پڑ جائے گی۔''

تیج سنگھ: ''میں ایسی غلطی ہی کیوں کروں گا جس سے کہ ہم دونوں کی جانیں ضائع جائیں؟''

www.pdfbooksfree.pk

رادھا: ''تم کو مسلمانوں کا حال تو معلوم ہی ہوگا؟''

تیج سنگھ: ''صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ مہاراج نے اُن کو قید کر دیا ہے۔''

رادھا: ''ہاں! تو تم نے اُن کو دیکھا ہے؟''

تیج سنگھ: ''ہاں...... دیکھا ہے۔''

رادھا: ''اُن میں ایک نوعمر مسلمان بھی ہے۔''

تیج سنگھ نے حسد و بغض آمیز نظروں سے اُسے دیکھ کر کہا۔ ''ہاں! اُس نوجوان کو میں نے دیکھا ہے لیکن......''

رادھا: ''لیکن کیا؟''

تیج سنگھ: ''اگر تم اُس سے پریم......''

رادھا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ''ایسی بات نہ کہو! مجھ کو اُس سے ہرگز پریم نہیں ہے۔''

تیج سنگھ: ''پھر اس کا ذکر کیوں کر رہی ہو؟''

رادھا: ''تم پہلے ساری بات تو سن لو! پھر خود ہی سمجھ جاؤ گے۔''

تیج سنگھ: ''کہو!''

رادھا: ''تم کو یہ معلوم ہے کہ منتری جی کی لڑکی منورما سے مجھ کو بے حد پریم اور محبت ہے؟''

تیج سنگھ: ''ہاں...... مجھ کو معلوم ہے۔''

رادھا: ''اُس لڑکے نے منورما کی جان بچائی ہے۔ منورما اُس کی ممنون بھی ہے اور اُس سے پریم بھی کرنے لگی ہے۔''

تیج سنگھ نے کمال حیرت سے رادھا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''منورما کو اُس سے پریم ہوگیا ہے...... ایک مسلمان سے؟ کیا کہہ رہی ہو تم رادھا؟''

رادھا: ''میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔''

تیج سنگھ: ''بڑے اچرج (حیرانگی) کی بات ہے یہ تو۔''

رادھا: ''بے شک! مگر کسی کا دل پر قابو نہیں ہے۔''

تیج سنگھ: ''لیکن اگر کوئی سنے گا تو کیا کہے گا؟''

رادھا: ''جو کچھ بھی کہے۔''

تیج سنگھ: ''مگر تم نے اُسے سمجھایا نہیں؟''

رادھا: ''بہت سمجھالیا۔''

تیج سنگھ: ''اچھا...... تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟''

رادھا: ''میں چاہتی ہوں کہ تم کسی طرح سے اُسے رہائی دلا دو۔''

یہ سن کر تیج سنگھ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اُس نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔ ''اُسے رہا کراؤں؟''

رادھا: ''ہاں!''

تیج سنگھ: ''کیا تم یہ کام آسان سمجھتی ہو؟''

رادھا: ''ہمت والوں کے نزدیک آسان کام ہی ہے۔''

تیج سنگھ: ''مگر میں ایسا نہیں سمجھتا۔''

رادھا: ''کیوں؟''

تیج سنگھ: ''اس لئے کہ وہ ایک مسلمان ہے۔ اور ہندو کنیا (لڑکی) اُس سے پریم کر کے اُسے آزاد کرانا چاہتی ہے۔ ایک ہندو کیسے اس بات کو برداشت کرتے ہوئے یہ کام سرانجام دے سکتا ہے؟''

رادھا نے تیز نظروں سے تیج سنگھ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مگر تم کو یہ کام انجام دینا پڑے گا۔ اور تم انجام دو گے!''

تیج سنگھ: ''نہیں نہیں...... میں یہ کام ہرگز انجام نہیں دے سکتا۔''

رادھا نے تن کر کہا۔ ''نہیں کر سکتے، نہ کرو۔ صبح سن لینا! کہ منورما اور رادھا دونوں دریا میں ڈوب گئیں۔'' یہ کہتے ہی وہ گھومی اور آہستہ آہستہ سے چل پڑی۔ تیج سنگھ، سر جھکائے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔ اُسے خوف پیدا ہوگیا کہ کہیں رادھا ہی نہ کر بیٹھے جو اُس نے کہا ہے۔ اس لئے اُس نے جلدی سے سر اُٹھایا اور رادھا کو دیکھا۔ وہ جا رہی تھی۔ آہستہ آہستہ، اٹھلاتی اور بل کھاتی ہوئی۔ وہ بے قرار، مضطربانہ چلا، تیزی سے جھپٹ کر۔ اور رادھا کے قریب پہنچ کر آہستہ سے پکارنے لگا۔ ''رادھا...... رادھا......!''

رادھا نے گھوم کر اُس کی طرف دیکھا اور خاموش ہی رہی۔ اتنے میں تیج سنگھ نے اُس سے کہا۔ ''میرے قومی جذبات پر تمہاری محبت نے فتح پائی۔''

رادھا گویا خفا ہو رہی تھی۔ اُس نے کہا۔ ''اب کیا ہو سکتا ہے؟''

تیج سنگھ نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ ''خفا ہو کر نہ جاؤ رادھا!''

رادھا: ''مجھے خفا ہونے کا کیا حق ہے؟''

تیج سنگھ: ''اگر حق نہ ہوتا تو تم مجھ سے یہ بات کیوں کہتیں؟''

رادھا: ''اگر حق ہوتا تو تم انکار کیوں کرتے؟''

تیج سنگھ: ''اُس وقت قومی جذبات نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔''

رادھا: ''اور اب پریم کا جذبہ مجبور کر رہا ہے۔''

تیج سنگھ: ''ہاں!''

رادھا: ''ممکن ہے کہ جس طرح سے وہ جذبہ جاتا رہا، اُسی طرح سے یہ بھی جاتا رہے۔''

تیج سنگھ: ''یہ ناممکن ہے۔''

رادھا: ''کیوں؟''

www.pdfbooksfree.pk

تیج سنگھ: ''اس لئے کہ اب تین جانوں کے جانے کا خطرہ ہے۔''

رادھا نے حیران ہو کر کہا۔ ''تین جانیں؟''

تیج سنگھ: ''ہاں..... جب ایشور نہ کرے منورما اور تم نہ رہو گی تو میں کیسے رہوں گا؟''

رادھا: ''یہ بات تو پہلے ہی سوچنی چاہئے تھی۔''

تیج سنگھ: ''غلطی ہو گئی۔ معافی چاہتا ہوں..... معاف کر دو!''

رادھا کچھ سوچنے لگی۔ تیج سنگھ نے کہا۔ ''یا تو مجھے معاف کر دے رادھا! نہیں تو.....''

رادھا کا چہرہ کسی فوری خیال کے اثر سے سرخ ہو گیا۔ ''نہیں تو تم میری ماتا یا کسی سے یہ تمام واقعہ بیان کر دو گے؟'' رادھا نے کہا۔

تیج سنگھ: ''اگر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے جائیں تب بھی میں کسی سے یہ واقعہ بیان نہ کروں گا۔''

اب رادھا کا غصہ جاتا رہا۔ اُس نے کہا۔ ''اور کیا کرو گے؟''

تیج سنگھ: ''میں اس بات کا ہرگز انتظار نہ کروں گا کہ تم کب اور کیا کرو گی۔ بلکہ اسی وقت دریائے راوی پر جا کر اپنے آپ کو اُس کی لہروں کے سپرد کر دوں گا۔''

رادھا مسکرانے لگی۔ اُس نے کہا۔ ''ایسا کیوں کرو گے تم؟''

تیج سنگھ: ''میں اس بات کا ہرگز انتظار نہیں کروں گا۔''

تیج سنگھ: ''اس لئے کہ جس سے مجھ کو پریم ہے، وہ ایسا کرنے کے لئے تیار ہو گئی ہے۔''

رادھا: ''اب تم شاید سمجھ گئے ہو گے کہ آدمی دل سے مجبور ہوتا ہے۔''

تیج سنگھ: ''بے شک۔''

رادھا: ''اسی لئے منورما بھی مجبور ہے۔ اور قابل سرزنش نہیں ہے۔''

تیج سنگھ: ''ٹھیک ہے۔''

رادھا: ''اچھا..... اب تم وعدہ کرو! کہ اس کی رہائی کی کوشش کرو گے۔''

تیج سنگھ: ''نہ صرف کوشش کروں گا بلکہ اپنی جان خطرہ سے دوچار کرتے ہوئے اس کام کو انجام دوں گا۔''

رادھا: ''کیا میں منورما سے یہ بات کہہ دوں؟''

تیج سنگھ: ''ضرور کہہ دو! اور اُسے اطمینان دلا دو۔''

رادھا: ''اچھا..... میں اُن کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔''

تیج سنگھ: ''شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

رادھا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اچھا! اب آپ کیا کریں گے؟''

تیج سنگھ: ''میں خود ابھی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کیا کرنا ہو گا؟ میں کل جیل خانہ پر جاؤں گا اور

دیکھوں گا کہ کس طریقہ سے کار براری ہو سکتی ہے۔''

رادھا: ''مجھے کیسے اطلاع دو گے؟''

تیج سنگھ: ''کل شام کو اسی وقت، اسی جگہ مل کر بتا دوں گا۔''

رادھا: ''مناسب ہے۔''

تیج سنگھ: ''اگر ممکن ہو سکا تو محافظوں کو رشوت دینے کی کوشش کروں گا۔''

رادھا: ''اگر دھن کی ضرورت ہو تو میں دوں گی۔''

تیج سنگھ: ''جب میں نہ رے سکوں گا، تب دیدینا۔''

رادھا: ''اچھا..... اب میں جا رہی ہوں۔ کیونکہ راسی بیٹھی میرا انتظار کر رہی ہو گی۔''

تیج سنگھ: ''بہتر ہے..... جاؤ!''

رادھا چلی اور سیڑھیوں کے پاس پہنچ کر اندھیرے میں چڑھی اور برآمدے میں پہنچ گئی۔ راسی ابھی تک بدستور ستون سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ رادھا نے اُس کے پاس پہنچ کر اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''آؤ راسی! واپس چلیں۔''

راسی یہ سنتے ہی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور وہ دونوں مندر کی سیڑھیوں سے اُتر کر اُس کے احاطہ کو طے کرتی ہوئیں باہر نکلیں اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆

راجہ جے پال نے دلی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کے راجاؤں کو چٹھیاں لکھی تھیں اور اُنہیں اپنی امداد کے لئے بلایا تھا۔ تمام چٹھیوں کا مضمون ایک ہی تھا۔ اُس نے لکھا تھا کہ سلطان سبکتگین کی طاقت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں وہ کسی وقت ہندوستان پر اچانک حملہ نہ کر دے اور لاہور سے دلی اور قنوج تک تاراج نہ کر دے۔ میں نے اُس کی قوت کو ختم کرنے کے لئے اُس پر لشکر کشی کی تھی۔ لمغان کے میدان میں صف آرائی ہوئی۔ خیال تھا کہ میں مسلمانوں کو شکست دے کر اُن کی قوت کا خاتمہ کر دوں گا۔ لیکن پاپی مسلمانوں نے اُس چشمہ کا پانی جس میں دیوتا اشنان کیا کرتے ہیں، ناپاک کر دیا اور اُن کی اس گستاخی سے دیوتا ناراض ہو گئے اور اُنہوں نے غضبناک ہو کر برف اور ہوا کا طوفان برپا کر دیا۔ جس سے مجھے مجبوراً لوٹنا پڑا۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں سبکتگین حملہ نہ کر دے۔ پنجاب ہندوستان کی سپر ہے۔ اس کی حفاظت و نگرانی ہندوستان کے ہر راجہ کا فرض ہے۔ مناسب ہے کہ ہم سب مل کر اُس کی ٹکر کو روکیں۔ اور اگر وہ حملہ نہ کرے تو ہم سب حملہ کر کے اُس اسلامی حکومت کو ختم کر ڈالیں۔

تمام مؤرخ اس بات کو لکھتے ہیں کہ جے پال بدعہد تھا۔ اُس نے اپنی جان بچانے کے لئے

لے تاریخ ہند کے صفحہ 195 پر لکھا ہے کہ سلطان سبکتگین کا بیٹا محمود صلح پر رضامند نہ تھا۔ مگر جب جے پال کی عاجزی حد سے گزر گئی تو نیک دل سلطان نے اپنے بیٹے کو رضامند کر کے صلح کر لی۔ لیکن جے پال لاہور پہنچ کر سب قول و قرار بھول گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

لمغان کے میدان میں سلطان سبکتگین سے مکاری کر کے صلح کر لی۔ سلطان کی فرمانبرداری کا عہد کیا۔ زرِ تاوان کی ادائیگی کا اقرار کیا۔ اور جب لاہور آ پہنچا تو تمام مواعید گلدستہ طاق نسیان ہو گئے۔

ان تمام باتوں کے باوجود طرہ یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو فریب دے کر قید کر دیا جنہیں زرِ تاوان دینے کے لئے اپنے ہمراہ لایا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ہندوستان کے تمام راجے اُس کی امداد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ وہ غزنی کی فتح کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اُس نے ارادہ کر لیا تھا کہ جب امدادی لشکر آ جائے گا، تب وہ پھر غزنی پر حملہ کرے گا۔ اُسے اُس وفد کی واپسی کا بھی انتظار تھا جسے اُس نے سلطان سبکتگین کے پاس اپنے آدمیوں کی رہائی کا مطالبہ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

چند ہی روز کے بعد سب سے پہلے دہلی کے راجہ کا لشکر بڑے ساز و سامان کے ساتھ آ پہنچا۔

جے پال اُس لشکر کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ اُس نے اُسے قلعہ کے باہر دریائے راوی کے کنارے پر ہی ٹھہرایا۔ اُس لشکر کے آنے کی خوشی لاہور کے تمام ہندوؤں کو ہوئی اور اُنہوں نے بھی جے پال کی طرح بجائے خود یہ سمجھ لیا کہ اب سلطان سبکتگین پر لشکر کشی کر کے غزنی کو فتح کر لیں گے۔

اُس لشکر کے آتے ہی جے پال نے نہایت زور و شور سے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ رسد کی فراہمی، سامانِ حرب کی بہم رسانی اور سپاہیوں کی بھرتی شروع کر دی تھی۔ اب وہ شب و روز اسی کام میں منہمک رہنے لگا تھا۔ وہ لمغان کے میدان کی شکست بھی بھول گیا تھا۔ برف و بار کے طوفان کو بھول گیا تھا۔ سلطان کے سامنے گڑگڑانے کو بھول گیا تھا۔ حالانکہ اُس کے لشکر کے وہ سپاہی جو اُس جنگ میں اُس کے ساتھ تھے، ان باتوں کو ابھی تک نہیں بھولے تھے۔ بلکہ وہ راجہ کو مکرر جنگ کی تیاریوں میں مصروف دیکھ کر سہمے جا رہے تھے۔ البتہ برہمن بہت زیادہ خوشیاں منا رہے تھے۔ اُن کا اظہارِ مسرت کرنا حق بجانب تھا۔ وہ مذہبی پیشوا ہونے کی حیثیت سے لڑائی پر نہ جا سکتے تھے اور راجپوت لڑائی پر جانے سے پہلے اُنہیں خیرات دینے پر مجبور تھے اور فتح کی صورت میں پھر خیرات اور انعامات ملنے کی توقع تھی۔ غرض جنگ ہونے کی صورت میں سب سے زیادہ فائدہ اُن ہی کا تھا۔

دِلّی کے بعد اجمیر، کالنجر اور قنوج کے بھی لشکر آ گئے۔ اُن تمام لشکروں کی تعداد ایک لاکھ سے اُوپر تھی۔ اس قدر عظیم الشان لشکر دیکھ کر اُن راجپوتوں کے دل بھی بڑھ گئے جو پہلی جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ اور اب اُنہوں نے بھی لڑائی پر جانے کی حامی بھر لی تھی۔ لیکن سب سے زیادہ خوش جے پال ہو رہا تھا۔ اُسے یقین نہیں، حق الیقین تھا کہ وہ اس مرتبہ ضرور مسلمانوں کو شکست دے کر غزنی پر یقیناً قبضہ کر لے گا۔ اب اُس نے اور بھی سرگرمی سے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ ایک نیا جنگی ٹیکس جاری کر دیا تھا اور لوگوں نے فتح کی اُمید میں اس جدید ٹیکس کو خوشی خوشی ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔

چونکہ ایک لاکھ فوج آ گئی تھی۔ اُن کے لئے رسد کی ضرورت تھی۔ اس لئے جے پال نے تمام دیہاتوں سے غلہ منگوا لیا تھا۔ اور اس بروقت غلہ کی آمد سے قحط کا اندیشہ جاتا رہا تھا۔ جنگ سے پہلے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے قربانیاں شروع کر دی گئیں۔ مندروں میں چہل پہل بڑھ گئی تھی۔ لوگ دونوں وقت صبح و شام بتوں کو سجدہ کرنے کے لئے مندروں میں جانے لگے تھے۔ برہمنوں نے دان دینے کے لئے وعظ شروع کر دیئے تھے اور ہر شخص نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق خیرات کرنا شروع کر دی تھی۔ پنڈتوں کی آرزو پوری ہونے لگی تھی اور اُن کی جیبیں بھرنے لگی تھیں۔

جوتشیوں نے حساب لگا لگا کر فتح کی پیشین گوئیاں شروع کر دی تھیں اور لوگ اُن کی پیشین گوئیوں سے خوش ہو کر اُنہیں انعام دینے لگے تھے۔ جس سے وہ اچھے خاصے دولتمند ہو گئے۔

دِلّی، اجمیر، کالنجر اور قنوج سے جو امدادی لشکر آئے تھے، اُن کے خرچ کا بار لاہور کے خزانہ پر نہیں پڑا تھا۔ بلکہ ان مقامات کے سپاہیوں کی خرید و فروخت سے لاہور کے تاجروں کو خاطر خواہ فائدہ ہوا تھا اور اُنہوں نے تجارت کے ذریعہ سے کافی دولت کما لی تھی۔ جنگی تیاریاں حد تکمیل کو پہنچتی جا رہی تھیں۔ سامانِ حرب اور بار برداری کی گرانیاں کافی تعداد میں جمع ہو گئی تھیں۔

ایک روز جے پال اور تمام لاہور والوں نے سنا کہ وہ وفد واپس آ رہا ہے، جو کہ سلطان سبکتگین کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ جے پال کو یقین تھا کہ سلطان لڑائی کی بلا سول نہ لے گا اور وہ اُس کے آدمیوں کو وفد کے ساتھ آنے کی اجازت دیدے گا۔ لیکن جب وفد لاہور میں داخل ہوا تو اُس نے سنا کہ اُس کے ساتھ وہ آدمی نہیں آئے جو بطور ضمانت سلطان کے پاس چھوڑے گئے تھے۔ یہ سن کر اُسے بہت غصہ آیا۔ اُس نے فوراً دربار منعقد کیا۔

اُس دربار میں خاص لوگوں کو آنے کی اجازت تھی۔ یہ خاص لوگ زیادہ تر پنڈت ہوتے تھے یا مشہور راجپوت سردار۔ چنانچہ دربار میں پنڈت اور فوجی افسر پہنچ گئے تھے۔ جے پال بھی آ گیا تھا اور اُس نے وزیرِ اعظم سے دریافت کیا۔ ''کیا سلطان نے اُن آدمیوں کو نہیں بھیجا جن کو وہ ضمانت کے طور پر لے گیا تھا؟''

سیلادت نے کہا۔ ''جی ہاں..... اُس نے اُنہیں روک لیا ہے۔''

جے پال نے برہم ہوتے ہوئے کہا۔ ''اُس کی اس قدر جرات بڑھ گئی ہے۔ اگر اُسے معلوم ہو جاتا کہ ہندوؤں نے متفق ہو کر اُس کے ملک پر لشکر کشی کا عزم کر لیا ہے تو وہ کبھی اس کی جرات نہ کرتا۔''

سیلادت: ''یہی بات ہے حضور!''

جے پال: ''اچھا..... وفد کے اراکین کو بلاؤ!''

سیلادت: ''وہ آنے والے ہی ہیں حضور!''

جے پال: ''سلطان اور مسلمان اپنی قوت و طاقت پر بڑے مغرور ہیں۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

سیلادت: ''یہی بات ہے۔''

جے پال: ''میں اُن کے تمام کس بل نکال دُوں گا۔ ہندوؤں کی تلواریں اُن کا قیمہ کر کے ڈال دیں گی۔ اور آئندہ اُنہیں کبھی ہندوؤں کے منہ آنے کی جرات نہ ہوگی۔''

سیلادت: ''یقیناً..... اُسے عنقریب اپنی حماقت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔''

اب وفد کے اراکین آئے۔ وہ تخت کے پاس آتے ہی ہاتھ جوڑ کر سجدہ میں گر پڑے۔ اور اس طرح سلام کر کے جب وہ کھڑے ہوئے تو جے پال نے اُن سے دریافت کیا۔ ''تم نے سلطان تک ہمارا پیغام پہنچا دیا تھا؟''

اُن میں سے ایک شخص نے کہا۔ ''جی ہاں! بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ۔''

جے پال: ''اُس نے ہمارا فرمان پڑھا؟''

وہی شخص: ''اُس نے خود نہیں پڑھا، بلکہ اپنے وزیر اعظم سے پڑھوا کر سنا۔''

جے پال: ''اس پر اور اُس کے درباریوں پر اس کا کیا اثر ہوا؟''

وہی شخص: ''تمام درباری جوش میں بھر گئے۔ اور سلطان بے حد غضبناک ہو گیا۔''

جے پال: ''تم نے ہماری قوت و عظمت کا اُنہیں خوف نہیں دلایا؟''

وہی شخص: ''ہم نے اپنی طاقت و سطوت اور شان جبردت خوب خوب بیان کیا، فوجی قوت سے دھمکایا۔ مگر اُن پر مطلق بھی اثر نہ ہوا۔''

اس وقت جو کچھ بھی اُس شخص نے بیان کیا وہ بالکل جھوٹ تھا۔ سلطان سبکتگین اور اُن کے درباریوں کو جوش میں بھرے ہوئے دیکھ کر وفد کا ہر شخص کانپ اُٹھا تھا۔ کسی کو بھی کچھ کہنے کی جرات نہ رہی تھی۔ اور اس لئے کسی نے بھی کچھ نہ کہا تھا۔ بلکہ اس وقت وہ ڈینگیں مار رہا تھا۔

جے پال نے حیرت بھری نظروں سے اُسے دیکھ کر کہا۔ ''مسلمانوں پر تمہاری تقریر کا کچھ بھی اثر نہ ہوا؟''

وہی شخص: ''بالکل نہیں۔''

جے پال: ''سلطان نے کیا جواب دیا؟''

وہی شخص: ''مجھ کو جرات نہیں ہے کہ میں وہ الفاظ بیان کروں جو اُس نے کہے تھے۔''

جے پال: ''نہیں..... تم وہی کہو، جو اُس نے کہا ہے۔''

وہی شخص: ''سلطان نے غضبناک ہو کر کہا۔ جاؤ! اور جے پال سے کہہ دو! کہ اُس کے مراسلہ کا جواب تلواروں کی نوک سے دیا جائے گا۔''

جے پال کو یہ سن کر طرارہ آ گیا۔ اُس کا چہرہ فرطِ غیظ و غضب سے سرخ ہو گیا۔ اُس نے طیش میں بھر کر کہا۔ ''اُس سگ زادہ نے اس قدر توہین کی ہے؟''

وہی شخص: ''جی ہاں..... اور جو ہندو اُس کے پاس ہیں، اُنہیں ہمارے حوالے کرنے سے انکار کر دیا ہے۔''

جے پال: ''اُس نے اپنی بے ہودہ حرکت سے ایک راجپوت شیر کو چھیڑ دیا ہے۔ اُسے عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ایک راجہ کی توہین کرنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔''

وہی شخص: ''مگر حضور! اُن کے تیور کہہ رہے تھے کہ وہ فوراً حملہ آور ہوں گے۔''

جے پال نے حیران ہو کر اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سلطان حملہ آور ہوگا.....؟ نہیں! وہ کبھی ایسی جرات نہ کرے گا۔''

وہی شخص: ''سلطان اور تمام مسلمان اُن مسلمانوں کے قید ہو جانے سے جو یہاں زرِ تاوان لینے آئے تھے، سخت برافروختہ ہو گئے ہیں۔ اور اس لئے وہ فوراً ہی حملہ آور ہوں گے۔''

جے پال: ''کیا مسلمانوں کو اُن کے قید کر لئے جانے کی اطلاع ہو گئی ہے؟''

وہی شخص: ''ہمارے پہنچنے تک تو نہ ہوئی تھی۔ لیکن اُنہوں نے قیاس کر لیا ہے کہ مسلمان خطرہ میں پھنس گئے ہیں۔''

جے پال: ''مگر میں اُن کے حملہ آور ہونے سے پہلے خود ہی اُن پر حملہ کر دُوں گا۔ اچھا منتری جی! تم آج ہی پانچ سو سپاہیوں کا دستہ کسی ہونہار افسر کی ماتحتی میں سرحد کی طرف روانہ کر کے اُسے ہدایت کر دو! کہ وہ سلطانی لشکر کی نقل و حرکت کی نگرانی کرے۔ اور جب اُسے اُس کے قریب آ جانے کا علم ہو تو فوراً ہم کو اطلاع کرا دے۔''

سیلادت: ''بہتر ہے حضور!'' اُس نے اُسی وقت ایک افسر کو حکم دے دیا اور وہ روانہ ہو گیا۔

اب جے پال نے کہا۔ ''جن لشکروں کے آنے کا انتظار تھا، وہ آ چکے ہیں۔ دو لاکھ کے قریب لشکر جمع ہو چکا ہے۔ رسد اور سامانِ جنگ بھی مہیا ہو گیا ہے۔ اب میں عنقریب کوچ کروں گا۔ تمام پنڈت مل کر وچار (صلح مشورہ) کریں اور بتائیں! کہ کس مہینہ کا کون سا دن مبارک ہوگا؟''

سیلادت: ''اور حضور! مسلم قیدیوں کے متعلق کیا حکم ہے؟''

جے پال: ''جس روز میں کوچ کروں گا، اُس روز اُن کی قربانی کی جائے گی۔''

سیلادت: ''بہت خوب۔''

پھر دربار برخواست ہو گیا۔ جے پال اُٹھ کر چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد دوسرے تمام لوگ بھی چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

راجہ جے پال کا مراسلہ سن کر سلطان سبکتگین کو بے حد غصہ آ گیا تھا۔ وہ صادق القول تھا۔ اس لئے دوسروں کو بھی سچا سمجھتا تھا۔ جب جے پال نے صلح کی عاجزانہ درخواست پیش کی تھی تو اُس نے اپنی نیک دلی کی وجہ سے اُس کی درخواست منظور کر لی تھی۔ اور اُس کے قول پر اعتماد کر کے اُسے لاہور جا کر زرِ تاوان ادا کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اُس کا فرزند ارجمند شہزادہ محمود اگرچہ خورد سال تھا۔ مگر بڑا قیافہ شناس تھا۔ اُس نے جے پال کو دیکھتے ہی یہ اندازہ کر لیا تھا کہ وہ مکار، فریبی اور دروغ گو ہے۔ جو عہد و اقرار کر رہا ہے، ہرگز اسے پورا نہ کرے گا۔ چنانچہ اُس نے

www.pdfbooksfree.pk

سلطان کے روبرو جے پال کی موجودگی میں اپنے خیال کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ لیکن سلطان نے اپنی فطری نیکی کی وجہ سے باوجود شہزادہ محمود کی مخالفت کے، صلح کر لی تھی۔ اب جبکہ جے پال کا مراسلہ پہنچا اور اُس نے سنا تو وہ کمال طیش میں آیا اور اُس نے فوراً لشکر کو تیار ہو جانے، سامانِ رسد بھیجنے اور مجاہدوں کی بھرتی کا اعلان کر دیا۔

مسلمان جہاد سے بڑھ کر کوئی نعمت نہ سمجھتے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ جہاد میں شریک ہونے والوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور شہید ہونے والے جنت میں داخل ہوتے ہیں۔ چنانچہ جونہی مجاہدین کی بھرتی کا اعلان ہوا، مسلمان تمام کاروبار چھوڑ کر ہتھیار لے کر غزنی کی طرف روانہ ہونے لگے۔ اور غزنی پہنچ کر جب اُنہیں جے پال کی مکاری اور مسلمانوں کو روک لینے کا حال معلوم ہوا تو وہ سخت غضبناک ہو گئے۔

مسلمان دنیا بھر کے مسلمانوں کو بھائی سمجھتے ہیں اور اُن کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرتے ہیں۔ خداوند عالم نے مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو مسلمان اس حکم کی نافرمانی کرتا ہے وہ خدا کے قہر و غضب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ تمام مسلمانوں کو لاہور جانے والے مسلمانوں کی طرف سے غم و فکر لاحق ہو گیا تھا۔ اُنہیں اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں مکار و بے رحم راجہ جے پال اُن مسلمانوں کو شہید نہ کرا دے۔ اس وجہ سے ہر مسلمان بے قرار و مضطرب ہو گیا تھا اور چاہتا تھا کہ جلد سے جلد لشکر کشی کی جائے۔

خود سلطان بھی اسی تردّد میں مستغرق تھا۔ اور وہ بڑی سرگرمی سے لشکر کی ترتیب اور آلات کی فراہمی میں مصروف تھا۔ رسد کے سامان کے چھکڑے روانہ ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اور اس سامان کے ساتھ تھوڑی تھوڑی فوجیں بھی بھیجی جا رہی تھیں۔ چونکہ گزشتہ جنگ کے موقع پر سردی کی وجہ سے مسلمانوں نے تکلیف اُٹھائی تھی، اس لئے اس مرتبہ اُونی کمبل بھی زیادہ تعداد میں فراہم کر لئے گئے تھے۔ مجاہدین کی کثیر تعداد مضافات سے آ گئی تھی۔ اور غزنی کے سامنے والا میدان اُن سے بھرنے لگا تھا۔ چونکہ غزنی میں ہر طرف سے لوگ آ رہے تھے اس لئے اب خوب رونق ہو گئی تھی۔ ہر وقت بازار کھلے اور خرید و فروخت ہوتی رہتی تھی۔ اگرچہ بظاہر مسلمان خوش و خرم نظر آ رہے تھے۔ مگر دراصل یہ بات نہ تھی۔ اُن کے دلوں میں ہمدردی کی تڑپ اور سینوں میں جوش و غضب کا دریا لہریں لے رہا تھا۔ اُن کے جوش کا یہ عالم تھا کہ بڑے تو بڑے، بچے بھی جنگ میں جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ لیکن سلطان نے سولہ برس سے کم عمر والوں کو جنگ پر جانے کی اجازت نہ دی تھی۔

جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو سلطان نے ایک عام جلسہ کیا اور اُس میں تمام مسلمانوں کو شریک ہونے کا حکم دیا۔ لوگ جوق در جوق جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ سلطان بھی آ گیا۔ اس قدر مسلمانوں کا اجتماع ہوا کہ تمام میدان بھر گیا۔ سلطان نے ایک اُونچی جگہ پر کھڑے ہو کر تقریر شروع کی۔ اُس نے کہا۔

''تمام حمد و ثنا اسی خدا کو زیبا ہے جو کائنات کا خالق و رازق ہے اور بڑا رحیم ہے۔ وہ روزِ حشر کا مالک ہے۔ اس روز وہ اپنے ہر بندہ سے اُس کے اعمال کا جواب لے گا۔ نیز نیک اعمال کرنے والوں کو جنت میں اور بداعمالیاں کرنے والوں کو دوزخ میں ڈال دے گا۔

خدا کی تعریف کے بعد باعث تخلیق عالم فخر بنی آدم رسول خدا محمد مصطفیٰ ﷺ لائق ثنا ہیں۔ آپؐ نے اُس وقت جب دنیا کے گوشہ گوشہ میں بت پرستی ہو رہی تھی، لوگ خدا کو بھول گئے تھے، جہاں بھر میں کفر و ضلالت کی گھٹا چھا رہی تھی، اعلانِ حق کیا۔ کسی تہدید اور کسی خوف نیز کسی جبروتی طاقت سے نہ ڈرے۔ آپؐ نے انسانوں کو خدا کے سامنے جھکا دیا۔ دنیا بھر کو بتایا کہ سجدہ کرنے، ماننے اور پوجنے کے لائق صرف خدا ہی کی ذات ہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے قریب ایک ملک ہندوستان ہے۔ اس میں ہندو رہتے ہیں۔ وہ خدا کو جانتے تک نہیں۔ ہم نے کبھی اُن کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ اگر کبھی اُنہوں نے ہمارے ملک پر دست اندازی بھی کی تو ہم ہمیشہ اس لئے دبتے رہے کہ خونریزی اچھی نہیں ہوتی۔ لیکن جب اُن کی تعدیاں حد سے بڑھ گئیں اور اُن کے دماغوں میں ملک گیری اور لوٹ مار کا خبط سما گیا اور اُنہوں نے ہمارے ملک پر حملہ کرنا چاہا، تب ہم نے بھی مقابلہ کیا۔ لمغان کے میدان میں اُن کے ہزاروں آدمی تہ تیغ کر ڈالے۔ اُن کے راجہ نے جس کا نام جے پال ہے، بڑی عاجزی سے صلح کی درخواست کی اور وہ ہم نے منظور کر لی۔

اُس نے زرِ تاوان لاہور پہنچ کر ادا کرنے کا اقرار کیا اور ہمارے پچاس بھائیوں کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ جے پال نے اپنا عہد توڑ لیا ہے۔ اور اُس نے مسلمانوں کو روک لیا یا اسیر کر لیا ہے۔ ایک مسلمان اور تو سب کچھ برداشت کر سکتا ہے، مگر یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص اُس کے بھائیوں کو ستانے یا قید کر لینے کی جرات کرے۔ چنانچہ یہ مہم مسلمانوں کو آزاد کرانے کے لئے ہی جا رہی ہے۔

مجھے بڑی مسرت ہوئی ہے کہ مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ اور جوش بدرجہ اتم ہے۔ اور اسلامی علم کے نیچے سرفروش مسلمان جانبازی کے لئے جمع ہو گئے ہیں۔ یاد رکھو! جب تک مسلمانوں میں یہ جذبہ موجود ہے، اُس وقت تک وہ کسی قوم کے بھی غلام ہو کر نہیں رہ سکتے۔ دشمنوں کو اپنی کثرت اور دولت پر گھمنڈ ہے۔ اور ہم کو اپنے خدا پر بھروسہ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ خدائے قدیر ہماری امداد کرے گا۔ اور انشاء اللہ فتح ہماری ہی ہو گی۔

میں چاہتا ہوں اور میرا دلی منشا ہے کہ تم سب مل کر حضورِ قلب سے فتح کرنے کے لئے تیار رہو۔ اور سب اپنے بھائیوں کی رہائی اور مجاہدین کی فتح یابی کی دعا ہر نماز کے بعد کرتے رہو۔ خدا دعاؤں کو سنتا ہے۔ انشاء اللہ تمہاری دعائیں بھی سنے گا۔ لشکر روانہ ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اور کل تمام لشکر کوچ کر دے گا۔''

سلطان نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ تمام مسلمانوں نے بھی ہاتھ اُٹھا کر فتح کی دعا مانگی۔

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

دُعا مانگ کر سلطان روانہ ہوئے۔ تمام لوگ ''اللہ اکبر..... اسلام زندہ باد..... مجاہدین کی فتح'' کے نعرے لگاتے ہوئے روانہ ہوئے۔

چونکہ مسلمانوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ مجاہدین اگلے ہی روز روانہ ہونے والے ہیں، اس لئے اُنہوں نے اُن کی مدارت شروع کر دی۔ دوسرے روز غزنی کے تمام مسلمان، مجاہدین کو رُخصت کرنے کے لئے شہر سے باہر نکل آئے۔

صبح کی نماز پڑھتے ہی مجاہدین کے دستے نقل و حرکت کرنے لگے تھے..... سب سے اوّل جو رسالہ روانہ ہوا، وہ شہزادہ محمود کا تھا۔ محمود بڑے جوش و غضب سے بھرا ہوا تھا اور اسلامی علم لہراتا ہوا بڑے تزک و احتشام سے روانہ ہوا تھا۔ مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر اور شہزادہ کی عمر دراز، مجاہدین کی فتح کے غلغلہ انداز نعرے لگائے۔

اس کے بعد اور رسالے یکے بعد دیگرے روانہ ہوتے رہے۔ مسلمان ہر رسالہ کو دیکھتے ہی نعرے لگاتے۔ اُنہیں سلام کرتے۔ اور رسالے والے سلام کا جواب دیتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔

سب کے بعد سلطان کا رسالہ آیا۔ مسلمانوں نے اپنے ہر دلعزیز اور پُر جوش سلطان کو دیکھا اور دیکھتے ہی چلا اُٹھے..... ''سلطان زندہ باد..... سلطان کی عمر دراز..... اسلامی کشتی کے ناخدا کی فتح''

سلطان نے خود مسلمانوں کو الوداعی سلام کیا۔ مسلمانوں پر اس کا خاص اثر ہوا اور اُنہوں نے سچے دل سے اُن کی فتح کی دُعا مانگی۔ جب شاہی رسالہ دُور نکل گیا اور دوپہر بھی ہو گئی تب مسلمان کچھ آزردہ ہو کر واپس لوٹ آئے اور غزنی کے قلعے میں داخل ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

منورما کو اس وقت سے کچھ تسلی ہو گئی تھی، جب سے رادھا نے اطمینان دلایا تھا۔ اُس وقت سے اُس نے صبر و تحمل سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔ لیکن یہ ضبط اُسے گراں پڑ رہا تھا۔ کیونکہ اس سے وہ اندر ہی اندر گھلی جا رہی تھی۔ اور اُس کے چہرے کا شہابی رنگ اُڑتا چلا جا رہا تھا۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ جوں جوں اُس کا رنگ اُڑتا جا رہا تھا، اتنا ہی نکھرتا چلا جا رہا تھا۔

چندر کلا اُسے دیکھتی تھی اور دیکھتی ہی رہ جاتی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اُس کی بیٹی کو کیا بیماری لگ گئی ہے اور کیوں وہ دن بدن نحیف اور دُبلی پتلی ہوتی چلی جا رہی ہے؟

اُس نے حکیموں، سیانوں اور جوتشیوں کو بلا کر دکھانا شروع کیا اور اُن سے اس حسینہ کی بیماری کے اسباب معلوم کرنے لگی۔ حکیم خود حیران و متعجب رہ گئے تھے۔ اور اُنہوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اسے کوئی بھی مرض معلوم نہیں ہوتا ہے۔ مگر سیانوں نے اُوپری اثر بتا کر خوب دولت لوٹی تھی۔ بڑے بڑے اور عجیب و غریب ٹوٹکے بھی کئے تھے، لیکن اُن کا خاک بھی اثر نہ ہوا تھا۔ جوتشی پنڈت ہوتے تھے۔ اُنہیں صرف ایک ہی بات یاد تھی، اور وہ یہ کہ دیوتا ناخوش ہو گئے ہیں۔ چنانچہ

اُنہوں نے یہی بتایا کہ منورما سے دیوتا برہم ہو گئے ہیں۔ اُنہیں خوش کرنے کے لئے دان دو۔ کتھائیں (وعظ کی مجلسیں) کراؤ۔

چندر کلا نے وہ سب کچھ کیا، جو جو کچھ کسی نے بتایا۔ مگر منورما تھی کہ دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ اور اُسے کچھ بھی افاقہ نہ ہوا تھا بلکہ اُس کی حالت بجائے سدھرنے کے اور بگڑتی جاتی تھی۔ اُس نے پھر حکیموں کی طرف رجوع کیا۔ اس مرتبہ سیلا دت نے بھی اُن کو فہمائش کی کہ اگر وہ اس کی بیماری کا مفصل حال نہ بتائیں گے تو انہیں سزا دی جائے گی۔

اس نادرانہ فہمائش سے طبقہ حکماء میں ایک قسم کی کھلبلی سی مچ گئی اور اُنہوں نے بڑے غور و فکر اور استغراق و توجہ سے دیکھا۔ مگر اس کے باوجود وہ منورما کی حقیقت حال سے مایوس رہے۔ دراصل! اگر اُسے کوئی مرض ہوتا تو سمجھ میں آتا۔ مرض تو تھا ہی نہیں۔ اور جو مرض تھا اُسے وہ سالہا سال کی جستجو کے بعد بھی نہ سمجھ سکتے تھے۔ بالآخر جب وہ اُس کی بیماری کی وجہ معلوم کرنے سے قاصر و عاجز آ گئے تو سب نے صلاح کی کہ وزیر اعظم سے اس کی شادی پر زور دیا جائے۔ شادی ہو کر وہ وہاں سے چلی جائے گی اور اس طرح سے وہ عتاب سے بچ جائیں گے۔

چنانچہ اُنہوں نے متفق اللفاظ ہو کر سیلا دت سے کہہ دیا کہ منورما کو کوئی مرض نہیں ہے۔ اگر آپ اس کی شادی کر دیں تو اس کی بیماری خود بخود دُور ہو جائے گی۔

اُن کی یہ بات سیلا دت کی بھی سمجھ میں آ گئی اور اُس نے برہمنوں سے شادی کی تاریخ بتانے کے لئے کہا۔ برہمنوں کی چاندی ہو گئی۔ وزیر اعظم کی بیٹی کی شادی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ہزاروں روپے ملنے کی اُمید تھی۔ اُنہوں نے تاریخ کے متعلق غور کرنا شروع کر دیا۔ کوئی ہندو بھی بغیر برہمنوں سے دریافت کئے کوئی کام نہ کرتا تھا۔ اگرچہ تہذیب جدیدہ کے اس زمانہ میں ہندو، برہمنوں کے چنگل سے بہت حد تک آزاد ہو چکے ہیں۔ تاہم ابھی کلی طور پر آزاد نہیں ہوئے۔ اور اب بھی ہر کام اُن سے مشورہ کر کے ہی کرتے ہیں۔ جیسے ہمارے یہاں مولویوں سے مشورہ ہوتا ہے۔

بچہ پیدا ہونے پر بھی وہی جنم پتری بناتے ہیں جس میں بچہ کی عمر کے تمام سالوں اور ہر سال کا ہر مہینہ کا حال لکھتے ہیں۔ یعنی بیماری اور تندرستی، شادی اور اولاد، نفع و نقصان کے تمام حالات لکھ دیئے جاتے ہیں۔ اب وہ جھوٹ ہوں یا سچ! جنم پتری کے مطابق ہوں یا نہ ہوں۔ اس سے اُن کو کوئی سروکار نہیں۔ وہ اپنے خیال یا اپنے علم کے مطابق لکھ کر اپنا انعام لے لیتے ہیں۔

مونڈن (عقیقہ)، بوا (شادی) اور سفر وغیرہ میں جانے کے لئے تاریخ اور وقت وہی بتاتے ہیں۔ اور ہندو اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ باتیں کم ہوتی جا رہی ہیں۔ مگر پھر بھی بہت زیادہ ہیں۔ اور اکثر برہمن اسی کمائی پر گزارہ کرتے ہیں۔ لیکن جس زمانہ کا حال ہم لکھ رہے ہیں، اُس زمانے میں ناممکن تھا کہ کوئی ہندو کوئی کام پنڈتوں سے پوچھے بغیر کر سکتا۔

چنانچہ پنڈتوں نے حساب لگا کر سیلا دت کو تاریخ بتائی۔ اور اُس نے اُسی تاریخ کا لگن بھیجنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن ابھی لگن (بیاہ کا خط) بھیجا ہی نہ گیا تھا کہ ایک برہمن نے کہا کہ منورما کی راس یہ

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

بتاتی ہے کہ جو تاریخ شادی مقرر کی گئی ہے، اس میں اس کا بیاہ نہ ہو سکے گا۔''

سیلادت نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''کیوں؟''

برہمن: ''اس لئے کہ اس تاریخ میں اکثر ایسے ستارے آپس میں ملتے نظر آتے ہیں جن سے کوئی اہم واقعہ ایسا رونما ہو جائے گا، جس کی وجہ سے شادی کو روکنا لازمی اور ضروری ہو جائے گا۔''

سیلادت اگرچہ خود بھی برہمن تھا، مگر خوفزدہ ہوا۔ اور اُس نے کہا۔ ''پھر کون سی تاریخ مناسب ہے؟''

برہمن: ''میرے خیال میں تاریخ اس وقت مقرر کرایئے جب مسلمانوں کی لڑائی سے فراغت ہو جائے۔''

سیلادت: ''کیا اس لڑائی میں ہندوؤں کی ہانی (نقصان) ہے؟''

برہمن: ''ایسی کچھ زیادہ نہیں ہے۔ لیکن جنگ ہے، نہیں معلوم کیا ہو؟''

برہمن چلا گیا اور سیلادت نے اُس کے مشورہ کو پسند کر کے فی الحال لگن بھیجنا ملتوی کر دیا۔ منورما کو ان تمام واقعات کی رتی رتی خبر ہو جایا کرتی تھی۔ وہ تمام باتوں کو سنتی تھی اور ہر بات اُسے مغموم کر دیتی تھی۔ جب اُس نے سنا کہ لگن بھیجا جانے والا ہے۔ اُسے بے حد فکر ہو گئی تھی اور اُس نے رادھا سے سب حال کہہ دیا تھا۔

رادھا نے اُسے تسلی و تشفی دے کر یہ واقعہ تیج سنگھ سے کہہ دیا تھا۔ تیج سنگھ نے ایک نہایت بڈھے برہمن کو بہت کچھ لے دے کر وزیر اعظم کو شادی روکنے کے لئے بھیجا تھا۔ جو برہمن سیلادت کے پاس گیا تھا اور جس نے اُسے ڈرا کر شادی کی تاریخ مقرر کرنے سے روکا تھا، وہ تیج سنگھ کا فرستادہ تھا۔

منورما کو اس التوائے لگن کی اطلاع ہو گئی تھی۔ گویا فی الحال شادی کی تاریخ کو معرضِ التواء میں رکھنے کی خبر سے اُسے بے انتہا مسرت ہوئی تھی۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس کے ایک خاص کمرہ میں کرشن جی کی مورتی رکھی ہوئی تھی اور اُسے اُن کی مورتی سے خاص لگاؤ تھا اور وہ اسی کی پوجا کیا کرتی تھی۔ اُس کا اعتقاد تھا کہ کرشن جی خود ایشور (خدا) تھے۔ اور انسانی روپ دھارن کر کے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے آئے تھے۔ صرف اُس کا ہی نہیں، بلکہ اکثر و بیشتر ہندوؤں کا بھی مذکورہ خیال ہے۔ نہ صرف خیال ہے بلکہ راسخ العقیدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں سری کرشن جی بھگوان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ہم ناول میں ہندوؤں کے عقائد پر تبصرہ کرنا نہیں چاہتے اور نہ ہی اسے مناسب سمجھتے ہیں۔ چونکہ ایک تاریخی فسانہ نگار کا یہ بھی فرض ہوتا ہے کہ وہ جس زمانہ کا فسانہ لکھے، اُس زمانے کی معاشرت، تمدن، تہذیب اور مذہبی عقائد پر بھی روشنی ڈالے۔ اس لئے ہم نے بھی مجملاً ان واقعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اور واقعات کو اس حد تک بیان کیا ہے، جس حد تک وہ تاریخوں

میں محفوظ ہیں۔

ہندو فسانہ نگار زیادہ تر غلط واقعات لکھا کرتے ہیں۔ ایک فسانہ میں ہندوؤں نے سلطان شہاب الدین کی بابت لکھا ہے کہ تین مرتبہ پرتھوی راج نے اُسے گرفتار کر کے چھوڑ دیا۔ اور جب وہ پرتھی راج کو گرفتار کر کے لے گیا تو پرتھوی راج نے اپنی تیر اندازی کی بڑی تعریف کی اور بتایا کہ وہ آنکھیں بند کر کے نہیں بلکہ آنکھوں پر پٹی باندھوا کر نشانہ پر تیر لگا سکتا ہے۔ شہاب الدین نے اُس کی تیر اندازی کا امتحان لینے کے لئے اُس کی آنکھوں پر پٹی بندھوائی اور اُسے تیر کمان دیا۔ اُس نے تیر، کمان میں رکھ کر کھینچا اور شہاب الدین کے سینے میں ترازو کر دیا۔ حالانکہ یہ تمام واقعات سرے ہی سے بے بنیاد اور سراپا جھوٹ ہیں۔ پرتھوی راج نے ایک مرتبہ بھی شہاب الدین کو گرفتار نہیں کیا۔ اور نہ ہی اُسے اُس نے تیر مار کر شہید کیا۔ بلکہ شہاب الدین نے اُسے مار ڈالا۔ اور شہاب الدین کو کھکروں نے شہید کیا تھا۔ وہ بھی اُس وقت جبکہ ہندوستان کی مہم کو عرصہ گزر چکا تھا۔ حیرت یہ ہے کہ مؤرخوں کو غلط لکھتے ہوئے ذرا بھی باک نہیں ہے۔

قصہ مختصر کہ منورما کو کرشن جی سے بے حد عقیدت تھی۔ اور وہ اُن کی پوجا خلوصِ دل سے کیا کرتی تھی۔ ایک روز وہ اُس کمرے میں گئی جس میں سری کرشن جی مہاراج کی تصویر تھی۔ اُس نے پردہ کھینچا اور جب تصویر نظر آئی تو وہ ہاتھ جوڑ کر جھک گئی۔ رات کا وقت تھا اور کمروں میں چراغوں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کرشن جی کی تصویر اپنے مخصوص انداز میں کھڑی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ وہ پاؤں پر پاؤں رکھے ہوئے کھڑے بانسری بجا رہے ہوں۔

کچھ وقفہ کے بعد منورما اُٹھ کر کھڑی ہوئی اور آنکھیں بند کر کے کچھ آہستہ آہستہ سے پڑھتی رہی۔ پھر وہ دونوں گھٹنوں پر کھڑی ہو گئی اور اُس نے آنکھیں کھول کر اپنی نرگسی آنکھوں سے تصویر کو دیکھا اور ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''پربھو! تمہی میری ڈوبتی ہوئی نیا کو پار لگاؤ گے۔ میرے من (دل) کا سکون جا تا رہا ہے۔ میرے قلب کا چین اُڑ گیا ہے۔ میں بے کل (بے قرار) رہنے لگی ہوں۔ مجھے ڈھارس دو! آہ...... تم کیوں مجھ پر دیا (مہربانی) نہیں کرتے؟ بھگوان! جب تم اپنی داسی پر دیا نہ کرو گے، اُس کی خبر نہ لو گے تو اور کون لے گا؟ مہاراج! میری اچھا پوری کر دو۔ تمہیں سب شکتی ہے۔ تم سب کچھ کر سکتے ہو۔'' اُس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ دیر تک کھڑی رہی۔ کچھ دیر کے بعد اُٹھی اور چبوترے پر چڑھی۔ مورتی کے پاس جا کر اُس کے پیروں کو چھو کر ہاتھ اپنی پیشانی پر لگایا اور سیدھے قدموں سیڑھیوں سے اُتر کر نیچے آئی۔ اب اُس نے پردہ کھینچا۔ مورتی پردے کے عقب میں آ گئی اور وہاں سے نکلی تو برآمدے میں اُسے رادھا کھڑی ملی۔

منورما اُسے دیکھ کر خوش ہو گئی۔ ''خوب ہوا رادھا! تم آ گئیں۔''

رادھا نے کہا۔ ''اس وقت میں تم سے خاص باتیں کرنے آئی ہوں۔''

منورما: ''اور مجھے بھی تم سے خاص باتیں ہی کرنی ہیں۔ آؤ!'' وہ دونوں برآمدے کو طے کرنے لگیں۔

☆......☆......☆

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

دونوں چل کر منورما کی نشست گاہ کے کمرے میں پہنچیں اور ایک مسہری پر بیٹھ گئیں۔ رادھا، منورما کی حسین آنکھوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ منورما نے اُسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھ کر دریافت کیا۔ ''کیا دیکھ رہی ہو تم رادھا؟''

رادھا نے کہا۔ ''تمہاری سندر (حسین) نینوں (آنکھوں) میں کیسی سوہت (دلکش) چمک آ گئی ہے۔''

منورما: ''مجھے بناؤ نہیں رادھا!''

رادھا: ''ایشور کی سوگند (قسم) میں سچ کہہ رہی ہوں۔''

منورما: ''ممکن ہے، ایسا ہی ہو۔''

رادھا: ''بالکل ایسا ہی ہے۔ اور اس کی وجہ میں سمجھ گئی ہوں۔''

منورما: ''کیا سمجھا ہے تم نے؟''

رادھا: ''تم سری کرشن جی بھگوان کی پوجا کر کے آئی ہو۔ اُن کی صورت کی جوت (چمک) تمہارے نینوں میں آ گئی ہے۔''

منورما: ''یہ تم نے سچ کہا۔ ہاں، بتاؤ! تمہیں کیا کہنا ہے؟''

رادھا: ''تم کو معلوم ہے کہ وہ (تیج سنگھ) اُس کی رہائی کے لئے کوشش کر رہے ہیں؟''

منورما: ''معلوم ہے۔ اور تمہارے ساتھ اُن کی بھی مشکور ہوں۔''

رادھا: ''میں اس لئے نہیں کہہ رہی ہوں کہ اپنایا اُن کا احسان جتاؤں اور آپ ہم دونوں کا شکریہ ادا کریں۔''

منورما: ''میں جانتی ہوں۔''

رادھا: ''میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اُنہوں نے کیا کوشش کی اور اس کا کیا نتیجہ ہوا؟''

منورما: ''یہ تو میں بھی سننا چاہتی ہوں۔''

سب سے پہلے اُنہوں نے جیل خانہ کے محافظوں سے ربط و ضبط بڑھایا۔ جب اُن سے اُن کی گہری دوستی ہو گئی، تب اُنہوں نے چاہا کہ اُن سے اُس کی رہائی کے لئے کہیں۔ مگر تمہارے پتا نے دفعتہً اُنہیں بدل دیا اور اس طرح سے یہ کوشش بیکار ہو کر رہ گئی۔''

منورما: ''یہ میری تقدیر کی خرابی ہے۔''

رادھا: ''نہیں..... اسے محض اتفاق کہا جا سکتا ہے۔''

منورما: ''دل کو بہلانے کے لئے اتفاق کہہ ڈالو۔''

رادھا: ''دل کے بہلانے کے لئے نہیں بلکہ حقیقت میں یہ ایک اتفاق تھا۔''

منورما: ''اچھا..... پھر کیا، اُنہوں نے؟''

رادھا: ''پہلے محافظوں کے بعد جو دوسرے محافظ آئے، وہ ایسے تھے کہ جن سے اُن کی ان بن تھی۔''

منورما: ''اب تو یقین آیا کہ یہ سب میرے بھاگ کا ہی قصور تھا۔''

رادھا: ''نہیں بہن! یہ بات نہیں ہے۔''

منورما: ''اور کیا بات ہے؟''

رادھا: ''یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مسلمان بہادر بھی ہیں اور چالاک بھی۔ تمہارے پتا کو خوف ہوا کہ کہیں وہ جیل خانہ ہی سے نکل نہ بھاگیں۔''

منورما: ''یہ خوف ہوا کیوں؟''

رادھا: ''اس لئے کہ پہلے جو محافظ تھے، وہ ذرا نرم طبیعت کے تھے۔ بنا بریں منتری جی کو اندیشہ ہوا کہ کہیں مسلمان چالاکی کر کے اُن کو اپنے قابو میں نہ کر لیں۔''

منورما: ''اس لئے اُنہوں نے اُنہیں وہاں سے بدل دیا۔''

رادھا: ''ہاں..... میں نے ایک بات اور بھی سنی ہے۔''

منورما: ''کیا؟''

رادھا: ''محافظوں کے سردار کا یہ خیال تھا کہ ان مسلمانوں کو قید سے چھڑانے کے لئے سلطان ضرور حملہ آور ہوگا اور اس کا مقابلہ مہاراج نہ کر سکیں گے۔''

منورما: ''یہ خیال کیوں تھا اس کا؟''

رادھا: ''وہ لمغان کی یدھ (جنگ) میں شامل تھا۔ اُس نے دیکھا تھا کہ تھوڑے سے مسلمانوں نے مہاراج کی زبردست فوج کو شکست دے دی تھی۔ ہزاروں راجپوتوں کو مار ڈالا تھا۔ مہاراج نے بڑی خوشامد کر کے سلطان سے صلح کی تھی۔''

منورما نے حیرت سے رادھا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''راجپوتوں کو شکست ہو گئی تھی کیا؟''

رادھا: ''ہاں!''

منورما: ''اور مہاراج نے خوشامد کر کے صلح کی تھی؟''

رادھا: ''جی ہاں!''

منورما: ''تعجب ہے۔ پتا جی تو کہتے تھے کہ فتح راجپوتوں کی ہوئی ہے۔''

رادھا: ''مہاراج نے اُنہیں اور سب کو یہی بتایا تھا۔ مگر حقیقت یہ نہ تھی۔ مسلمانوں کو مہاراج اپنے ہمراہ اسی لئے لائے تھے تاکہ ان کو خراج دیں۔''

منورما کو یہ سن کر سخت حیرت ہوئی۔ اُس نے کہا۔ ''خراج دیں؟''

رادھا: ''ہاں..... اسی شرط پر صلح ہوئی تھی۔''

منورما: ''میں اب سمجھی کہ مسلمان کیوں آئے تھے۔''

رادھا: ''محافظوں کے افسر کا یہ بھی خیال تھا کہ سلطان ان مسلمانوں کو ضرور رہا کرا لے گا اور اس وقت اُن لوگوں سے جن کی حفاظت میں مسلمان رہے ہوں گے، سخت انداز سے مواخذہ کرے گا۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

منورما: ''اور اُس کا یہ خیال بالکل ٹھیک تھا۔''

رادھا: ''اس لئے وہ مسلمانوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا تھا اور اُنہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیتا تھا۔ کسی نے مہاراج کو یہ بھی خبر کر دی۔ وہ سخت برہم ہو گئے اور اُنہوں نے اُنہیں وہاں سے ہٹا دیا۔''

منورما: ''افسوس! مہاراج مسلمانوں کی تلواروں کا امتحان کر چکے ہیں۔ اور پھر اُن سے لڑنا چاہتے ہیں۔ اُنہیں تو چاہئے تھا کہ وہ مسلمانوں کو قید کرنے کی بجائے چھوڑ دیتے۔''

رادھا: ''یہی چاہئے تھا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو مسلمانوں کے حملہ کرنے کا بھی خوف نہ ہوتا۔''

منورما: ''اس طرح سے تو مہاراج نے نہایت خطرناک غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔''

رادھا: ''اُنہوں نے خود مسلمانوں کو اعلان جنگ دیا ہے۔''

منورما: ''شاید اسی وجہ سے ہندوستان کے تمام بڑے بڑے راجاؤں کے لشکر آ گئے ہیں۔''

رادھا: ''ان لشکروں پر ہی وہ پھول گئے ہیں۔''

منورما: ''اور لمغان کی ہزیمت کو بھول گئے ہیں۔''

رادھا: ''اب وہ سلطان سے لمغان کی شکست کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔''

منورما: ''تو کیا مسلمان دب جائیں گے؟''

رادھا: ''اُن کا (تیج سنگھ) کا خیال ہے کہ اس سے مسلمان سخت ناخوش ہو جائیں گے۔ اور غزنی سے بگولوں کی طرح اُٹھ کر پشاور اور لاہور پر آندھی کی طرح چھا جائیں گے۔''

منورما: ''ایشور ہی جانے کہ کیا ہونے والا ہے؟''

رادھا: ''اگر ہمارے سامنے دیوتا کوشش کریں تو ممکن ہے کہ ہم کو فتح نصیب ہو سکے۔''

منورما: ''مگر دیوتا تو ہندوؤں سے پہلے ہی ناراض ہیں۔''

رادھا: ''اُنہیں خوش کرنے کے لئے خیرات اور قربانیاں کی جا رہی ہیں۔''

منورما: ''تو اب اُن (منصور) کے آزاد ہونے کی کوئی توقع نہیں رہی؟''

رادھا: ''وہی تو میں کہنے آئی تھی۔ مگر باتیں کچھ اور شروع ہو گئیں۔ اب اُنہوں نے ایک اور تدبیر کی ہے۔''

منورما: ''کیا؟''

رادھا: ''جس جیل خانے میں مسلمانوں کو قید کیا گیا ہے، اُس کی پشت پر اُن کا مکان ہے۔ وہ (تیج سنگھ) اس مکان کو لے رہے ہیں۔''

منورما: ''کیا کریں گے اسے لے کر؟''

رادھا: ''اُن کا ارادہ ہے کہ اس مکان سے جیل خانہ تک سرنگ لگائیں۔''

منورما خوش ہو گئی۔ اُس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی عود کر آئی۔ آنکھیں فرطِ مسرت سے چمکنے لگیں۔ اُس نے کہا۔ ''تدبیر تو نہایت اچھی ہے۔''

رادھا: ''ہاں! اچھی ہونے کے ساتھ خطرناک بھی ہے۔''

منورما: ''کیوں.....؟''

رادھا: ''اس لئے کہ جب سرنگ مکمل ہو گئی تو مسلمانوں کو آزاد کرا لیا جائے گا اور معلوم ہونے پر مہاراج اُن کو (تیج سنگھ) کو سخت سے سخت سزا دیں گے۔''

منورما کا چہرہ اُتر گیا۔ اُس نے کہا۔ ''تب تو اُن سے کہہ دو! کہ وہ ایسی سعی نہ کریں۔''

رادھا: ''میں نے اُن سے پہلے ہی کہا تھا۔ مگر وہ نہیں مانتے۔''

منورما: ''وہ میرے لئے اپنی جان خطرہ میں نہ ڈالیں۔''

رادھا: ''اُنہوں نے ایک تجویز سوچی ہے۔''

منورما: ''کیا؟''

رادھا: ''پہلے یہ بتاؤ! کہ اگر مسلمان رہا ہو گئے تو کیا تم اُن کے ساتھ غزنی جانے پر تیار ہو جاؤ گی؟''

رادھا: ''وہ کہتے تھے کہ وہ بھی تمہارے ساتھ ہی چلے جائیں گے۔''

منورما نے رادھا کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''اور تم.....؟''

رادھا: ''میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جہاں جاؤ گی، ساتھ جاؤں گی۔''

منورما نے مشکورانہ نظروں سے اُسے دیکھ کر کہا۔ ''تم میرے لئے کس قدر تکلیفیں اُٹھانے کے لئے تیار ہو؟''

رادھا: ''بار بار تم ایسی بات کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کرو۔''

منورما: ''رادھا! میں نہیں کہہ سکتی کہ میرے دل میں تمہاری کس قدر عزت اور محبت ہو گئی ہے۔''

رادھا نے مسکرا کر کہا۔ ''مجھ سے یہ سب کچھ تمہاری محبت کرا رہی ہے۔''

منورما: ''یہ ایشور کی مہربانی ہے۔ اور اُس نے ہی تمہارے دل میں میری محبت پیدا کر دی ہے۔ لیکن اگر وہاں مسلمانوں نے تم دونوں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا، تب کیا ہو گا؟''

رادھا: ''وہ کہتے تھے کہ مسلمان بڑے نیک اور احسان ماننے والے ہوتے ہیں۔ وہ یعنی مسلمان اپنے رہا کرانے والوں کی بڑی قدر و منزلت کریں گے۔''

منورما: ''خیال تو میرا بھی یہی ہے۔''

رادھا: ''تو تم بھی یہ چاہتی ہو کہ وہ (تیج سنگھ) بھی تمہارے ہمراہ غزنی چلیں؟''

منورما: ''یہ بڑی مسرت کی بات ہو گی رادھا!''

رادھا: ''بس! میں یہی دریافت کرنے اور یہ ساری باتیں کہنے آئی تھی۔''

منورما نے شرماتے ہوئے کہا۔ ''تم نے شاید یہ بھی سن لیا ہو گا کہ پتا جی نے میری شادی ملتوی کر دی ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

رادھا نے مسکرا کر کہا۔ ''ہاں! سنا ہے۔ مگر تم کو یہ بھی خبر ہے کہ یہ شادی ملتوی کیوں کی گئی ہے؟''

منورما: ''سننے میں آیا ہے کہ کسی پنڈت نے مہاراج سے کہہ دیا ہے کہ جنگ کے بعد شادی کرنا مناسب ہے۔''

رادھا: ''تم کو یہ معلوم نہیں کہ اُس پنڈت کو کس نے بھیجا تھا؟''

منورما: ''نہیں۔''

رادھا: ''اُسے اُنہوں (تیج سنگھ) نے ہی تو بھیجا تھا۔''

منورما: ''تم دونوں میرے ساتھ کس قدر مہربانیاں کر رہے ہو۔''

رادھا: ''اب رات زیادہ ہوگئی ہے۔ اس لئے مجھ کو اجازت دیجئے۔''

منورما: ''اچھا! جاؤ۔''

رادھا اُٹھی اور اس کے ساتھ ہی منورما بھی اُٹھی۔ دونوں چل کر کمرے سے باہر نکلیں۔ پھر رادھا نمستے کر کے روانہ ہوگئی اور منورما اپنی خواب گاہ کے کمرے میں داخل ہوگئی۔ اُس وقت رادھا کی باتوں سے اُس کے دل کو بڑی تسلی ہوگئی تھی۔

☆.....☆.....☆

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جے پال جنگی تیاریوں میں ہمہ تن مصروف تھا۔ اُس نے کافی رسد، کافی سامانِ حرب وضرب، کافی دولت اور کثیر التعداد لشکر جمع کر لیا تھا۔ ان سب اشیاء کے فراہم ہو جانے سے اُسے توقع ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہوگیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو شکست فاش دے کر اُن کی قوت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دے گا۔ اور پھر لمغان سے غزنی تک کی اسلامی حدود پر قبضہ کر کے اسلامی حکومت کو ہمیشہ کے لئے مٹا دے گا۔ وہ فتح کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اور والی غزنی کہلانے کی خوشی میں یہ سب کچھ کر رہا تھا۔

چونکہ اُس کے پاس لشکر لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوگیا تھا، اس لئے وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ سلطان کو اُس کی تیاریوں کا علم نہ ہو۔ اور وہ اس وقت جبکہ سلطان کا لشکر جوشِ انتقام میں اُس کی سرحد کے قریب آ جائے تو اچانک اُس پر ٹوٹ پڑے اور اُسے تباہ و برباد کر دے۔

لاہور اور اس کے مضافات میں جنگ کی افواہیں گرم ہو رہی تھیں۔ راجپوتوں کے بڑی دل لشکر کو دیکھ کر سارے ہندوؤں نے بطورِ خود یقین کر لیا تھا کہ وہ بالضرور فتح یاب ہوں گے اور ایک اسلامی سلطنت کو مٹا کر تمام افغانستان پر اپنی بہادری کا سکہ بٹھا دیں گے۔ اور جس طرح صدیوں پہلے افغانستان میں بت پرستی ہوتی تھی، اُسی طرح سے پھر شروع ہو جائے گی۔ مسجدوں کی جگہ

---

1 ابوریحان البیرونی نے اپنی تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ کابل میں کچھ لوگ ملک تبت سے آئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو ترک کہتے تھے۔ اُن کا آئین بت پرستی تھا۔ اُنہوں نے کابل میں آ کر حکومت کی داغ بیل ڈالی اور اُن کا سب سے پہلا راجہ برہ تکین برگ ہوا۔ ساٹھ پیڑھی تک اُس کے خاندان میں متواتر سلطنت چلی آئی۔ اُس خاندان میں ایک راجہ کنک تھا جس نے پشاور میں ایک وہار بنایا تھا جو آج تک اُس کے نام سے مشہور ہے۔ اُس کے پاس راجہ قنوج نے ایک کپڑا تحفتاً بھیجا تھا جس پر آدمی کے پاؤں کا چھاپہ تھا۔ کنک نے اس کو راجہ قنوج کی گستاخی سمجھا اور اُس پر چڑھائی کر دی۔ قنوج کے راجہ میں اُس سے لڑنے کی طاقت نہ تھی۔ وہ گھبرا گیا۔ اُس نے وزیر سے مشورہ کیا۔ وفادار وزیر نے اپنے ناک کان کٹوا دیئے اور راجہ کنک کے پاس جا کر کہنے لگا کہ قنوج کا راجہ بڑا ظالم ہے۔ میں اُسے صلح کی ترغیب دیتا تھا۔ وہ سمجھا کہ میں آپ سے مل گیا ہوں۔ اُس نے میرے ناک اور کان کٹوا دیئے۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ میں قریب کے راستہ سے قنوج لے چلوں گا۔ کنک اُس کے ہمراہ چل پڑا۔ وہ اُس کو ایسے ویرانہ میں لے گیا جہاں پانی نہیں تھا۔ اُس نے اُس کو بتایا کہ میں نے آپ کو دھوکہ دیا ہے۔ اور اب آپ کا لشکر پیاس سے ہلاک ہو جائے گا۔ یہ سن کر راجہ گھوڑے پر سوار ہوا، ایک جگہ جا کر نیزہ گاڑھ دیا۔ وہاں سے پانی اُبل آیا۔ وزیر نے کہا کہ میں انسانوں کو دھوکہ دے سکتا ہوں، مگر دیوتاؤں کو نہیں۔ 35ھ میں حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں عبدالرحمٰن نے کابل پر حملہ کر کے اسے فتح کیا تھا۔ (صادق)

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

مندر بن جائیں گے۔ اور وہاں خدا پرستی کا وجود بھی باقی نہ رہے گا۔ ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ لاہور میں اس قدر راجپوتوں کا لشکر جمع ہو گیا تھا کہ وہ قلعہ کے اندر نہ سما سکتا تھا۔ اس لئے اس کے واسطے دریائے راوی کے کنارے پر خیمے نصب کر کے ڈیروں کا ایک جدید شہر بسا دیا گیا تھا۔ ایک لاکھ سپاہی تھے۔ ہزاروں خیمے اور چھولداریاں تھیں جو دریا کے نشیبی سرسبز اور شاداب میدان میں میلوں لمبے اور چوڑے احاطہ میں بکھرے ہوئے تھے۔

جے پال نے اُس لشکر میں جگہ جگہ بازار لگوا دیئے تھے۔ ہر قسم کی دُکانیں پہنچ گئی تھیں۔ ضرورت کی ہر چیز ہر جگہ سے مل جاتی تھی۔ سپاہی نہایت بے فکری اور بڑے آرام سے ایام گزاری کر رہے تھے۔ سوائے فضولیات میں وقت ضائع کرنے کے اُن کو اور کوئی کام نہ تھا۔ جے پال نے جو لشکر فراہم کیا تھا، وہ قلعہ کے اندر چھاؤنی میں مقیم تھا اور وہ بھی بے کار ہی پڑا تھا۔ جوشی یہ بات دیکھ رہے تھے کہ کون سا دن لشکر کے کوچ کرنے کے لئے مناسب ہوگا۔ مگر اُن میں اختلاف پڑ گیا تھا۔ کوئی کسی تاریخ کو اچھا بتاتا اور کوئی کسی کو۔

چونکہ جے پال بھی کوچ کرنا نہیں چاہتا تھا بلکہ وہ کسی انتظار میں تھا۔ اس لئے اُس نے بھی جوتشیوں پر زور نہیں دیا تھا کہ وہ کسی ایک تاریخ پر متفق ہو کر بتائیں۔ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے قربانیاں کی جا رہی تھیں۔

صبح کے وقت جب آفتاب طلوع ہوتا تو اکثر ہندو نہانے کے بعد سورج دیوتا کو پانی چڑھاتے تھے اور اُس سے فتح و نصرت کی دُعا مانگتے تھے۔ مندروں میں بھی کثرت سے عورتیں اور مرد جانے لگے تھے۔ گھنٹے، گھڑیال اور شنکھ صبح سے دوپہر تک اور دن چھپے سے ایک تہائی شب گزرنے تک برابر بجتے رہتے تھے۔

بتوں کے سامنے گھنٹوں لوگ بیٹھے اور پڑے رہتے تھے۔ دُعائیں مانگتے تھے۔ نذریں چڑھاتے تھے۔ خود جے پال اور اُس کے خاندان والے بھی بتوں کی پرستش کرتے اور دیوتاؤں پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔

ایک روز سیلادت جے پال کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس وقت جے پال اپنے محل میں تھا۔ وہ اچانک سیلادت کے آنے سے کچھ گھبرا گیا۔ اُس نے دریافت کیا۔ ''کیا بات ہے منتری جی! تم خلاف توقع کس لئے آئے ہو؟''

سیلادت نے جواب دیا۔ ''ان داتا! (رزق دینے والے) جو لوگ سرحد پر اسلامی لشکر کی نقل و حرکت دیکھنے کے لئے بھیجے گئے تھے، اُن میں سے چند ایک آدمی واپس آئے ہیں۔''

جے پال اس وقت لیٹا ہوا تھا۔ وہ یہ وحشت ناک خبر سن کر اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے کہا۔ ''کیا وہ کوئی خاص خبر لائے ہیں؟''

سیلادت: ''جی ہاں!''

جے پال: ''کیا.....؟''

سیلادت: ''وہ کہتے ہیں کہ غزنی سے اسلامی لشکر روانہ ہو چکا ہے۔''

جے پال نے حیرت سے سیلادت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا سلطان نے لشکر کشی کر دی ہے؟''

سیلادت: ''ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔''

جے پال: ''ناممکن ہے۔ سلطان کو اس کی جرات نہیں ہو سکتی۔''

سیلادت: ''مگر حضور! خبر لانے والوں کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟''

جے پال: ''اچھا..... اُن کو میرے سامنے بلاؤ۔ میں خود دریافت کروں گا۔''

سیلادت: ''بہتر ہے۔''

اُس نے ایک برہمن کو جو قریب ہی کھڑا تھا، اشارہ کیا۔ وہ چلا گیا اور تھوڑی دیر میں دو راجپوتوں کو ساتھ لے کر حاضر ہوا۔ راجپوتوں نے آتے ہی ہاتھ جوڑ کر سجدہ کیا۔ جب وہ اُٹھے تو جے پال نے اُن سے دریافت کیا۔ ''کیا خبر لائے ہو تم؟''

ایک راجپوت نے کہا۔ ''ان داتا! مسلمانوں کا سلطان اپنی سینا لے کر چل پڑا ہے۔''

جے پال: ''کیا تم نے اسلامی لشکر دیکھا ہے؟''

راجپوت: ''جی ہاں!''

جے پال: ''کب اور کہاں؟''

راجپوت: ''ہم لمغان سے بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ ہمیں ایک تبتی (تبت کا باشندہ) ملا۔ اُس نے بتایا کہ مسلمانوں کا لشکر گھاٹیوں اور چٹانوں پر بکھرا پڑا ہے۔''

جے پال: ''پھر کیا، کیا تم نے؟''

راجپوت: ''ہمارے سردار نے پانچ آدمیوں کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ اُن میں، میں بھی شامل تھا۔ ہم شام کے وقت روانہ ہو گئے۔ چاندنی رات تھی۔ اور ہم چاندنی میں چلتے رہے۔ آدھی رات چلتے رہنے کے بعد ہم اُس مقام پر پہنچ گئے جس جگہ اسلامی علم لہرا رہا تھا۔ ہم یہ دیکھتے ہی فوراً واپس لوٹ آئے۔''

جے پال: ''تم نے اندازہ لگایا کہ کس قدر لشکر ہے؟''

راجپوت: ''نہیں حضور!''

جے پال: ''کیوں؟''

راجپوت: ''اس لئے کہ مسلمان خیموں کے اندر گھسے ہوئے تھے۔''

جے پال: ''خیموں کا اندازہ کیا کہ کس قدر تھے؟''

راجپوت: ''جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی، خیموں کی چوٹیاں نظر آتی تھیں۔ ہر چٹان، ہر درّہ اور ہر وادی میں خیمے بکھرے ہوئے تھے۔''

جے پال: ''اگر تم چاہتے تو لشکر کی تعداد معلوم کر سکتے تھے۔''

www.pdfbooksfree.pk

راجپوت: ''ہم نے اُن کے علموں کی تعداد معلوم کرنی چاہی تھی۔ مگر جونہی ہم نے آگے بڑھنا چاہا، ایک گھاٹی میں سے لشکر کے محافظ سپاہی نکل آئے۔ ہم اُن کو دیکھتے ہی چٹانوں کی آڑ لے کر واپس لوٹ آئے۔''

جے پال: ''تم نے اُس تتی سے نہ دریافت کیا؟ شاید اُسی نے اندازہ لگایا ہو۔''

راجپوت: ''وہ تو اسلامی لشکر دیکھ کر حواس باختہ ہو رہا تھا۔''

جے پال: ''خیر! کتنا بھی لشکر ہو، وہ ہمارا شکار ہے۔ اور شکار ہونے کے لئے ہمارے سامنے آ رہا ہے۔ تمہارے اور ہمراہی کہاں رہ گئے؟''

راجپوت: ''وہ لمغان کے میدان میں ٹھہر گئے تھے حضور!''

جے پال: ''خوب کیا اُنہوں نے۔ کیا تم پشاور سے ہو کر آئے ہو؟''

راجپوت: ''جی ہاں!''

جے پال: ''پشاور میں جو لشکر ہے، اُسے ہوشیار اور تیار رہنے کے لئے کہہ دیا ہے؟''

راجپوت: ''کہہ دیا ہے حضور!''

جے پال: ''یہ دیوتاؤں کی مہربانی ہے کہ دشمن کو اُس کے گھر سے کھینچ کر ہمارے سامنے لے آئے ہیں۔ اب ہم اُن سے لمغان کے مقتولوں کا انتقام لیں گے اور چن چن کر ایک ایک مسلمان کو قتل کر ڈالیں گے۔''

سیلادت: ''یہ اچھا ہوا کہ سلطان جوش میں آ کر اُٹھا چلا آیا۔''

جے پال: ''میں سمجھتا ہوں کہ اب دیوتا ہم سے خوش ہو گئے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ غزنی اور کابل میں پھر ان کے پرستاروں کی حکومت قائم ہو جائے۔''

سیلادت: ''ٹھیک فرمایا حضور نے۔ سلطان کو معلوم نہیں ہے کہ ہم نے کتنا لشکر فراہم کر لیا ہے۔''

جے پال: ''اُسے معلوم بھی نہیں ہونا چاہئے۔ مغرور سلطان کا غرور ہمارا ٹڈی دل لشکر دیکھ کر کافور ہو جائے گا۔''

سیلادت: ''سلطان اور ہر مسلمان بہادر راجپوتوں کو دیکھ کر کانپ اُٹھے گا۔''

جے پال: ''اب ہمیں ایک گھڑی ایک پل بھی ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ اچھا! تم آج ہی سے رسد کا سامان، آلاتِ حرب اور کمبلوں کے ڈھیر روانہ کرنے شروع کر دو! بار برداری کے چھکڑوں کے ہمراہ کافی فوج بھیجتے رہو اور پنڈتوں، جوتشیوں سے کہو! کہ وہ فوراً حساب لگا کر بتائیں کہ کس مہینے کا کون سا دن، کون سا وقت لشکر کے کوچ کے لئے مناسب ہے؟''

سیلادت: ''بہتر ہے حضور!''

جے پال: ''اُن سے وقت اور دن معلوم کر کے منادی کرا دو! کہ فلاں دن اور فلاں وقت لشکر روانہ ہو گا۔''

سیلادت: ''بہت اچھا۔''

جے پال: ''یہ بھی اعلان کر دو! کہ قربانیوں میں اور اضافہ کر دیا جائے۔ بتوں اور دیوتاؤں سے فتح کی دعائیں مانگی جائیں۔''

سیلادت: ''بہت خوب۔''

جے پال: ''اور جو دن اور وقت لشکر کی روانگی کا برہمن بتائیں، اُسی روز مسلمان قیدیوں کی قربانی کی جائے۔''

سیلادت: ''یہی بات میں یاد دلانے والا تھا حضور!''

جے پال: ''ہم کو سب یاد ہے۔ ہم کوئی بات بھولا نہیں کرتے۔''

سیلادت: ''اچھا..... تو اب مجھے اجازت ہے؟''

جے پال: ''ہاں..... جاؤ اور جملہ انتظامات نہایت خوش اسلوبی سے انجام دو!''

پھر سیلادت نے نمستے کیا۔ راجپوتوں نے بھی سجدہ میں گرتے ہوئے ڈنڈوت کی اور یہ تینوں روانہ ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

سیلادت نے جے پال کے پاس آتے ہی سینا پتی (سپہ سالار) کو راجہ کے حکم سے آگاہ کر کے ہدایت کر دی کہ سامانِ حرب اور رسد فوراً روانہ کرنا شروع کر دیا جائے۔ اور بار برداری کے چند چھکڑے آج ہی چلتے کر دیئے جائیں۔

سپہ سالار تعمیلِ حکم میں مصروف ہو گیا۔ اُس نے سینکڑوں چھکڑوں میں سامان لدوا کر اُسی روز روانہ کر دیا اور اُس کے ساتھ کئی دستے بھی بھیج دیئے۔ سیلادت نے منادی کرا دی کہ قربانیاں کثرت سے کی جائیں۔ اور دیوتاؤں سے فتح و ظفر کی دعائیں مانگی جائیں۔ اُس نے پنڈتوں اور جوتشیوں کو بلا کر کہا کہ اچھا دن اور اچھی تاریخ بتائیں۔ تاکہ اس روز لشکر روانہ کیا جائے۔

ان پیہم اعلانات کو سن کر اور سامان کے چھکڑے روانہ ہوتے دیکھ کر لوگوں نے یقین کر لیا کہ یا تو سلطان نے حملہ کر دیا ہے اور یا جے پال نے حملہ کرنے کا قصد کر لیا ہے۔

وہ سپاہی جو اپنی کثرت کے زعم پر خوش تھے اور نہایت بے فکری سے کھا کھا کر دندنا رہے تھے، لشکر کشی کا حال سن کر فکر مند ہو گئے۔ اب اُن کی تمام مسرت کو چ کر گئی تھی۔ اور وہ ہر چیز کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کوئی غیبی قوت اُن کے کانوں میں کہہ رہی تھی کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نہیں جا رہے ہیں۔ بلکہ فرشتہ اجل اُن کو مقتل میں کھینچے لئے جا رہا ہے۔ وہ بے حد پریشان اور غمزدہ ہو گئے تھے۔ اب نہ اُنہیں کھانا اچھا لگتا تھا اور نہ ہی کوئی کام کرنے کو جی چاہتا تھا۔

جب کوئی اُن سے ہنسی کی بات کرتا تھا تو اُن کا دل ہنسنے کی بجائے رونے کو چاہنے لگتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ لڑائی موقوف ہو جائے اور اُنہیں میدانِ کارزار میں جانے کا حکم نہ ہو۔ اپنے دل کو وہ اس خیال سے تسلی دے لیا کرتے تھے کہ شاید سلطان جنگ پر آمادہ نہ ہو یا راجہ ہی صلح کر لے۔

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

یہ بات سب کو معلوم تھی کہ اس وقت لڑائی صرف اس بناء پر تلی ہوئی ہے کہ جے پال نے زرِ تاوان ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا اور اُس نے وہ ادا نہیں کیا تھا بلکہ وہ مسلمان جو زرِ تاوانِ جنگ لینے کے لئے آئے تھے، اُن کو قید کر لیا تھا۔ اس بات کو بھی وہ سمجھتے تھے کہ اگر مسلمان رہا کر دیئے جائیں اور تاوانِ جنگ ادا کر دیا جائے تو جنگ ٹل سکتی ہے۔ اس لئے وہ اپنے دلوں کو فریب دے رہے تھے کہ شاید راجہ کو ہوش آ جائے۔ اور وہ اُن دونوں باتوں کو پورا کر کے ملک و قوم کو آتش جنگ میں نہ جھونکے۔ وہ رات کو اسی قسم کے خیالات سوچ کر سوتے اور سمجھتے کہ صبح کو یہ نوید جانفزا سننے میں آئے گی کہ جنگ ملتوی کر دی گئی۔ مگر جب صبح کو اُٹھتے اور غلے کی گاڑیاں روانہ ہوتے دیکھتے تو اُن کے دل ڈوب جاتے اور تمام ہوائی قلعے منہدم ہو کر رہ جاتے تھے۔

روزانہ سامان کی گاڑیاں اور تھوڑا تھوڑا لشکر روانہ ہو رہا تھا۔ جوں جوں فوج کوچ کرتی جاتی تھی، لاہور اور اس کے باہر والے میدانوں میں بے رونقی ہوتی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ تمام لاہور والوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ جنگ لازمی اور عنقریب ہی ہونے والی ہے۔ سامان اور غلہ وغیرہ جا رہا ہے اور فوج بھی دو چار روز ہی میں جانے والی ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی مشہور ہو گئی کہ جس روز لشکر کا کوچ ہو گا، اُسی روز مسلمانوں کی قربانیاں کی جائیں گی۔ لوگ انتظار کرنے لگے تھے کہ کب وہ دن آئے اور کب وہ مسلمانوں کو ذبح ہوتا دیکھیں۔

عوام الناس کو معلوم تھا کہ کئی لاکھ راجپوت جان لینے اور جان دینے پر آمادہ ہیں۔ اُنہیں یقین کامل تھا کہ فتح راجپوتوں کی ہو گی۔ اتنے عظیم الشان لشکر کا مقابلہ مسلمان کسی طرح سے بھی نہ کر سکیں گے۔ مگر اُن کو راجپوتوں کے دلوں کا حال معلوم نہ تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی کیا کیفیت ہے؟ اور وہ جنگ کے نام سے کس قدر گھبرا رہے ہیں؟ شدہ شدہ یہ تمام خبریں منورما کے کانوں میں بھی جا پڑیں۔ وہ سن کر ہکا دکا رہ گئی۔ اُس کا چہرہ فق ہو گیا۔ موٹی اور رسیلی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا۔ پچھلے دنوں رادھا نے اُسے تسلی دے دے کر اور مسلمانوں کی رہائی کی اُمید دلا دلا کر اُسے خوش کیا تھا۔ اور وہ سمجھنے لگی تھی کہ ایک نہ ایک دن سرنگ مکمل ہو جائے گی اور مسلمان آزاد ہو جائیں گے۔ مگر ابھی تک سرنگ مکمل نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی دو چار روز میں اس کے پورے ہونے کا امکان تھا۔ لہٰذا اب اُسے یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی رہائی ناممکن اور اُن کا ذبح ہونا لازمی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اُس کا دل دہل گیا اور اُسے غم و فکر نے گھیر لیا۔ وہ سخت مغموم، پریشان اور بدحواس سی رہنے لگی۔ سوئے اتفاق سے رادھا کو بخار آنے لگا تھا اور وہ کئی روز سے منورما کے پاس نہ آ سکی تھی۔ اُس کے بیمار ہو جانے سے منورما کے غم و فکر میں مزید اضافہ ہو گیا اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ دیوتا ہی مسلمانوں کے خلاف ہو گئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اُس کی ہمدم، رازدار، غمخوار رادھا بیمار ہو گئی ہے۔

اب وہ پھر ہر وقت غمزدہ اور پریشان رہنے لگی تھی۔ کھانا پینا وغیرہ سب کچھ چھوٹ گیا تھا۔ اور وہ دن بدن کمزور و نحیف زار ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اُس کی سمجھ میں ہی نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے

اور کیسے مسلمانوں کو رہائی دلائے؟ کسی نے سچ کہا ہے کہ جب مصیبت کسی گھر یا کسی انسان کو تاک لیتی ہے تو پھر اُسے تباہ کئے بغیر نہیں چھوڑتی۔ ابھی منورما غم و فکر کے بھنور میں غوطے کھا ہی رہی تھی کہ رنج اور تکلیف کا ایک اور گولا پھٹا۔ اُس نے سنا کہ لشکر کے کوچ کی تاریخ مقرر ہو گئی ہے اور مسلمانوں کو ذبح کر ڈالنے کی ساعت بھی مقرر کر دی گئی ہے.....

اب اُس کا صبر و قرار جاتا رہا اور گریہ کنان وہ اپنی جان ہلکان کرنے لگی۔ وہ کرشن جی کی معتقد اور اُن کی پرستار تھی۔ اُس نے اُن کی مورت سے گڑگڑا گڑگڑا کر التجائیں کیں اور دُعائیں مانگی تھیں۔ مگر اُس کی ایک التجا اور ایک دُعا بھی قبول نہ ہوئی تھی۔ اب اُس کے دل میں ہجومِ یاس سے دیوتاؤں سے بھی بدعقیدگی پیدا ہو چکی تھی اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ آج تک جن کی اُس نے پوجا کی ہے، وہ بھی اُس کی خبر لینے، اُسے تسلی دینے اور اُس کی دُعا قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ دوپہر کے بعد وہ اپنے کمرہ میں بیٹھی رو رہی تھی کہ رادھا آ گئی۔ اُسے دیکھتے ہی وہ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ رادھا کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ابھی بیماری سے اُٹھ کر آئی ہے۔ اگرچہ اُس کی صحت اب بہتر ہے، تاہم ہنوز نقاہت باقی ہے۔

وہ بڑھ کر منورما کے پاس جا بیٹھی اور اُس نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا۔ ''نہ روؤ منورما!''

منورما نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ ''اگر روؤں نہ تو کیا کروں؟ اب باقی ہی کیا رہ گیا ہے؟ کل نہیں تو پرسوں مسلمان ذبح کر ڈالے جائیں گے۔''

رادھا: ''میں نے بھی یہ بات آج ہی سنی ہے۔ اگرچہ مجھ میں کہیں آنے جانے کی قوت نہ تھی، مگر جوں توں کر کے یہاں آئی ہوں۔''

منورما نے آنسو پونچھ کر اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا سرنگ پوری ہو جانے کی خوشخبری سنانے آئی ہو؟''

رادھا: ''سرنگ ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔ اور نہ دو چار روز تک اس کے پورا ہونے کی توقع ہے۔''

منورما: ''پھر کیا محض تسلی دینے آئی ہو تم مجھے؟''

رادھا: ''نہیں..... بلکہ مشورہ کرنے آئی ہوں کہ اب کیا کرنا چاہئے؟''

منورما نے یاس بھرے لہجہ میں کہا۔ ''جب اتنے دنوں میں کچھ نہ ہوا تو اب صرف ایک دن میں کیا ہو سکتا ہے؟''

رادھا: ''سب کچھ ہو سکتا ہے۔ کل کا دن مسلمانوں کو ذبح کرنے کے لئے قرار پایا ہے۔''

منورما: ''گویا صرف ایک شب درمیان میں باقی ہے؟''

رادھا: ''ہاں..... صرف اسی رات میں ہم سب کچھ کر سکتی ہیں۔''

منورما: ''کیا کر سکتے ہیں ہم؟''

رادھا: ''وہ (تیج سنگھ) کہتے تھے کہ رات کو محافظوں کو یا تو دھوکہ دے کر باندھ لیں گے یا قتل

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

کرڈالیں گے....."

منورما نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "یہ دونوں باتیں مجھ کو منظور نہیں ہیں۔"

رادھا: "کیوں.....؟"

منورما: "میں نہیں چاہتی کہ کسی ایک ہندو کا بھی بال بیکا ہو۔"

رادھا: "پھر کوئی تجویز سوچو!"

منورما: "میں سوچوں گی۔ آہ..... کاش! کہ میں سوچ سکتی۔"

رادھا: "دیکھو! غم اور فکر سے عقل جاتی رہتی ہے۔ تم رونا دھونا بند کر کے دلجمعی کے ساتھ غور کرو! یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی صورت ذہن میں آ جائے گی۔"

منورما: "ایک بات کئی دن سے میرے دماغ میں آ رہی ہے۔"

رادھا: "کیا.....؟"

منورما: "جس مکان میں سے سرنگ لگائی جا رہی ہے، وہ جیل خانہ کے قریب ہے یا دور فاصلہ پر ہے؟"

رادھا: "بالکل ملا ہوا ہے۔"

منورما: "تو کیوں نہ رات کو سیڑھیاں لگا کر چھت پر چڑھ جائیں اور انہیں رہا کرا لائیں؟"

رادھا فرطِ مسرت سے اُچھل پڑی۔ اُس نے کہا۔ "کس قدر آسان اور سادہ تدبیر ہے۔ تعجب ہے کہ یہ بات پہلے ہی کیوں نہ ذہن میں آئی؟ تاہم! اب فکر نہ کرو! یقین ہے کہ اس تدبیر سے ہم کامیاب ہو جائیں گے۔"

منورما: "مگر تیج سنگھ سے بھی تو اس بات میں مشورہ کرنا ہے۔"

رادھا: "نہایت ضروری ہے۔ میں ابھی جا رہی ہوں اور اُن سے مشورہ کر کے رات کو پھر آؤں گی۔"

منورما: "اس قدر جلد جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

رادھا: "وہ سیڑھیوں وغیرہ کا انتظام بھی تو کریں گے۔"

منورما: "اچھا..... جاؤ!"

رادھا اُٹھ کر چلی گئی۔ چونکہ منورما کو قدرے اطمینان ہو گیا تھا، اس لئے وہ بھی اُٹھ کر کمرہ سے باہر نکلی اور کسی کام میں مصروف ہو گئی۔ جب دن چھپ گیا تب رادھا آئی۔ منورما اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ رادھا نے آتے ہی کہا۔ "اُنہوں (تیج سنگھ) نے تمہاری تجویز کو بہت زیادہ پسند کیا ہے۔ سیڑھیوں کا انتظام کر لیا گیا ہے۔ اور آج رات مسلمانوں کو رہا کرا لیا جائے گا۔"

منورما: "کیا وہ اکیلے ہی اس کام کو انجام دیں گے؟"

رادھا: "نہیں..... میں اور وہ دونوں۔"

منورما: "مجھے بھی شامل کر لو!"

رادھا نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم بھی چلو گی؟"

منورما: "ہاں!"

رادھا: "تو اچھا! تیار ہو جاؤ۔"

منورما: "میں تیار ہوں۔"

رادھا: "بس! تو میں خفیہ دروازے سے کچھ رات گئے آؤں گی اور تم کو اپنے ہمراہ لے چلوں گی۔"

منورما: "بہت اچھا!"

رادھا چلی گئی۔ منورما باورچی خانے میں پہنچی اور آج پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں آئی اور سو گئی۔ نہ معلوم کہ وہ کب تک سوتی رہتی کہ کسی نے اُسے کلائی سے پکڑ کر جگایا۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر بیٹھی۔ دیکھا تو رادھا کھڑی تھی۔ وہ فوراً اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور اُس کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ دونوں نہایت احتیاط سے کمروں کو طے کرتے ہوئے صحن میں آئیں اور وہاں سے اُسی طرف چلیں جس طرف سے ایک شب منصور کو لایا گیا تھا۔

دیوار کے پاس پہنچ کر خفیہ دروازہ سے وہ دونوں محل سے باہر نکل گئیں اور کچھ دُور چل کر رات کے اندھیرے میں غائب ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆

چونکہ روزانہ غلہ اور سامانِ حرب بھیجا جا رہا تھا۔ سینکڑوں گاڑیاں صبح سے شام تک جاتی رہتی تھیں۔ اس لئے قریب قریب تمام سامان روانہ ہو چکا تھا۔ پنڈتوں اور جوتشیوں نے سوچ بچار کر کے تاریخ اور وقت بھی بتا دیا تھا۔ لشکر کے کوچ کرنے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ سپاہیوں کو جس کسی سے ملنا تھا، مل چکے تھے۔ اور کچھ اس طرح ملے تھے، جس سے لگتا تھا کہ اُنہیں واپس آنے کی توقع نہیں ہے۔

بالآخر وہ دن بھی آ گیا جس روز لشکر کو کوچ کرنا تھا۔ پچھلی رات سے ہی لشکر روانہ ہونے لگا تھا۔ راجہ کے روانہ ہونے کا وقت تقریباً دس بجے دن کے قرار پایا تھا۔ اور اُس کی روانگی سے قبل قربانی کا وقت مقرر کر دیا گیا تھا۔

سب سے پہلے دِلّی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کے لشکر روانہ ہونا شروع ہوئے تھے۔ اور اب سب سے آخر میں لاہور کی فوج روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گئی تھی۔ جے پال محل میں تھا۔ اُس کی رانی اُسے جنگی لباس پہنا رہی تھی۔ اُسے زرہ بکتر پہنا دی۔ چار آئینے لگا دیئے تھے۔ آہنی دستانے جو کہنیوں تک لمبے تھے، پہنا دیئے تھے۔ خود پہنا دیا تھا اور شانوں پر چاندی کی زنجیریں لگا دی تھیں۔ اس طرح سے وہ غرقِ آہن ہو گیا تھا۔ اُس نے لمبی چوڑی کمان شانے پر ڈال لی تھی، ترکش لٹکا لیا تھا، تلوار حمائل کر لی تھی اور برچھا ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اب رانی کھڑی ہو گئی۔ اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر جے پال کو پرنام (سلام) کیا۔ اور گھٹنوں کے بل کھڑی ہو کر پتی پوجا

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

(شوہر کی پرستش) کرنے لگی۔

دیر تک وہ آنکھیں بند کیے کھڑی رہی۔ کچھ دیر کے بعد اُٹھی، ایک داسی نے چاندی کی طشتری پیش کی، اُس نے دھونی لے کر جے پال کی دونوں ابروؤں کے درمیان میں قشقہ کھینچا۔ جوں ہی وہ قشقہ کھینچ کر فارغ ہوئی، فوراً ہی جے پال نے اُس کی پیشانی چوم لی۔ رانی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ ''پتی دیو! یدھ کرنے کے لئے جاؤ۔ بھگوان اوتار (پیغمبر) اور اُس کے سارے دیوتا تمہاری سہاتا (مدد) کریں۔''

جے پال نے کہا۔ ''پران پیاری! تم غمگین ہو رہی ہو۔ ایک چھتری استری (راجپوت بیوی) کو پتی کے یدھ (جنگ) میں جانے سے دُکھی نہیں ہونا چاہئے۔''

رانی: ''کوئی نہیں جانتا کہ یدھ میں کس کے ساتھ کیا پیش آئے؟ جب رن (لڑائی کا میدان) میں تلواریں چلتی ہیں اور یم دوت (فرشتے) ویروں (بہادروں) کے پران کھینچنے آ جاتا ہے تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کس کا جیون (زندگی) ختم ہو جائے؟''

جے پال: ''یہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ لیکن چھتریوں کا دھرم کیا ہے؟''

رانی: ''آن پران (جان) کھو دینا۔''

جے پال: ''اور میں اسی کے لئے تیار ہوا ہوں۔ ایک چھتری راجہ یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ دشمن کو خراج دے یا اخراجاتِ جنگ ادا کرے؟''

رانی: ''مگر جو پرن (عہد) کر لیا ہے، اسے پورا کرنا بھی تو راجپوتوں کا دھرم ہے۔ ست بچن (سچ بولنے سے) ہی سے پرماتما (خدا) خوش ہوتا ہے۔''

جے پال: ''تم کیا چاہتی ہو کہ میں ملیچھ مسلمانوں کو باج دے دوں؟''

رانی: ''ہاں! اگر تم نے اس کا پرن کیا ہے تو ضرور دے دو!''

جے پال کو غصہ آ گیا۔ اُس نے کہا۔ ''تم مجھے موت سے ڈرا کر بزدل بنانا چاہتی ہو؟''

رانی: ''نہیں پران پیارے (عزیز از جان) نہیں..... لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ پرن (عہد) توڑنا بھی تو چھتری دھرم کے وردھ (خلاف) ہے۔''

جے پال: ''پران پیاری! یدھ میں ست بچن (سچائی) اور پرن کا خیال نہیں کیا جاتا۔''

رانی: ''مگر میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ انسان جب بھی جو پرن کرے، اُسے پورا کرے۔ اسی میں لابھ (فائدہ) ہے۔''

جے پال: ''تم رانواس (محلوں) میں رہنے والی ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ میں پران دینا منظور کر سکتا ہوں لیکن مسلمان بادشاہ کو ایک کوڑی دینا گوارہ نہیں کر سکتا۔''

رانی: ''ایشور کرے کہ تمہاری وجے (فتح) ہو۔ اور میں تمہارا مکھ (منہ) پھر دیکھوں۔''

جے پال: ''بھیے (خوف) نہ کرو! اگر ایشور اور دیوتاؤں نے سہایا (مدد) کی تو سلطان سبکتگین کا راج میرا ہو گا۔ غزنی پر راجپوتی جھنڈا لہرائے گا۔ اُس دیس میں دیوتاؤں کا استھان

(مسکن) ہو جائے گا۔ مسجدوں کی بجائے مندر بن جائیں گے۔ خدا کی بجائے بتوں کی پوجا ہو گی۔''

رانی: ''ایشور ایسا ہی کرے۔''

جے پال: ''میرے دل میں غزنی فتح کرنے کی تڑپ ہے۔ میں اسے فتح کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اس پر میرا جھنڈا لہرانے لگے تو سارے ہندوستان پر میری دھاک بیٹھ جائے گی۔ اور کیا عجب کہ مہاراج ادھیراج (شہنشاہ) تسلیم کر لیا جاؤں۔''

رانی: ''یہ ہو سکتا ہے کہ غزنی کی فتح کے بعد ہی سارے راجے اور مہاراجے آپ کو مہاراج ادھیراج مان لیں۔''

جے پال: ''بس ایہی میری اچھا (آرزو) ہے۔ اور اسی اچھا کی وجہ سے میں بار بار مسلمانوں پر حملے کر رہا ہوں۔''

رانی: ''ایشور تمہاری اچھا پوری کرے۔''

جے پال: ''تم دان (خیرات) کرتی رہنا۔ برہمنوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرنا۔ برہمن دیوتا مہادیو جی کے مکھ سے نکلے ہیں۔ ان کی بات مہادیو جی مانتے ہیں۔''

رانی: ''میں سب کچھ سمجھ گئی ہوں۔ کیا ان کو خوش رکھنے سے مہادیو جی مسرور ہو جائیں گے؟''

''جے پال: ''یہی بات ہے۔ سری گنیش جی (شبھجی) مہاراج کی بھی استتی (تعریف) کرتے رہنا چاہئے۔ شب جی ہی کو یہ شکتی (قدرت) ہے کہ وہ جسے چاہیں مٹا دیں اور جسے چاہیں بنا دیں۔''

رانی: ''میں خوب جانتی ہوں۔''

جے پال: ''بس! اب مجھے جانے دو۔ ہنسی خوشی سے۔''

رانی: ''جاؤ پتی دیو! جاؤ۔ اور وجے (فتح) پا کر آؤ۔''

جے پال نے پھر رانی کی پیشانی چومی۔ رانی جھک گئی اور جے پال کے پیروں کو چھو کر اپنی پیشانی سے لگایا۔ جب وہ اُٹھی تو ایک داسی نے ایک تھال جس میں چاول، اُرد، آٹے کا چراغ جس میں گھی جل رہا تھا، کچھ روپے، کچھ چاندی اور کچھ سونا تھا، رانی کے سامنے پیش کیا۔ رانی کے لئے ایک چھوٹی سی چاندی کی چوکی بچھائی گئی اور وہ اُس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس طرح سے وہ جے پال سے اُونچی ہو گئی۔ اب اُس نے تھال لے کر جے پال کے سر کے گرد سات دفعہ پھرایا۔ اور سب سامان ایک برہمنی کو جو پاس ہی کھڑی تھی، دے دیا۔ ایک دوسری داسی نے ایک چاندی کا چراغ پیش کیا جس میں چار بتیاں روشن تھیں اور اُس میں گھی بھرا ہوا تھا۔ رانی نے یہ چراغ لے کر آرتی اُتاری اور وہ چراغ بھی برہمنی کو دے دیا۔ اب تیسری داسی نے ایک تھال اور پیش کیا۔ اُس میں ریشمی کپڑے تھے۔ موتی اور پکھراج وغیرہ تھے۔ سونے اور چاندی کی ڈلیاں بھی تھیں۔ چاول اور اُرد بھی تھے۔ رانی نے اُس تھال کو بھی لے کر جے پال کے سر کے گرد چکر دے کر برہمنی کو دے

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

دیا۔ اب رانی چوکی کے اُوپر سے اُتر آئی اور اُس نے پھر جھک کر جے پال کے قدم تین مرتبہ چھوئے اور تینوں مرتبہ ہاتھ اپنی پیشانی سے لگائے۔ پھر جب وہ اُٹھ کر کھڑی ہوئی تو پھر جے پال نے اُس کی پیشانی چومی۔

معلوم ہوتا تھا کہ اب تمام رسومات ختم ہو چکی تھیں۔ کیونکہ اب جے پال چل پڑا تھا اور رنواس سے باہر نکل آیا تھا۔ محل کے صدر دروازے کے سامنے دُور تک رسالے کھڑے تھے۔ پچاس ساٹھ ہاتھی تھے۔ ایک ہاتھی جو سب سے قوی ہیکل تھا، سب سے آگے کھڑا تھا۔ اُس پر ریشمی جھول پڑی تھی اور چاندی کی عماری کھنچی ہوئی تھی اور چاندی کے ہی بڑے بڑے گھنٹے اِدھر اُدھر لٹک رہے تھے۔

سپہ سالار، وزیر اعظم اور تمام اراکین سلطنت نہایت ادب سے خاموش کھڑے تھے۔ ایک طرف برہمنوں کی جماعت پرا باندھے کھڑی تھی اور اُن کے سامنے ننگ دھڑنگ صرف ایک لنگوٹا کسے تیغے ہاتھ میں لئے جلاد کھڑے تھے۔ غالباً یہ اچھوت قسم کے لوگ یعنی ہندوستان کے اصلی پرانے باشندے تھے۔ ہندوؤں نے جب سے اُنہیں اپنا غلام بنایا تھا، اُس وقت سے اُن سے ذلیل سے ذلیل اور گھناؤنے سے گھناؤنا کام لینے لگے تھے۔ قربانی اور قتل کا کام بھی اُن ہی سے لیا جاتا تھا۔ یہ مسلمانوں کو ذبح کرنے کے لئے بلائے گئے تھے اور وہ اپنی مخصوص شانِ جلادی کے ساتھ کھڑے تھے۔

جے پال کو دیکھتے ہی برہمنوں نے گھنٹے اور سنکھ بجانا شروع کر دیئے۔ راجپوت جے کارے لگانے لگے۔ ان شور و شر کی آوازوں سے فضا گونج گئی۔ جلاد سجدہ میں جھک گئے۔ جے پال نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور فوراً ہی تمام شور و شغب بند ہو گیا۔ جب اچھی طرح خاموشی چھا گئی، تب اُس نے کہا۔ ''منتری جی! مسلمانوں کو بلوائیے۔''

خلاف معمول اُس وقت سیلا دت کے چہرے پر کچھ ہوائیاں سی چھوٹ رہی تھیں۔ وہ بڑھ کر جے پال کے قریب پہنچ گیا اور اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''مہاراج! مسلمانوں کا تو پتہ نہیں۔''

جے پال نے حیرت بھری نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا پتہ نہیں...... کیا مطلب؟ کہاں گئے وہ؟''

سیلا دت: ''یہ یا تو ایشور جانتا ہے اور یا دیوتا۔''

جے پال: ''محافظ؟''

سیلا دت: ''سب ہیں۔''

جے پال: ''وہ کیا کہتے ہیں؟''

سیلا دت: ''وہ کہتے ہیں کہ رات کو انہوں نے اُنہیں کھانا دیا۔ اور سوتے وقت اُن کا شمار کیا۔ مگر جب صبح دیکھا تو وہ غائب ہو چکے تھے۔''

جے پال: ''کیا جیل خانہ کا تالا توڑا گیا؟''

سیلا دت: ''جی نہیں۔''

جے پال: ''پھر کیسے بھاگ گئے وہ؟''

سیلا دت: ''حضور! سنا ہے یہ مسلمان انسان نہیں ہیں۔''

جے پال: ''اور کون ہیں؟''

سیلا دت: ''شاید بھوت قسم کے لوگ ہیں۔''

جے پال: ''تمہارا خیال صحیح ہے۔ میں نے اُن کے ایسے بہت سے واقعات سنے ہیں کہ جہاں اُن کا گمان بھی نہ تھا، وہاں وہ پیدا ہو گئے۔ اور جہاں اُنہیں گھیر لیا گیا، وہاں سے وہ غائب ہو گئے۔''

سیلا دت: ''اُن کے محافظ نہایت پریشان اور غمگین ہو رہے ہیں۔''

جے پال: ''اُن کو اُسی جیل خانہ میں، جس میں مسلمان قید تھے، بند کر دو! لڑائی سے واپس آ کر تحقیقات کر کے ان کے متعلق فیصلہ کروں گا۔''

سیلا دت: ''بہتر ہے۔''

جے پال: ''افسوس ہے کہ قربانی نہ کی جا سکی۔ خیر! میدانِ جنگ میں ان کو اسیر کر کے قربانی کروں گا۔ بان اُڑانے کا حکم دو!''

سیلا دت نے چند راجپوتوں کی طرف اشارہ کیا۔ اُنہوں نے تیر آسمان کی طرف چلائے۔ تیروں کو دیکھتے ہی پھر گھنٹے اور ناقوس بجائے جانے لگے۔ ہندوؤں نے زور زور سے جے کارے لگانے شروع کئے۔ دمامے بجے اور رسالوں میں حرکت شروع ہو گئی۔ اُن کے پرے بڑھنے لگے۔ ہاتھی بٹھایا گیا، سیڑھی لگائی گئی اور جے پال سیڑھی پر چڑھ کر ہودھے پر جا بیٹھا۔ ہاتھی اُٹھا اور بقیہ تمام ہاتھی اُس کے پیچھے قطار در قطار کھڑے ہو گئے۔ ایک ہاتھی پر سپہ سالار بیٹھ گیا۔

جے پال کا ہاتھی چلا۔ اُس کے آگے اور دوسرے ہاتھیوں کے اِدھر اُدھر راجپوت گھوڑوں پر سوار ہو کر ننگی تلواریں لئے چلے۔ اسی طرح سے جے پال کی سواری کا جلوس نعرے لگاتا ہوا لاہور کے بازاروں اور راستوں سے گزر کر قلعہ سے باہر نکلا اور پشاور کی طرف روانہ ہوا۔ اُس کا عظیم الشان لشکر اُس کے پیچھے پیچھے بڑے کروفر اور جوش و خروش سے چلا۔

☆......☆......☆

منورما اور رادھا دونوں محل سے نکل کر تھوڑی ہی دُور چلی تھیں کہ اُن کو تیج سنگھ مل گیا۔ تیج سنگھ نے منورما کو نہایت ادب سے سلام کیا۔ منورما نے سلام کا جواب دے کر شرماتے ہوئے کہا۔ ''میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں؟''

تیج سنگھ نے شرمندگی کے لہجہ میں کہا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔''

منورما: ''مگر آپ نے کوشش تو کی۔''

تیج سنگھ: ''افسوس تو یہی ہے کہ کوشش رائیگاں گئی۔''

www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

منورما: ''آپ کا جو کام تھا، وہ آپ نے کیا۔ اب یہ میری قسمت.....''

رادھا نے دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا۔ ''یہاں چوراہے پر کھڑے ہو کر اس قسم کی باتیں کرنا ٹھیک نہیں ہے۔''

منورما: ''تم سچ کہہ رہی ہو۔''

تیج سنگھ: ''مجھے بھی اس کا کچھ خیال ہی نہ رہا۔''

رادھا نے شوخی کے لہجے میں کہا۔ ''اور تم کو خیال ہی کس بات کا رہتا ہے؟''

تیج سنگھ: ''کیا خیال رہے..... جب جی ہی ٹھکانے نہیں تو کیا ہو؟''

رادھا: ''کیا ہوا آپ کے جی کو؟''

تیج سنگھ: ''کمبخت دل کے ساتھ ساتھ پھرتا ہے۔ دل ٹھہرا سودائی اور یہ بھی سودائی ہو گیا۔''

رادھا: ''دونوں کا علاج کرایا ہوتا آپ نے؟''

تیج سنگھ: ''کس سے کراؤں؟''

رادھا: ''کسی وید سے۔''

تیج سنگھ: ''اگر وید جانتے ہوتے تو.....''

رادھا: ''خیر! ابھی ان تذکروں کو رہنے دو۔ پہلے یہاں سے کسی امن کی جگہ چلو!''

تیج سنگھ: ''امن کی جگہ تو جیل خانہ کی پشت پر ہی ہے۔''

رادھا: ''تو وہیں چلتے ہیں۔''

تیج سنگھ: ''آیئے!''

اب وہ تینوں چلے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اُس زمانے میں، جس کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، لاہور میں روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ بازار سرِ شام ہی بند ہو جاتے تھے۔ راستوں پر آمد و رفت بھی خال خال ہی رہ جاتی تھی۔ اُس وقت بھی تمام سڑکیں خالی، سارے بازار بند اور ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ چونکہ رات اندھیری تھی اس لئے اور بھی گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو گیا تھا۔ گویا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی کسی طرف کچھ نظر نہ آتا تھا۔

وہ تینوں نہایت آہستگی سے محتاط رہتے ہوئے چلتے رہے۔ کئی گلیوں میں گھوم کر اور کئی سڑکوں کو طے کر کے بڑی مسافت اور کافی دیر کے بعد ایک پختہ گڑھی کی پشت پر پہنچے۔ یہ گڑھی جیل خانے کے کام میں لائی گئی تھی اور مسلمانوں کو اسی میں قید رکھا گیا تھا۔ اس کی پشت پر کھنڈرات تھے۔ وہ تینوں اُن کھنڈرات کے قریب پہنچ کر رُکے۔ تیج سنگھ نے کہا۔ ''ہم اُس جگہ آ گئے ہیں جس جگہ سے ہم نے سرنگ کھودنا شروع کی تھی۔''

منورما: ''کیا آپ تنہا اس کام کو کرتے رہے ہیں؟''

تیج سنگھ: ''نہیں..... میں تنہا تو شاید اس کام کو کئی برس بھی نہ کر سکتا تھا۔''

منورما: ''تو شاید آپ نے اور آدمیوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا؟''

تیج سنگھ: ''ہاں!''

منورما: ''اور اس طرح آپ نے میری بدنامی کا خیال نہ کیا۔''

تیج سنگھ: ''میں بے وقوف نہ تھا۔ اوّل تو میں نے کسی کو بتایا ہی نہیں کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں؟ دوسرے جو لوگ اس کام میں لگائے گئے تھے، وہ سب میرے ایسے فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے کہ ناممکن ہے جو وہ کسی لالچ یا خوف کی وجہ سے میرا راز کسی پر ظاہر کریں۔''

منورما: ''شاید اُن میں سے کچھ لوگ اس وقت بھی یہاں موجود ہیں۔''

تیج سنگھ: ''ضرور ہیں۔ مگر ان سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

منورما: ''کاش! آپ یہ بات مجھ سے ملتے ہی بتا دیتے۔''

تیج سنگھ: ''تب کیا ہوتا؟''

منورما: ''میں یہاں نہ آتی..... اگرچہ میں بے حیا بن گئی ہوں۔ مگر اس قدر نہیں کہ سب کے سامنے رُسوا ہو جاؤں۔''

تیج سنگھ: ''مگر ان کی امداد کے بغیر اتنا اہم کام انجام پانا مشکل تھا۔''

منورما: ''آپ خود کر لیتے۔''

تیج سنگھ: ''چلئے! پھر آپ کو پہنچا آؤں۔''

منورما: ''خوف ہے کہ کہیں آپ کے آنے جانے میں اتنی دیر نہ لگ جائے کہ چندرما (چاند) نکل کر آکاش (آسمان) پر چمکنے لگے۔''

تیج سنگھ: ''ہاں..... اس سے ہماری مشکلات میں اضافہ ہو جائے گا۔''

منورما: ''بس..... اب کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلئے! اور ایشور کا نام لے کر کام شروع کیجئے۔''

تیج سنگھ: ''میں اس کا پھر اطمینان دلاتا ہوں کہ جیسا میں ہوں، ایسے ہی میرے آدمی ہیں۔ جتنا بھروسہ آپ کو مجھ پر ہے، اتنا ہی اُن پر رکھئے۔ جس طرح سے میں ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکال سکتا، اُسی طرح سے وہ بھی ایک حرف کسی سے بھی ہرگز ہرگز نہیں کہیں گے۔ خواہ اُن کی جان پر ہی کیوں نہ بن جائے۔''

منورما: ''اب اگر کوئی کہہ بھی دے تو کیا ڈرنا۔''

تیج سنگھ: ''مگر ایک بات پر آپ نے غور نہیں کیا۔''

منورما: کس بات پر؟''

تیج سنگھ: ''اُن مسلمانوں کو یہاں سے نکال کر رکھا کہاں جائے گا؟''

منورما: ''کہیں رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اُن کو فوراً رہا کر دیا جائے گا۔''

تیج سنگھ: ''مگر رات کو وہ جائیں گے کہاں؟''

منورما: ''لاہور سے باہر چلے جائیں گے۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

تیج سنگھ: ''شاید آپ کو یہ معلوم نہیں کہ رات کے وقت لاہور کے تمام پھاٹک بند رہتے ہیں۔''

یہ سن کر منورما پر سناٹا چھا گیا۔ اس بات پر اُس نے اب تک غور ہی نہیں کیا تھا۔ اُس نے کہا۔

''میں نے یہ بات تو سوچی ہی نہیں۔''

تیج سنگھ: ''مجھے بھی اسی وقت خیال آیا ہے۔''

منورما: ''کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ پھاٹک کھلوا سکیں؟''

تیج سنگھ: ''رات کو صرف وزیرِ اعظم کے کہنے سے ہی پھاٹک کھل سکتا ہے۔''

منورما: ''تب تو ہماری محنت رائیگاں جائے گی۔''

تیج سنگھ: ''اب یہ سوچیے! کہ اُن کو کہاں چھپایا جائے؟''

منورما: ''کب تک چھپایا جائے گا؟''

تیج سنگھ: ''صرف کل کا تمام دن۔''

منورما: ''اور پھر کس طرح وہ باہر جا سکیں گے؟''

تیج سنگھ: ''میں رات کو اُن کو باہر نکالنے کی کوشش کروں گا۔''

منورما: ''ایک تدبیر میرے ذہن میں آئی ہے۔''

تیج سنگھ: ''کیا؟''

منورما: ''میں ان کو راجپوتوں کا بھیس بدلوا کر اپنے ہمراہ لے جاؤں اور پھاٹک کھلوانے کی کوشش کروں۔''

تیج سنگھ: ''تدبیر تو یہ مناسب ہے۔ مگر پھر اُن کے ہمراہ آپ کو بھی جانا پڑے گا۔''

منورما: ''میں بالکل تیار ہوں۔''

تیج سنگھ نے رادھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور تم.....؟''

رادھا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں جہاں یہ جائیں گی، ان کے ساتھ ہی جاؤں گی۔''

تیج سنگھ: ''بس! تو میں بھی آپ کے ہمراہ چلوں گا۔''

منورما: ''اور آپ کے آدمی؟''

تیج سنگھ: ''وہ صرف ساتھ چلیں گے۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ یہ مسلمان ہمارے ساتھ اپنے وطن پہنچ کر اچھا سلوک نہ کریں۔''

منورما: ''میں نہیں جانتی کہ وہ ہم سے کیا سلوک کریں گے؟''

رادھا: ''اب جو بھی وہ سلوک کریں۔''

تیج سنگھ: ''میں نے سنا ہے کہ مسلمان ذرا سی بات کا احسان مانتے ہیں اور احسان کرنے والے کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔''

منورما: ''میرا دل بھی یہی گواہی دیتا ہے۔''

رادھا: ''ہم اُنہیں موت سے بچانا چاہتے ہیں۔ کیا وہ ہمارے اتنے زبردست احسان کو بھول

کر ہم سے بے مروتی کریں گے؟''

منورما: ''میرے خیال میں ہرگز نہیں۔''

تیج سنگھ: ''باتوں میں وقت زیادہ صرف ہو گیا ہے۔ چاند نکلنے والا ہے۔ اس لئے ہم کو جلدی کرنا چاہئے۔''

منورما: ''بے شک..... آپ چلیں!''

تیج سنگھ: ''مناسب یہ ہے کہ آپ اور یہ (رادھا کی طرف اشارہ کر کے) دونوں چلیں۔ تاکہ مسلمان سب سے زیادہ مشکور تم دونوں ہی کے رہیں۔''

منورما: ''میں ضرور چلوں گی۔''

رادھا: ''اور میں بھی۔ کیونکہ میں منصور کو اور منصور مجھے خوب جانتے ہیں۔''

تیج سنگھ: ''اچھا..... تو آیئے!''

پھر یہ تینوں بڑھے۔ چونکہ ابھی چاند نہیں نکلا تھا۔ اس لئے اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس قدر اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ قدم قدم پر ٹھوکریں لگتی تھیں۔ تھوڑی دُور چل کر وہ دیوار کی پشت پر پہنچ گئے۔ یہاں کئی آدمی دیوار سے لگے ہوئے خاموش کھڑے تھے۔ تیج سنگھ نے آگے بڑھ کر کہا۔

''کیا سیڑھیاں آ گئی ہیں؟''

ایک شخص نے جواب دیا۔ ''جی ہاں..... چار سیڑھیاں ہیں۔''

تیج سنگھ: ''اور رسّے کاٹنے کے اوزار؟''

وہی شخص: ''وہ بھی ہیں۔''

تیج سنگھ: ''اچھا..... تو چار آدمی اُوپر چڑھو!''

فوراً چار آدمی اُوپر چڑھ گئے۔ اُن کے بعد منورما، رادھا اور تیج سنگھ چڑھے۔ جب یہ لوگ چھت پر پہنچے اور اُن کی نظر مشرق کی طرف پڑی تو اُنہوں نے اُفق مشرق سے چاند کو جھانکتے دیکھا۔

☆.....☆.....☆

جے پال نے مسلمانوں کو نہایت چالاکی سے بلاوجہ بدعہدی کر کے قید کر دیا تھا۔ اُن قید ہونے والوں میں منصور بھی تھا۔ اور منصور وہ تھا جس نے شہزادہ محمود کے ساتھ سلطان کے حضور میں جے پال سے صلح کرنے کی مخالفت کی تھی۔ اگرچہ یہ دونوں ہندوؤں یا ہندو راجاؤں سے بالکل بھی واقف نہ تھے مگر اُنہوں نے جے پال کے بشرہ سے ہی یہ اندازہ کر لیا تھا کہ اس سے ایفائے عہد کی اُمید نہیں ہے۔ وہ دھوکہ دے گا اور پھر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ لمغان کے سرحدی میدان سے آتے ہی اپنے تمام مواعید بھول گیا۔ اور جب اُس کے پاس ہندو راجاؤں کا امدادی لشکر آ گیا تو اُسے بڑی مسرت ہوئی۔ اور اب وہ سلطان سبکتگین سے انتقام لینے کے منصوبے بنانے لگا۔ منصور، عزالدین اور اُن کے پچاس ہمراہی گرفتار کر کے قید کر دیئے گئے تھے۔

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

اُن کو ایک نہایت مستحکم گڑھی میں قید کیا گیا تھا۔

اگرچہ ناممکن تھا کہ وہ اس گڑھی سے کسی طرح سے بھی نکل کر بھاگ سکتے۔ مگر پھر بھی احتیاطاً اُنہیں زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا۔ اور اس طرح وہ بالکل ہی بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔ عزالدین کو یا اور کسی مسلمان کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ کیا واقعات ہو رہے ہیں اور ان کے لئے کیا تجویز کیا جا رہا ہے؟

چونکہ عزالدین نے ایک قاصد سلطان کے حضور میں بھیج دیا تھا۔ اس لئے اُسے یقین تھا کہ سلطان اُن کو آزاد کرانے کے لئے ضرور کوشش کرے گا۔ دن گزرتے رہے اور وہ آس لگائے بیٹھے رہے۔ بالآخر عرصہ دراز گزرنے کے بعد اُن کے پاس چند برہمن آئے اور اُن میں سے ایک نے کہا۔ ''بدقسمت مسلمانو! تمہاری زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اب تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ!''

عزالدین نے اُن سے دریافت کیا۔ ''کیا سلطان نے کوئی قاصد نہیں بھیجا ہے؟''

برہمن نے جواب دیا۔ ''بھیجا تھا۔ مگر ہمارے مہاراج نے اُسے قتل کرا دیا۔''

عزالدین: ''اور آج ہم کو قتل کرنا چاہتا ہے؟''

برہمن: ''آج نہیں..... تم کل قتل کئے جاؤ گے۔''

عزالدین: ''کل کی کیا بات ہے..... کیا تمہارا کوئی تہوار ہے؟''

برہمن: ''نہیں..... تہوار نہیں ہے۔ بلکہ کل مہاراج معہ لشکر کے کوچ کرنے والے ہیں۔''

عزالدین: ''وہ کہاں جا رہے ہیں؟''

برہمن: ''سلطان سے لڑنے کے لئے۔''

عزالدین: ''شاید سلطان نے پھر حملہ کر دیا ہے۔''

برہمن: ''حملہ کرنے کا ارادہ تو مہاراج ہی کا تھا۔ مگر سلطان اور مسلمانوں کی موت خود ہی اُن کو کھینچے لئے چلی آ رہی ہے۔''

عزالدین: ''اور شاید اس مرتبہ جے پال نے پہلے سے زیادہ تیاری کر لی ہے۔''

برہمن: ''ٹھیک سمجھے ہو تم۔ مہاراج نے دِلّی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کے راجاؤں سے مدد طلب کی تھی۔ اور اُن تمام راجاؤں نے کافی لشکر بھیج دیا ہے۔ کئی ہفتے سے غلہ اور سامان بھیجا جا رہا ہے۔ فوج بھی کوچ کر رہی ہے۔ اب مہاراج روانہ ہونے والے ہیں۔''

عزالدین: ''لیکن اگر جے پال کے عقل ہوتی تو وہ کبھی مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی جرات نہ کرتا۔''

برہمن: ''کس بناء پر تم یہ بات کہہ رہے ہو؟''

عزالدین: ''ہندو مسلمانوں کی تلواروں کا امتحان لے چکے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ہندوؤں کی قوت سے باہر ہے۔''

یہ سن کر تمام برہمن بے ساختہ ہنس پڑے۔ اُن میں سے ایک نے کہا۔ ''تم مسلمان لمغان کے میدان کی جنگ دیکھ کر اس قسم کے فضول خیالات میں مبتلا ہو گئے ہو۔ مگر یہ نہیں جانتے کہ اس وقت ہم ہندوؤں سے ہمارے دیوتا ناخوش ہو گئے تھے۔ دیوتاؤں کا مقابلہ کرنے کی کسی میں بھی قوت نہیں ہے۔ مگر اب ہم نے اُنہیں خوش کر لیا ہے۔ اب وہ بات نہیں رہی ہے۔ مسلمان دیکھ لیں گے کہ ہندو کیا کرتے ہیں اور بہادر قوم کون سی ہے؟''

عزالدین: ''کیسے خوش کر لیا ہے تم نے دیوتاؤں کو؟''

برہمن: ''قربانیاں کر کے اور تمام طریقوں سے۔ پہلے وہ ہم سے ناخوش ہو کر ہمارے خلاف ہو گئے تھے۔ مگر اب ہم نے اُنہیں خوش کر کے اپنے موافق کر لیا ہے۔ اب وہ بات نہیں رہی ہے۔ لہٰذا اب وہ ہماری امداد کریں گے۔ اُن کی امداد کے بھروسہ پر ہندوؤں کو پورا پورا اعتماد ہے کہ فتح صرف ہماری ہی ہوگی۔''

عزالدین: ''مگر تمہارے دیوتا تم سے ناخوش کیوں ہو گئے تھے؟''

برہمن: ''تم بدمعاشوں نے اُس چشمہ کو جس میں وہ نہایا کرتے تھے، ناپاک کر دیا تھا۔ اس لئے اُنہیں غصہ آ گیا۔''

عزالدین: ''مگر اُن کا غصہ تو اُن لوگوں پر ہونا چاہئے تھا جنہوں نے چشمے کا پانی ناپاک کیا تھا نہ کہ اُن پر جو بے قصور تھے۔''

برہمن: ''یہ باریک باتیں ہیں۔ تم انہیں نہیں سمجھ سکتے۔''

منصور: ''دیکھو! ہم خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ اگر ہم اُس کی نافرمانی کریں گے تو وہ سزا بھی ہم کو ہی دے گا۔ یہ نہیں کہ قصور ہم کریں اور سزا تم کو ملے۔ لیکن یہ تمہارے دیوتا کیسے ہیں کہ خطا کوئی کرے اور غصہ کسی پر اُتاریں؟''

برہمن: ''کل جب تم ذبح کر ڈالے جاؤ گے، تب پتہ چلے گا۔''

منصور: ''ابھی تو کل دُور ہے۔''

برہمن: ''گویا تم کو یقین ہے کہ تمہارا خدا تم کو رہا کرا دے گا؟''

منصور: ''نہیں..... بلکہ ہم کو یقین ہے کہ خدا جو کچھ کرے گا، وہ بہتر کرے گا۔''

برہمن: ''ہم کو اگر افسوس ہوگا تو نوجوان! تمہارے مرنے کا۔''

منصور: ''موت سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ خدا اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے..... (ہر جی کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے)

برہمن: ''خیر! ہم تمہارے پاس تمہیں موت کی خبر سنانے اس لئے آئے ہیں کہ یہ ہمارا دستور چلا آتا ہے۔ اب ہم جا رہے ہیں۔ اور کل تم کو لینے کے لئے پھر آئیں گے۔''

یہ کہتے ہی تمام برہمن چلے گئے۔ اُن کے چلے جانے کے بعد عزالدین نے کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے قتل کا مشورہ کر لیا گیا ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

منصور: ''یقیناً ہزاروں دیوتاؤں کو ماننے والی قوم ہم کو ذبح کر کے اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کی فکر میں ہے۔''

عزالدین: ''شاید وہ ہم کو ڈرانے آئے تھے۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرا کرتے۔ کافروں کے ہاتھوں سے میدانِ جنگ میں قتل ہوں یا گرفتار ہو کر مارے جائیں، دونوں صورتوں میں شہادت کا درجہ نصیب ہوگا۔ آج سارا دن عبادت کرتے اور خدا سے بہتری کی دُعائیں مانگتے رہو۔''

چونکہ مسلمان زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، اس لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ رہائی کی جدوجہد کر سکتے۔ اُنہوں نے سارا دن خدا کی عبادت کرتے اور دُعا مانگتے ہوئے بسر کر دیا۔ رات کو اُن کے لئے کھانا آیا اور اُنہوں نے حسبِ معمول کھایا۔ اس بات کا اُن کو مطلق فکر نہ تھا کہ یہ رات اُن کی زندگی کی آخری رات ہے اور وہ صبح ہوتے ہی شہید کر ڈالے جائیں گے۔ کھانا کھا کر وہ پڑ رہے کچھ دیر آرام کرنے کے لئے۔ آدھی رات کے قریب سب اُٹھے۔ عزالدین نے کہا۔ ''مسلمانو! صرف آج ہی شب توبہ کرنے اور گناہوں سے معافی چاہنے کے لئے ہے۔ صبح شاید ہمارا جامِ زندگی لبریز ہو جائے گا۔''

منصور نے کہا۔ ''کیا ہم زندگی سے نا اُمید ہو جائیں گے؟ نا اُمیدی کفر ہے۔ خداوندِ عالم نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے..... (خدا کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو) اس لئے مشہور ہے کہ جب تک سانس ہے، تب تک آس ہے۔ ہاں! گناہوں کا اعتراف کر کے معافی چاہنا ہر حالت میں مناسب ہے۔ میرے خیال میں آؤ! اس وقت سب مل کر رہائی کے لئے دُعا مانگیں۔''

سب سجدے میں گر پڑے اور سب نے خلوصِ قلب سے اپنی رہائی کے لئے دُعا مانگی۔ جب وہ دُعا مانگ کر اُٹھے تو اُنہیں کھٹکے کی آواز آئی۔ چونکہ چاند نکلنے والا تھا۔ اس لئے قدرے اُجالا بھی ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے اُس خفیف سی روشنی کی جھلک میں دیکھا کہ کسی نے اُوپر سے سیڑھی لٹکائی ہے اور اُسے اچھی طرح سے جما کر کوئی اُترنے لگا۔

تمام مسلمان آئینہ دار حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

☆.....☆.....☆

مسلمان دیکھ رہے تھے..... نہایت غور اور بڑی توجہ سے۔ اُترنے والا نہایت احتیاط اور آہستگی سے اُتر رہا تھا۔ ابھی وہ چھ سات ڈنڈے ہی نیچے آیا تھا کہ کسی اور نے بھی اُترنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے غور سے دیکھ کر پہچان لیا۔ سیڑھی سے اُترنے والی دو لڑکیاں تھیں۔ وہ نہایت احتیاط سے سنبھل سنبھل کر اُتر رہی تھیں۔ اُن کو دیکھ کر اور تو سب حیران ہو رہے تھے، مگر منصور کا دل دھڑک رہا تھا۔ جب وہ کافی نیچے آ گئیں، تب اُس نے عزالدین سے کہا۔ ''میرے خیال میں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک وہ ہے جو مجھے بلا کر وزیرِ اعظم کے محل میں لے گئی تھی۔ اور دوسری وزیر کی بیٹی ہے۔''

عزالدین برابر لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ ''ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ذرا چپ رہو! ابھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ دونوں کون ہیں اور کس لئے آئی ہیں؟''

منصور: ''لیکن دیکھئے! کوئی اور بھی اُتر رہا ہے۔''

عزالدین نے اُوپر نظر ڈالی تو اُسے کوئی اور بھی اُترتا ہوا نظر آیا۔ اُس نے کہا۔ ''شاید ان کا کوئی اور ملازم ہے۔''

منصور: ''ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔''

عزالدین: ''شاید خدا مہربانی کرنا چاہتا ہے۔''

منصور: ''کیا عجب ہے..... جب وہ مہربانی کرتا ہے تو دشمنوں کو مہربان کر دیتا ہے۔''

اب وہ دونوں لڑکیاں نیچے اُتر آئی تھیں اور اپنے پیارے پیارے حسین چہرے اُٹھائے ہوئے اُوپر کچھ دیکھ رہی تھیں۔ اُوپر سے ایک نہیں، دو تین آدمی اُتر رہے تھے۔ جب وہ بھی نیچے آ گئے تو سب مل کر مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ سب سے آگے وہ دونوں مہ پارہ لڑکیاں تھیں۔

اُس وقت چاند گوشۂ مشرق سے نکل کر قدرے بلند ہو گیا تھا۔ اگرچہ ابھی چاندنی اُس جیل خانے کی اُونچی دیواروں پر تھی۔ مگر ابھی سے ہی اندھیرے کی سیاہ چادر سمٹنے اور روشنی پھیلنے لگی تھی۔ اور اس روشنی میں آنے والوں کی صورتیں اچھی طرح سے نظر آنے لگی تھیں۔ جوں جوں لڑکیاں بڑھ کر مسلمانوں کے قریب پہنچتی جاتی تھیں، منصور اُنہیں دیکھ کر مبہوت سا ہوتا جاتا تھا۔

آخر وہ منصور کے قریب جا کر کھڑی ہو گئیں۔ اب منصور نے پہچان لیا۔ وہ دونوں منورما اور رادھا ہی تھیں۔ لیکن وہ اُن دونوں کے نام نہیں جانتا تھا۔ اُنہیں دیکھ کر اُس کا دل اُس کے سینے میں فرطِ مسرت سے اُچھلنے لگا۔ وہ ٹکٹکی لگا کر منورما کی طرف دیکھنے لگا۔

منورما بھی اُسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں چپ تھے اور دونوں کے پیچھے تین ہندو تھے جن میں سے ایک تیج سنگھ اور دو اُس کے ساتھی تھے۔ جب کچھ وقفہ گزر گیا اور کسی نے بھی کوئی بات نہ کی تو رادھا نے آہستہ سے منورما کے کان میں کہا۔ ''کیوں فضول وقت خراب کر رہی ہو؟''

منورما سنبھلی، اُس نے رادھا سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''کیا کہوں میں ان سے؟''

رادھا: ''ایسی باتیں کرو جس سے یہ اور تمام مسلمان تمہارے ممنون و مشکور ہو جائیں۔''

منورما نے منصور کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''افسوس! کہ آپ نے میری بات نہ مانی۔''

منصور نے کہا۔ ''یہ کیسے جانا آپ نے؟''

منورما: ''اگر آپ برہمنوں کو رضامند کر لیتے تو.....''

منصور: ''لیکن اتنا موقع ہی کہاں ملا؟ جس روز آپ نے برہمنوں کو رضامند کرنے کے لئے کہا تھا، اس کے دوسرے ہی روز تو ہم کو اسیر کر لیا گیا تھا۔''

منورما: ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ شاید آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ آپ کے لئے کیا تجویز کیا گیا ہے؟''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

منصور: ''معلوم ہے۔''

منورما: ''کیا معلوم ہے؟''

منصور: ''یہی کہ ہم کو کل قتل کر ڈالا جائے گا۔''

منورما: ''کس نے بتایا آپ کو؟''

منصور: ''دن میں چند برہمن آئے تھے۔ اُنہوں نے یہ بات بتائی تھی۔''

منورما: ''ٹھیک ہے۔ برہمنوں نے مہاراج کو اس بات پر مجبور کیا ہے کہ وہ تمہیں کوچ کرنے سے پہلے قتل کر دیں۔''

منصور: ''اور شاید یہ اطلاع دینے کے لئے ہی آپ تشریف لائی ہیں؟''

منورما: ''کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تم کو صرف ایسی دل دہلا دینے والی اطلاع دینے ہی آتی؟''

منصور: ''میرے خیال میں تو آپ کا اتنی تکلیف گوارا کرنا ہی بہت کچھ تھا۔''

منورما: ''میں اس لئے آئی ہوں کہ آپ کو رہائی دلانے کی کوشش کروں۔''

منصور نے اُس کے رُخ زیبا پر نظریں جما کر کہا۔ ''صرف مجھے ہی؟''

منورما نے ہلکے تبسم سے کہا۔ ''ہاں..... صرف آپ ہی کو۔''

منصور: ''تب تو آپ نے فضول تکلیف کی۔''

منورما: ''کیوں.....؟''

منصور: ''اس لئے کہ میں اس وقت تک رہا ہونے پر تیار نہیں ہو سکتا، جب تک کہ تمام مسلمان رہا نہ ہوں۔''

منورما: ''مگر یہ تو بڑی مشکل ہے منصور! تم رہا ہو جاؤ۔ سب کیسے رہا ہو سکتے ہیں؟ راز افشا ہو جائے گا۔''

منصور: ''تب تو رہنے دیجئے!''

عزالدین نے کہا۔ ''منصور! تم رہا ہو جاؤ۔ ہم میں سے جو بچ جائے، اچھا ہی ہے۔''

منصور نے جوش میں آ کر کہا۔ ''کیا تم مجھ سے ایسے توقع رکھتے ہو؟ کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ کیا میں اپنی جان بچانے کے لئے تم کو چھوڑ کر چلا جاؤں؟ میری حمیت ہرگز ہرگز یہ گوارہ نہیں کر سکتی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہارے ساتھ ہی جیوں گا اور تمہارے ساتھ ہی میرا انجام ہوگا۔''

منورما منصور کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُسے جوش آ رہا تھا اور جوش سے اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اُس نے منورما سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں مشکور ہوں کہ آپ نے تکلیف اُٹھائی اور یہاں تک آئیں۔ لیکن میں تنہا رہا ہونا ہرگز نہیں چاہتا۔''

منورما: ''مگر صبح تم بھی ان کے ساتھ قتل کر ڈالے جاؤ گے۔''

منصور: ''یہ مجھے منظور ہے۔''

منورما: ''اچھا..... اگر میں سب کو رہا کر دوں؟''

منصور: ''تب تمام مسلمان، میں اور سلطان سب آپ کے عمر بھر مشکور رہیں گے۔''

منورما: ''کیا سلطان بھی؟''

منصور: ''ہاں..... سلطان بھی۔''

منورما: ''اور اگر میں کوئی بات کسی وقت کہوں تو کیا مسلمان اور سلطان میری بات مان لیں گے؟''

منصور: ''یقیناً..... بشرطیکہ ہمارے مذہب کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔''

منورما: ''مذہب کے خلاف نہیں ہوگی۔''

منصور: ''پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہاری بات نہ مانی جائے؟''

منورما: ''کیا آپ سب اس بات کا وعدہ کرتے ہیں؟''

منصور: ''ہاں..... وعدہ کرتے ہیں۔''

عزالدین: ''اور اطمینان دلاتے ہیں کہ آپ کی بات مانی جائے گی۔''

منورما: ''بہتر ہے۔''

اب وہ تیج سنگھ سے مخاطب ہوتے ہوئے گویا ہوئی۔ ''وفادار نوجوان! ان سب کی زنجیریں کاٹ دو!''

تیج سنگھ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔ وہ حکم سنتے ہی زنجیریں کاٹنے کے اوزار لے کر بڑھے اور مسلمانوں کی زنجیریں اُن کے پاس بیٹھ کر آہستہ آہستہ سے کاٹنا شروع کر دیں۔ چونکہ محافظ اُن سے دُور صدر دروازے پر تھے اس لئے اُنہیں اس بات کا اندیشہ نہیں تھا کہ زنجیریں کاٹنے کی آواز اُن تک پہنچ سکے گی۔ مگر پھر بھی وہ نہایت احتیاط سے کام کر رہے تھے۔ ایک ایک دو دو کر کے اُنہوں نے سب کی زنجیریں کاٹ دیں۔

اب مسلمان خوش ہو کر سجدے میں گر گئے اور اُنہوں نے اُس خدا کی درگاہ میں سر جھکا دیا جس نے غیب سے اُن کی امداد کی تھی۔ اُنہوں نے سچے دل سے اُس کا شکریہ ادا کیا۔ اور جب وہ اُٹھے تو منصور، منورما کے قریب گیا۔ اُس نے محبت اور شکریہ سے مغلوب ہو کر اُس کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ ''میں اور تمام مسلمان زندگی بھر آپ کے مشکور رہیں گے۔''

منورما کسی فوری خوف کی وجہ سے یا کسی جذبہ سے متاثر ہو کر کانپنے لگی۔ پھر عزالدین بھی اُن دونوں کے پاس آ کھڑا ہوا۔ منصور نے منورما کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''آپ وزیر اعظم کی بیٹی اور ہماری محسنہ ہیں۔''

عزالدین: ''میں حیران ہوں کہ کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں؟''

منورما: ''شکریہ کی ضرورت نہیں۔ مگر آپ ذرا جلدی یہاں سے چلئے! کیونکہ خدشہ ہے کہ اگر چاند اچھی طرح سے نکل آیا تو دقت پیدا ہو جائے گی۔''

منصور: ''چلئے! جہاں آپ لے جانا چاہیں، ہم ساتھ ہیں۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

منورما: ''آیئے!''

منورما اور رادھا دونوں آگے چلیں۔ اُن کے پیچھے تیج سنگھ اور اُس کے ساتھی چلے۔ اُن سب کے پیچھے تمام مسلمان ہو لئے۔ سب سیڑھی کے پاس پہنچے۔ پہلے منورما اور رادھا، اور پھر راجپوت، اُن کے بعد مسلمان چڑھنے لگے۔

اُن سب کا تانتا بندھ گیا۔ مسلمانوں نے زنجیریں اُٹھالیں۔ وہ سب جیل خانے کی چھت پر پہنچے اور اُدھر سے سیڑھی اُٹھا کر دوسری طرف لگائی۔ اور اب جیل خانے سے باہر اُترنے لگے۔

☆.....☆.....☆

ابھی تک چاند اتنا اُونچا نہیں ہوا تھا کہ چاندنی ہر طرف پھیل جاتی اور چاندنی کی روشنی میں ہر چیز صاف نظر آنے لگتی۔ یہ لوگ جلدی سے اُترے اور وہاں سے چلے۔ تیج سنگھ کے ہمراہیوں نے سیڑھیاں بھی اُٹھالیں اور کوئی نشان ایسا نہ چھوڑا جس سے کسی کو اس کارروائی کا کچھ سراغ لگ سکتا۔

وہاں سے چل کر یہ ابھی تھوڑی ہی دور پہنچے تھے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ اس آواز کو سن کر منورما، رادھا، تیج سنگھ اور اُس کے دوسرے ساتھی خوف زدہ ہو گئے اور خوف آمیز نظروں سے ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔

مسلمانوں نے بھی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنی تھیں اور سن رہے تھے۔ منورما نے تیج سنگھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''یہ آواز کیسی آنے لگی ہے؟''

تیج سنگھ نے جواب دیا۔ ''مہاراج نے حکم دیا تھا کہ چاند نکلتے ہی رسالے کوچ کرنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لشکر روانہ ہونے لگا ہے۔''

منورما کسی خیال سے خوش ہو گئی اور اُس کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمکنے لگا۔ اُس نے کہا۔ ''تب تو ہم نہایت آسانی سے باہر نکل سکیں گے۔''

تیج سنگھ: ''کیسے؟''

منورما: ''کسی رسالہ کے پیچھے ہم بھی ہو لیں گے۔''

تیج سنگھ: ''نہایت خوب کہی آپ نے۔''

منورما: ''مگر گھوڑوں کا انتظام کیسے ہوگا؟''

تیج سنگھ: ''گھوڑے میں فراہم کرلوں گا۔''

منورما: اتنے گھوڑے کہاں سے لاؤ گے تم؟''

تیج سنگھ: ''آپ مطمئن رہیں۔ میں کہیں نہ کہیں سے لے ہی آؤں گا۔''

منورما: ''تو لے آؤ!''

تیج سنگھ: ''اور جب تک میں آؤں، اتنا عرصہ آپ کہاں ٹھہرے رہیں گے؟''

منورما: ''ہم چل رہے ہیں۔ اپنے محل کے نیچے ملیں گے۔''

تیج سنگھ: ''بہت اچھا۔''

جب وہ چلنے لگا، تب عزالدین نے اُسے روک کر کہا۔ ''اگر ممکن ہو تو چند تلواریں اور ڈھالیں بھی لیتے آیئے!''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

تیج سنگھ: ''بہت خوب۔''

ابھی وہ چند قدم چلا تھا کہ اُس نے سامنے سے سواروں کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ جلدی سے پیچھے پھر کر اُن لوگوں کے پاس پہنچا۔ اُس نے کہا۔ ''پیچھے ہٹ جاؤ...... جلدی کرو! راجپوت آرہے ہیں۔''

وہ سب عجلت سے پیچھے ہٹ کر ایک تنگ و تاریک کوچے میں گھس گئے اور دیواروں سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ گھوڑوں کے سموں کی آوازیں قریب سے قریب تر آتی جا رہی تھیں۔ یہ لوگ اندھیرے میں خاموش دیواروں سے چپکے کھڑے تھے۔ بدقسمتی سے اُن کے قریب ایک کتا آ گیا اور وہ اُنہیں دیکھتے ہی بھونکنے لگا۔

یہ لوگ اس خیال سے نہایت پریشان ہوئے کہ کہیں کتے کی آواز سے مشکوک ہو کر سوار گلی میں نہ آ گھسیں۔ راجپوتوں نے اُسے چمکارنا شروع کیا۔ مگر جوں جوں وہ چمکارتے، وہ اور تیز تیز بھونکتا۔ سوار اُس گلی کے سامنے سے گزرنے لگے، جس میں یہ لوگ چھپے کھڑے تھے اور کتا ایک سانس بھونکے چلا جا رہا تھا۔ رسالہ کے سواروں میں سے ایک نے کہا۔ ''کتا بلا وجہ اس زور سے نہیں بھونک سکتا۔''

دوسرے نے کہا۔ ''آؤ! چل کر دیکھیں۔''

یہ سن کر وہ سب سہم گئے۔ مگر فوراً ہی اُنہوں نے سنا کہ کوئی تیسرا شخص کہہ رہا تھا۔ ''بیوقوف نہ بنو! کتا ہمیں دیکھ کر بھونک رہا ہے۔''

اب اُن کی جان میں جان آئی۔ رسالہ گزرتا رہا۔ یہاں تک کہ اُس کا آخری سپاہی بھی گزر گیا۔ جب وہ ذرا دور نکل گئے، تب عزالدین نے بڑھ کر اُسے للکارا اور وہ بہ مشکل وہاں سے بھاگا۔ اب یہ سب لوگ اس گلی میں سے نکلے۔ تیج سنگھ اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک طرف چلا گیا اور منورما اور رادھا اُن مسلمانوں کو لے کر وزیر اعظم کے محل کی طرف روانہ ہو گئیں۔ چند گلیوں اور سڑکوں پر چل کر وہ محل کے نیچے پشت پر پہنچ گئیں۔ منورما نے رادھا سے کہا۔ ''تم تو اب گھر نہ جاؤ گی۔''

رادھا نے جواب دیا۔ ''کیا کروں گی..... کیا تم جاؤ گی؟''

منورما: ''ہاں!''

رادھا: ''کیوں....؟''

منورما: ''کچھ کپڑے اور زیورات لینے ہیں۔''

رادھا: ''تب تو مجھے بھی جانا چاہئے۔''

منورما: ''تو کیا کرے گی..... تیرے لئے بھی میں ہی لیتی آؤں گی۔''

رادھا: ''نہیں، نہیں..... میں اپنے ہی کپڑے لاؤں گی۔''

منورما: تم کو آنے میں دیر ہو جائے گی۔''

رادھا: ''بالکل بھی نہ ہوگی۔ تمہارے آنے سے پہلے آ جاؤں گی۔''

منورما: ''اچھا..... جاؤ!''

رادھا چلی گئی۔ منورما نے منصور سے کہا۔ ''کیا آپ میرے ساتھ محل کے اندر چلیں گے؟''

منصور: ''کس لئے؟''

منورما: ''مجھے کچھ لانا ہے۔''

منصور: ''کیا تم بھی ہمارے ساتھ چلو گی؟'' یہ کہتے ہی اُس نے غور سے منورما کے چہرے کو دیکھا۔

منورما نے کہا۔ ''ہاں..... بشرطیکہ تم اپنے ہمراہ لے جانا پسند کرو۔''

منصور: ''پسند کروں......؟ یہ تو میری عین تمنا ہے۔''

منورما: ''تو میں چلوں گی۔ میرے ساتھ آیئے! مجھے تنہا جاتے ہوئے ڈر معلوم ہوگا۔''

منصور: ''چلئے!''

منورما نے خفیہ دروازہ کھولا اور منصور کو ہمراہ لے کر محل کے اندر پہنچی۔ چونکہ اُسے جلدی تھی، اس لئے تیزی سے چل کر کمرے میں جا گھسی۔ سب سے پہلے وہ اُس کمرے میں گئی جس میں سری کرشن جی کی مورتی رکھی تھی۔ اُس نے پردہ کھینچا اور تصویر کے سامنے جھک گئی۔ کچھ وقفہ کے بعد کھڑی ہوئی اور ہاتھ جوڑ کر بولی۔ ''کرشن جی بھگوان! آج تمہاری چیری (داسی) جا رہی ہے۔ تمہیں، گھر اور گھر والوں کو چھوڑ کر..... میں سُن آئی ہوں کہ تم ہر جگہ رہتے ہو۔ جہاں میں جاؤں گی، وہاں بھی ہو گے۔ میری سہاتا (مدد) کرنا۔ اپنی اس داسی (کنیز) کو بھول نہ جانا۔''

وہ بڑھ کر چبوترے پر پہنچی اور کرشن جی کے بت کے پیروں کو ہاتھ لگا کر اپنی پیشانی کو لگایا۔ چبوترے سے نیچے اُتری اور پردہ کھینچ دیا۔ منصور اُس کی یہ تمام کارروائی دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں چراغ جل رہے تھے اور اُن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ منورما وہاں سے ہٹ کر منصور کے قریب پہنچی۔ اُس نے کسی خاص جذبہ سے متاثر ہو کر منصور کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''اے، وہ کہ جس پر میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو گئی ہوں، اقرار کرو! کہ مجھ کو دھوکہ نہ دو گے۔''

منصور دیکھ رہا تھا کہ اس وقت اُس کا حسین چہرہ جگمگانے لگا تھا اور اُس کی آنکھوں میں سحر خیز چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اس وقت وہ کسی شاعر کے خیال سے کہیں زیادہ حسین و گل اندام بن گئی تھی۔ اس لئے رُخساروں پر ایک ہوشربا سرخی لئے ہوئے انگارہ سے معلوم ہو رہے تھے۔ نیز گلاب کے پھولوں سے زیادہ خوشنما۔

منصور اُس بت طناز کو اس عالم میں دیکھ کر لڑکھڑا گیا۔ وہ مبہوت سا ہو گیا۔ سحر زدوں کی طرح چپ کھڑا رہ گیا۔ منورما برابر اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے پھر کہا۔ ''تم مجھے دھوکہ تو نہ دو گے؟''

منصور نے سنبھل کر کہا۔ ''دھوکہ؟ دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل لفظ یہی ہے۔ اور سب سے

www.pdfbooksfree.pk

زیادہ کمینہ انسان دھوکہ دینے والا ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ کبھی تم کو دھوکہ نہ دُوں گا۔ ہمیشہ تمہارے کہنے پر چلوں گا۔ تمہاری خدمت کروں گا۔ اور میری جس جان کو بچانے کی آج تم کوشش کر رہی ہو، اسے تم پر ہی سے قربان کر دُوں گا۔"

منورما نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "تم نے بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ میری تسکین کے لئے یہ کافی سے زیادہ ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم مجھے دُکھ نہ دو گے۔"

منصور: "دُکھ.....؟ میں آپ کو غمزدہ دیکھنے سے پہلے مر جانا پسند کروُں گا۔"

منورما: "دیکھو! میں آپ کے لئے اپنا گھر، اپنے عزیز، اپنی عزت و دولت سب کچھ چھوڑ چکی ہوں۔ اگر آپ نے مجھ کو دھوکہ دیا تو ایشور تم کو..... آہ میں بد دُعا کا کوئی لفظ بھی تو نہیں کہہ سکتی ہوں۔ خیر، چلئے! اب میرا جیون آپ کے ساتھ ہے۔" یہ کہتے کہتے وہ کچھ آبدیدہ ہو گئی۔

منصور کے دل پر اُس کی آزردگی کا گہرا اثر پڑا۔ اُس نے بڑھ کر اُس کی ٹھوڑی کو ہاتھ لگا کر ذرا اُونچا کرتے ہوئے کہا۔ "تم قطعاً آزردہ نہ ہو۔ سمجھو! کہ ایک مسلمان تم سے عہد کر رہا ہے۔ مسلمان مر جاتا ہے مگر اپنے وعدہ کو نہیں توڑتا۔ میں پھر اقرار کرتا ہوں کہ زندگی بھر تمہاری اطاعت کروں گا۔"

منورما: "مجھے اطمینان ہو گیا...... بھلا آپ کا نام کیا ہے؟"

منصور: "مجھے منصور کہتے ہیں۔ اور آپ کا نام......؟"

منورما نے شرماتے ہوئے کہا۔ "میرا نام منورما ہے۔"

منصور: "کیسا پیارا نام ہے۔"

منورما اور بھی شرما گئی۔ اب اُس نے منصور کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ منصور ابھی تک اُس کے رُخِ روشن کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا۔ اُسے حوروش منورما کا شرمیلا اور شرم سے سرخ ہونے والا چہرہ نہایت ہی بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ منورما نے کہا۔ "کیا دیکھ رہے ہو منصور؟ اب آؤ میرے ساتھ!" یہ کہہ کر اُس نے ساڑھی کا پلہ ٹھیک کر کے اوڑھا۔

منصور نے کہا۔ "چلئے!"

پھر یہ دونوں چل کر ایک اور کمرے میں پہنچے۔ اُس کمرے میں بہت سی الماریاں، صندوق اور تجوریاں نیز آہنی پیٹیاں وغیرہ تھیں۔ منورما نے کئی صندوق کھول کر اُن میں سے نہایت بیش قیمت ساڑھیاں، اُونی شالیں اور دوسرے کپڑے نکالے اور منصور کو دیئے۔ منصور نے لے کر اپنے ہاتھ میں لٹکا لئے۔ اب منورما نے تجوریاں کھول کر بیش قیمت ہار اور زیورات نکالے اور وہ بھی منصور کو دینے چاہے تو منصور نے کہا۔ "کم از کم یہ زیورات تو آپ اپنے پاس رکھیں، بلکہ پہن لیں تو بہت ہی بہتر ہے۔"

منورما نے نگہِ ناز سے منصور کو دیکھ کر کہا۔ "کیا اچھا ہو گا۔"

منصور: "ان آبدار زیورات سے تمہارا حسن ہزار درجہ بڑھ جائے گا۔"

منورما مسکرا دی۔ خاموشی سے تجوریاں بند کیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر منصور کو ہمراہ لیتے ہوئے وہاں سے نکلی، کمروں سے باہر آ کر اُس نے مکان پر ایک یاس بھری نظر ڈالی۔ اُس کا دل بھر بھر آیا۔ اُس نے کہا۔ "رُخصت میرے پیارے گھر! جس میں، میں نے پرورش پائی، چھوٹی سے بڑی اور بڑی سے جوان ہوئی۔ ہمیشہ کے لئے رُخصت!! ماتا اور پتا اپنی اس نالائق لڑکی کو بھول جائیں۔"

اب اُس نے منصور کا ہاتھ پکڑا اور اُسے کھینچتے ہوئے جلدی سے چلی، اس خیال سے کہ کہیں ماں باپ کی محبت، عزیزوں کی اُلفت اور گھر کی چاہت اُس کے ارادہ کو بدل نہ دے۔ منصور بھی اُس کے ساتھ تیز رفتاری سے چلا۔

☆.....☆.....☆

دونوں تیزی سے چل کر خفیہ دروازے سے باہر نکلے۔ منورما نے اُسے بند کیا۔ جب وہ وہاں پہنچے جہاں مسلمان کھڑے تھے تو اُنہوں نے دیکھا کہ رادھا بھی آ گئی ہے۔ وہ بھی کپڑوں کی بُقچی، بغل میں دبائے تھی۔ منورما نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔ "تم آ گئی ہو رادھا؟"

رادھا نے جواب دیا۔ "جی ہاں...... میں آ گئی ہوں۔"

منورما: "اور وہ (تیج سنگھ)؟"

رادھا: "ابھی نہیں آئے۔"

منورما: "ایشور جانے اُن کو گھوڑے ملے یا نہیں؟"

رادھا: "کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ مگر وہ بغیر گھوڑے لئے واپس نہ آئیں گے۔"

منورما: "اور اگر دن نکل آیا، تب کیا ہو گا؟"

رادھا: "ایشور مالک ہے۔"

پھر گھوڑوں کے سموں کی آوازیں سنائی دیں۔ رادھا نے خوش ہو کر کہا۔ "شاید وہی آ رہے ہیں۔"

منورما: "ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ پرماتما کرے وہی ہوں۔"

جس جگہ وہ کھڑے تھے، وہاں اندھیرا تھا۔ چاند مشرق کی طرف سے نکل رہا تھا اور وہ مغربی دیوار کے نیچے کھڑے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں گھوڑے آتے ہوئے نظر آنے لگے۔ تمام گھوڑے کو تل تھے۔ رادھا نے نہ دبنے والی مسرت سے بے خود ہوتے ہوئے کہا۔ "وہی ہیں۔"

منورما نے کہا: "خاموش رہو!"

کچھ ہی وقفہ میں گھوڑے اور گھوڑے لے کر آنے والے قریب آ گئے۔ یہ تیج سنگھ اور اُس کے ساتھی ہی تھے۔ تیج سنگھ نے قریب آ کر منورما سے کہا۔ "لیجئے! گھوڑے اور ہتھیار سب ہی مل گئے۔"

منورما نے مشکورانہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کو آج بڑی تکلیف

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

اٹھانا پڑی۔"

تیج سنگھ: "جس کو آپ تکلیف کہہ رہی ہیں، وہ میرے لئے راحت ہے۔"

منورما: "کیا کہوں، مجھ پر اس وقت کس کس نے احسان کیا ہے؟"

عزالدین: "یہ تمام احسانات ہم مسلمانوں پر کئے ہیں۔ اور سب سے زیادہ ہم ہی تم سب کے مشکور ہیں۔"

منصور: "حقیقت یہ ہے کہ منورما پر کسی کا بھی احسان کوئی نہیں ہے۔ بلکہ ممنون احسان تو ہم کو بنایا گیا ہے۔ اس لئے مشکور بھی ہم ہی ہیں۔ اور اگر خدا نے چاہا اور ہم اور آپ سب بخیریت سلطان کے حضور پہنچ گئے تو شاید ان احسانات کا کچھ نعم البدل کر سکیں۔"

منورما: "ہم بدلہ کی خواہش میں کچھ بھی نہیں کر رہے ہیں۔"

منصور: "یہ ہم سمجھ گئے ہیں۔"

تیج سنگھ: "اب باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔ چاند اُوپر چڑھ آیا ہے۔ یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ جس قدر جلد ہو سکے، قلعہ سے باہر نکل چلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔"

عزالدین: "بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں آپ۔ اب کسی کا انتظار بھی تو باقی نہیں رہا ہے۔ بس! ان گھوڑوں پر سوار ہو جائیے اور چلئے!"

تیج سنگھ: "کیا آپ اسی طرح سے چلیں گے؟"

عزالدین: "اور کس طرح سے چلیں؟"

تیج سنگھ: "آپ کو اس لباس میں دیکھ کر راجپوت تو فوراً پہچان لیں گے۔"

عزالدین: "پرواہ نہ کرو! پہچان لیں گے تو پہچان لینے دو۔"

تیج سنگھ: "آپ جانتے ہیں کہ نتیجہ کیا ہوگا؟"

عزالدین: "کیا ہوگا؟"

تیج سنگھ: "راجپوت ہر طرف سے آپ پر آ پڑیں گے۔"

عزالدین: "ہم یہی چاہتے ہیں۔ اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان بہادر تھے یا بزدل۔"

منورما: "مگر شاید آپ کو یہ خبر نہیں ہے کہ اس وقت کس قدر لشکر لاہور میں موجود ہے۔"

عزالدین: "ہزاروں کی تعداد میں ہوگا۔"

منورما: "ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔"

عزالدین: "تب تو اور بھی اچھا ہے۔"

منورما: اچھا کیا خاک ہے؟ آپ صرف پچاس ہی ہیں۔"

عزالدین: "بیٹی! ہم مسلمان لڑائی کو بازیچہ اطفال اور موت کو جنت کی کنجی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ہم سب شہید ہو جائیں گے۔ اور یہی ہماری عین تمنا ہے۔ کس کی قسمت کہ اُسے شہادت نصیب ہو؟"

منورما: "مگر اس سے تو ہماری ساری کوششیں بے سود جائیں گی۔"

عزالدین: "اچھا! تم کیا چاہتی ہو؟"

منورما: "یہی کہ جس طرح سے بھی ہو، بغیر لڑے بھڑے یہاں سے نکل چلو!"

عزالدین: "اچھا! جیسے تیری مرضی ہو، کر۔"

تیج سنگھ نے کہا۔ "آپ اپنا یہ قومی لباس اُتار ڈالیں۔"

تمام مسلمانوں نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ عزالدین نے کہا۔ "کس لئے؟"

تیج سنگھ: "راجپوتوں کا لباس بدلنے کے لئے۔"

عزالدین: "یہ تو ناممکن ہے۔ ہم کسی دوسری قوم کا لباس کسی حالت میں بھی نہیں پہن سکتے۔"

منورما: "مگر بغیر لباس بدلے تو قلعہ سے باہر نکلنا نہ صرف مشکل، بلکہ ناممکن ہے۔"

عزالدین: "بیٹی! ہمارے محترم ہادی رسول خدا حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو مسلمان، جس قوم کا لباس پہنے گا، حشر میں اُسی قوم کے ہمراہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم راجپوتوں کا لباس پہننے سے معذور ہیں۔"

منورما: "مگر آپ شوقیہ تو پہن نہیں رہے ہیں۔ یہ تو ایک مجبوری کی وجہ سے ایسا کیا جا رہا ہے۔"

عزالدین: "مجبوری کچھ نہیں ہے۔ آج جان بچانے کے لئے ہم یہ لباس بدل کر اپنے پیارے رسولؐ کے حکم کی نافرمانی کریں تو کل قیامت کے روز یوم حشر کو وہ ہماری صورت سے بیزار ہو جائیں گے۔ ہماری شفاعت نہ کریں گے۔ ہم اُس روز ذلیل ہو کر رہ جائیں گے۔ اور حضور کی ناراضگی کی وجہ سے خدا بھی ناراض ہو جائے گا۔ اس لئے معاف کرو بیٹی! اور ہم کو یہ لباس پہننے پر مجبور نہ کرو۔"

منورما: "تب تو بڑی دقت ہوگی۔"

تیج سنگھ: "ناممکن ہے کہ ہم قلعہ سے باہر نکل سکیں۔"

منورما: "مگر اتنے آدمیوں کے لئے لباس آئے گا کہاں سے؟"

تیج سنگھ: "میں سب انتظام کر کے لایا ہوں۔"

اب منورما، منصور سے مخاطب ہوئی۔ اُس نے کہا۔ "منصور! بے لباس بدلے تو چارۂ کار نہیں ہے۔"

منصور نے کہا۔ "مگر آپ کو اپنی مجبوری بتا دی گئی ہے۔"

منورما: "پھر کیا، کیا جائے؟"

منصور: "ایک تدبیر اور ہو سکتی ہے۔"

منورما: "کیا؟"

منصور: "راجپوتوں کا کوئی خاص لباس تو ہے نہیں۔۔۔"

www.pdfbooksfree.pk
FREE PAK VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

منورما: ''ہے کیوں نہیں؟''

منصور: ''کیا ہے؟''

منورما: ''یہی دھوتی.....''

منصور: ''یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ صرف ایک دھوتی ہوتی ہے۔''

منورما: ''ہاں! اور تم سب ایشور جانے کیا الا بلا پہنے رہتے ہو۔ اتنے زیادہ کپڑے پہنتے تم کو ناگوار نہیں گزرتے؟''

منصور: ''ہماری قوم میں کھلے بدن پھرنا منع ہے۔''

منورما: ''ہماری قوم میں سردیوں کے موسم میں تو مرزئیاں اور دھوتیاں پہنتے ہیں اور گرمیوں میں محض دھوتیاں۔''

منصور: ''اب اس کے متعلق اس وقت بحث کرنا تو فضول ہے۔ لیکن میں بھی تو یہی کہہ رہا تھا کہ راجپوت صرف ایک دھوتی باندھے ہوتے ہیں۔''

منورما: ''ہاں..... آپ سب بھی ایک ایک دھوتی باندھ لیں۔''

منصور: ''میں ایک اور تدبیر بتاتا ہوں۔''

منورما: ''کیا؟''

منصور: ''یہ ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی عبائیں اُتار ڈالیں۔''

منورما: ''عبائیں کیا؟''

منصور نے اشارے سے اپنی عبا کو بتاتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ شلواروں کو گھٹنوں تک کر لیں۔ چونکہ رات ہے۔ اس لئے کوئی بھی نہ پہچان سکے گا کہ راجپوت جا رہے ہیں یا مسلمان۔''

منورما نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''تدبیر تو آپ کی مناسب ہے۔ کیوں تیج سنگھ؟''

تیج سنگھ: ''ہاں! ٹھیک تو ہے۔ مگر جنیو (زنار) تو ان کو ڈالنے پڑیں گے ہی۔''

منورما: ''اس میں کیا حرج ہے؟''

منصور: ''سب سے زیادہ حرج تو اسی میں ہے۔''

منورما: ''کیا؟''

منصور: ''زنار ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے ہندو، ہندو کہلاتا ہے۔''

منورما نے مسکرا کر کہا۔ ''تو ہم آپ کو ہندو تو نہیں بنا رہے ہیں۔''

منصور: ''مقصد یہ ہے کہ کوئی مسلمان، زنار کسی حالت میں بھی نہیں ڈال سکتا۔''

عزالدین: ''یوں تو سروں پر چوٹی بھی ہونی چاہئے۔ میں کہتا ہوں کہ تم ان باتوں کا خیال بھی نہ کرو۔ چونکہ کسی ہندو کو بھی یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ مسلمان آج قلعہ سے نکلنے والے ہیں، اس لئے کوئی بھی کچھ خیال نہ کرے گا۔ اور چونکہ رسالے جا رہے ہیں، ہم بھی چپکے سے نکل جائیں گے۔''

منصور: ''ایک یہ تدبیر ضرور کر لیجئے گا کہ سب سے آگے آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہیں۔

تاکہ پہرے والوں یا دوسرے ہندوؤں کی نظریں پہلے آپ پر پڑیں اور آپ کو دیکھتے ہی وہ سمجھ جائیں کہ ہندوؤں کا رسالہ جا رہا ہے۔''

منورما: ''نہایت مناسب بات بتائی ہے آپ نے۔''

تیج سنگھ: ''ہاں ٹھیک ہے۔ اچھا! تو آپ عبائیں اُتار ڈالیں۔''

عزالدین، ''مناسب ہے۔''

اُس نے تمام مسلمانوں سے کہا کہ وہ عبائیں اُتار کر شلواریں گھٹنوں تک چڑھا کر دھوتیوں کی صورت میں کر لیں۔

فوراً تمام مسلمانوں نے عبائیں اُتار کر شلواروں کے پائنچے اُوپر گھٹنوں تک چڑھا کر دھوتیوں کی صورت میں کر لئے۔ اس لئے اب ان میں اور ہندوؤں میں بہت ہی کم فرق باقی رہ گیا تھا۔ پھر اُنہوں نے تلواریں حمائل کیں، ڈھالوں کو پشت پر لٹکایا اور گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

منورما اور رادھا کو تیج سنگھ نے پہلے ہی سوار کرا دیا تھا۔ اب وہ اور اُس کے ساتھی بھی سوار ہو گئے۔ مسلمانوں نے اپنی عبائیں گھوڑوں کی ایالوں پر ڈال لیں۔ تیج سنگھ نے رادھا کی بگھی لے لی۔ اور منصور نے منورما کے کپڑے نہایت احتیاط سے آگے رکھ لئے۔ سب سے آگے تیج سنگھ ہوا۔ اُس سے پیچھے چار راجپوت اور اُن کے بعد منورما اور رادھا، عزالدین، منصور اُن کے پیچھے چار چار کی قطار میں تمام مسلمان ہو گئے۔ اور اُن کے بعد پھر راجپوت ہو گئے۔

اس طرح سے یہ لوگ نہایت ہوشیاری سے کچھ دُور چل کر سڑک پر ہو لئے۔ اُن سے کچھ فاصلہ سے راجپوتوں کا ایک رسالہ جا رہا تھا۔ یہ لوگ بھی اُس کے پیچھے چل پڑے، لیکن آہستہ آہستہ۔ تاکہ اُن سے ذرا فاصلے پر ہی رہیں۔ اور وہ اُن کو اچھی طرح سے دیکھ نہ سکیں۔

راجپوتوں کا رسالہ بھی چار چار سواروں کی قطار میں جا رہا تھا۔ چار چار سواروں کی قطاریں اُنہوں نے بھی قائم کی تھیں۔ منورما اور رادھا بیچ میں تھیں۔ رادھا کے پہلو میں عزالدین اور منورما کے پہلو میں منصور تھا۔

اُس وقت چاند بہت اُونچا ہو گیا تھا۔ چاندنی اچھی طرح سے ہر چیز پر پھیل گئی تھی اس لئے اُن لوگوں کو قدم قدم پر پہچانے جانے کا خدشہ محسوس ہو رہا تھا۔ مگر خوش بختی کہئے کہ اُن کو راستہ میں کوئی بھی ایسا شخص یا ایسی جماعت نہ ملی جو اُن کو ٹوکتی۔ لہٰذا وہ برابر بڑھتے ہی چلے گئے۔ جو رسالہ اُن سے آگے جا رہا تھا، چونکہ وہ تیزی سے چل رہا تھا اس لئے اُن سے کافی فاصلے پر نکل گیا تھا۔ اب اُنہوں نے بھی تیزی سے چلنا شروع کر دیا اس خوف سے کہ کہیں کوئی رسالہ اُن کے پیچھے سے ہی نہ آ جائے۔

جب وہ دروازے پر پہنچے تو اُنہوں نے دیکھا کہ اُن سے آگے آنے والا رسالہ باہر نکل گیا ہے۔ پہرے والے دیواروں سے لگے کھڑے اونگھ رہے تھے۔ اُنہوں نے گھوڑوں کو ایڑیں لگائیں اور خیریت سے دروازے سے باہر نکل کر ایک جانب روانہ ہو گئے۔

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

☆.....☆.....☆

جے پال کو اُس کی رعایا نے بڑے جوش و خروش اور کروفر سے رُخصت کیا۔ دن نکلنے سے پہلے ہی مندروں میں گھنے، گھنٹیاں اور سنکھ بجنا شروع ہو گئے تھے اور اس وقت تک بجتے رہے جب تک کہ تمام لشکر اور خود جے پال لاہور سے باہر نہ چلے گئے۔ اُن کے جانے کے بعد ایک دم شہر پر خاموشی چھا گئی۔ شور وغل کی تمام آوازیں یکلخت بند ہو گئیں۔

سیلادت، جے پال کو قلعہ سے باہر چھوڑ کر واپس ہوا۔ قلعہ میں آیا اور سیدھا اپنے مکان پر پہنچا۔ جب وہ مکان میں پہنچا تو دوپہر ڈھل چکی تھی۔ وہ صبح سورج نکلنے سے پہلے ہی رتواس (شاہی محل) کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اور اس وقت سے اب تک گھوڑے کی پیٹھ پر ہی سوار تھا۔ ایک تو اتنی دیر سوار رہنے سے ہی تھک گیا تھا، دوسرے بھوک اور پیاس کی شدت نے اُس پر غلبہ کر کے اُسے بالکل ہی چور کر دیا تھا۔ لہٰذا وہ بوکھلایا ہوا اپنے مکان پر آیا۔ اُس نے آتے ہی کنیزوں سے کھانا مانگا، وہ لے آئیں اور اُس نے بغیر غسل کیے ہی کھانا کھا لیا۔ کھانا کھا کر اُس کی جان میں جان آئی اور وہ اپنے خاص کمرہ میں کر سیدھی کرنے کے لئے پڑ گیا۔

ابھی اُسے لیٹے ہوئے کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ چندر کلا آ گئی۔ اُس نے ایک طرف بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''آج تو آپ سویرے چلے گئے تھے۔''

سیلادت نے جواب دیا۔ ''کیا چلا گیا تھا..... سارا دن پریشانی اور تکلیف اُٹھاتے ہوئے گزر گیا۔''

چندر کلا: ''مگر آپ اتنے سویرے نکل گئے۔''

سیلادت: ''لشکر تو آدھی رات سے روانہ ہونا شروع ہو گیا تھا۔''

چندر کلا: ''مگر مہاراج تو خاصا دن چڑھے جانے والے تھے۔''

سیلادت: ''میری جان کو ایک جھگڑا تو نہیں تھا، بہت سے کام تھے۔''

چندر کلا: ''اور غالباً سارے کام پورے ہو گئے؟''

سیلادت: ''ہاں..... قریب قریب سب ہو گئے۔ لیکن.....''

چندر کلا: ''لیکن کیا؟''

سیلادت: ''جو سب سے بڑا کام تھا، وہ رہ گیا۔''

چندر کلا: ''وہ کیا؟''

سیلادت: ''مسلمانوں کی قربانی۔''

چندر کلا: ''کیا مہاراج نے قربانی ملتوی کر دی؟''

سیلادت: ''نہیں!''

چندر کلا: ''پھر کیوں رہ گیا؟''

سیلادت: ''کمبخت مسلمان رات کو کہیں بھاگ گئے۔''

چندر کلا نے حیرت و استعجاب بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ''بھاگ گئے؟''

سیلادت: ''ہاں..... بھاگ گئے۔''

چندر کلا: ''کہاں بھاگ گئے وہ؟''

سیلادت: ''بھگوان ہی جانے۔''

چندر کلا: ''تلاش نہیں کرایا آپ نے؟''

سیلادت: ''لاہور کا کونہ کونہ ڈھونڈ ڈالا۔ کم بختوں کا پتہ ہی نہ چلا۔''

چندر کلا: ''پہرے والوں سے پوچھنا چاہئے تھا۔''

سیلادت: ''وہ خود حیران ہیں۔''

چندر کلا: ''کیا وہ بندھے ہوئے نہیں تھے؟''

سیلادت: ''تھے۔ کمبخت زنجیروں کو بھی لے گئے۔''

چندر کلا: ''بڑے تعجب کی بات ہے۔''

سیلادت: ''صبح سے میں سخت حیران ہوں۔''

چندر کلا: ''مہاراج تو بہت خفا ہوئے ہوں گے۔''

سیلادت: ''میں نے کہہ دیا کہ وہ بھوت تھے اور غائب ہو گئے۔''

چندر کلا: ''اس بات کو مہاراج نے مان لیا؟''

سیلادت: ''ہاں!''

چندر کلا: ''اور یہ تم اپنی لاڈو کو اپنے ساتھ کیوں لے گئے تھے؟''

سیلادت نے حیرت سے چندر کلا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کون لاڈو؟''

چندر کلا: ''وہی جسے آپ نے پیار کر کر کے بہت سر پر چڑھایا ہوا ہے۔''

سیلادت: ''کس کا ذکر کر رہی ہو تم؟''

چندر کلا: ''کیا تنکے بنتے جا رہے ہیں، جیسے کچھ پتہ ہی نہیں۔''

سیلادت: ''دیوتاؤں کی قسم! میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔''

چندر کلا: ''منورما کہاں ہے؟''

سیلادت: ''مجھے کیا معلوم؟''

چندر کلا نے فکرمند ہوتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ اُسے اپنے ہمراہ نہیں لے گئے تھے؟''

سیلادت: ''نہیں..... بھلا میں اُسے کیوں لے جاتا؟''

چندر کلا: ''میں نے جب اُٹھ کر اُس کے کمرے کو دیکھا تو وہ ندارد تھی۔ میں نے سمجھا کہ شاید آپ اُسے لے گئے ہوں گے۔''

سیلادت: ''نہیں..... بلکہ میں نے اُسے رات سے ہی نہیں دیکھا۔''

چندر کلا: ''میں نے رات کو اُس کے کمرے میں جھانکا تو نظر آیا، وہ سو رہی ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

سیلا دت: ’’شاید رادھا کے ہمراہ لشکر کے کوچ کا منظر دیکھنے کے لئے چلی گئی ہو گی۔ اور تھک کر وہیں رہ گئی ہو۔‘‘

چندر کلا: ’’اب تو یہی خیال ہو سکتا ہے۔‘‘

سیلا دت: ’’فکر کی کیا بات ہے...... آ جائے گی۔‘‘

چندر کلا: ’’مگر میرا من (دل) ہچکولے کھانے لگا ہے۔‘‘

سیلا دت: ’’فضول ہے۔ ایسا ہی ہے تو کسی داسی کو رادھا کے پاس بھیج کر بلوا لو!‘‘

چندر کلا: ’’مجھے اپنی منورما سے ایسا پریم ہے کہ ذرا بھی وہ کہیں میری نظروں سے اوجھل ہو جائے تو میں بے قرار سی ہو جاتی ہوں۔‘‘

سیلا دت: ’’پھر اُسے کہیں آنے جانے ہی کیوں دیتی ہو؟‘‘

چندر کلا: ’’میں یہ بھی تو نہیں چاہتی کہ اُس کا جی تھوڑا ہو۔‘‘

سیلا دت: ’’تو فکر نہ کیا کرو۔‘‘

چندر کلا: ’’میری بیٹی اب پھر کئی روز سے کچھ چپ چپ سی رہنے لگی ہے۔‘‘

سیلا دت: ’’ہاں! میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ نہ معلوم کیا بات ہے؟‘‘

چندر کلا: ’’آج رادھا سے پوچھوں گی۔‘‘

سیلا دت: ’’ضرور پوچھنا۔ وہ اُس کی سہیلی ہے۔ اُسے اصلیت ضرور معلوم ہو گی۔‘‘

اتنے میں ایک داسی نے آ کر کہا۔ ’’رادھا کی ماتا آئی ہے۔‘‘

چندر کلا: ’’یہیں بلا لا!‘‘

داسی چلی گئی۔ سیلا دت نے کہا۔ ’’کیا تم اُس سے میرے سامنے ہی پوچھو گی؟‘‘

چندر کلا: ’’نہیں...... کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو؟‘‘

اب رادھا کی ماں آئی۔ اُس نے سیلا دت کو دیکھ کر گھونگھٹ نکال لیا اور چندر کلا کی آڑ میں بیٹھ گئی۔

چندر کلا: ’’رادھا اور منورما کہاں ہیں؟‘‘

اُس نے کہا۔ ’’رادھا ہی کو تو دریافت کرنے آئی ہوں میں۔‘‘

چندر کلا نے حیرت سے دیکھ کر کہا۔ ’’رادھا کا پوچھنے آئی ہو؟ کہاں گئی وہ؟‘‘

رادھا کی ماں: ’’میں نے تو سمجھا تھا کہ وہ منورما کے پاس گئی ہو گی۔‘‘

چندر کلا ہکا بکا رہ گئی۔ اُس نے کہا۔ ’’منورما یہاں کہاں ہے؟ میں تو سمجھتی تھی کہ منورما، رادھا کے پاس ہے۔‘‘

رادھا کی ماں: ’’وہ تو رات یہ کہہ کر یہاں آئی تھی کہ صبح لشکر روانہ ہونے والا ہے۔ لہٰذا میں اور منورما اُس کے کوچ کا منظر دیکھیں گی۔‘‘

چندر کلا: ’’میں نے رات رادھا کو تو نہیں دیکھا تھا۔‘‘

رادھا کی ماں سخت مغموم نظر آنے لگی۔ اُس نے کہا۔ ’’بھگوان! پھر کہاں گئی وہ؟‘‘

چندر کلا: ’’ایشور ہی جانے۔‘‘

رادھا کی ماں: ’’اچھا! منورما کب سے گئی ہے؟‘‘

چندر کلا: ’’پرماتما ہی کو خبر ہے۔ رات تو وہ اپنے کمرے میں سوئی تھی۔ صبح سے غائب ہے۔‘‘

اب سیلا دت اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ اُن دونوں کی باتیں سن کر بڑا پریشان ہو رہا تھا۔ اُس نے چندر کلا سے کہا۔ ’’بڑے تعجب کی بات ہے۔ رادھا کا تو رات سے ہی پتہ نہیں اور منورما رات اپنے کمرے میں سوئی تھی اور صبح سے غائب ہے۔ ان دونوں لڑکیوں کو کون لے گیا؟ آیا کوئی بھوت لے گیا یا کسی دیوتا نے مہربانی کی؟‘‘

چندر کلا: ’’اب یہ کون بتا سکتا ہے...... آہ! میری منورما!‘‘

چندر کلا غم سے نڈھال ہو کر گرنے لگی۔ سیلا دت نے جلدی سے اُٹھ کر اُسے سنبھالتے ہوئے کہا۔ ’’غم و فکر نہ کرو! ضرور رادھا اور منورما لشکر کے روانہ ہونے کا تماشہ دیکھنے کے لئے گئی ہوں گی۔ اور اُن کی کسی سہیلی نے اُن کو اپنے پاس روک لیا ہو گا۔ ابھی تھوڑی دیر میں آ جائیں گی۔‘‘

چندر کلا سنبھلی۔ اُس نے غم اور درد بھرے لہجہ میں کہا۔ ’’بس آ چکیں...... آہ، منورما! تو کہاں چلی گئی؟‘‘

سیلا دت: ’’وہ کہیں نہیں جا سکتی۔ اپنے دل کو سنبھالو! میں اُن دونوں کو تلاش کراتا ہوں۔‘‘

چندر کلا: ’’تلاش کراؤ...... جلدی کرو!‘‘

سیلا دت: ’’میں جا رہا ہوں۔ مگر تم اس قدر غم نہ کرو۔‘‘

چندر کلا: ’’سوامی میرا دل میرے سینے میں تڑپ رہا ہے۔ کلیجہ منہ کو آ رہا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ خوب پھوٹ پھوٹ کر رو دوں۔‘‘

سیلا دت: ’’اس طرح سے تم تو میرے بھی ہاتھ پاؤں پھلا دو گی۔‘‘

چندر کلا: ’’اچھا...... جاؤ! میں جبر کروں گی۔‘‘

سیلا دت باہر نکل گیا۔ رادھا کی ماں نے کہا۔ ’’تیج سنگھ کا بھی تو پتہ نہیں ہے۔‘‘

چندر کلا: ’’وہ شاید لشکر کے ہمراہ چلا گیا ہو۔‘‘

رادھا کی ماں: ’’کل تک تو کوئی تذکرہ اُس کے جانے کا نہ تھا۔‘‘

چندر کلا: ’’پھر کہاں گیا وہ؟‘‘

رادھا کی ماں: ’’میرا خیال ہے کہ رادھا اور منورما دونوں کو وہی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔‘‘

چندر کلا: ’’میری منورما تو کسی کے ساتھ بھی نہیں جا سکتی۔‘‘

رادھا کی ماں: ’’پھر کیا ہوا...... دونوں کہاں چلی گئیں؟‘‘

چندر کلا: ’’کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک اور عجیب بات ہوئی ہے۔‘‘

رادھا کی ماں: ’’کیا؟‘‘

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

چندر کلا: ''وہ ملیکش (مسلمان) بھی جو قید تھے، رات سے ہی غائب ہیں۔''

رادھا کی ماں: ''کہاں بھاگ گئے وہ؟''

چندر کلا: ''بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں؟''

رادھا کی ماں: ''سنا ہے کہ یہ مسلمان بھوتوں کی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ گھڑی میں یہاں تو گھڑی میں کوسوں دُور جا پہنچتے ہیں۔''

چندر کلا: ''ہاں! یہ تو میں نے بھی سنا ہے۔''

رادھا کی ماں: ''کیا عجب نہیں، مہاراج نے اُن پاپیوں کو یہاں لا کر اپنی پرجا (رعایا) کو مصیبت میں ڈالا۔''

رادھا کی ماں: ''یہ بہت ہی برا کیا مہاراج نے۔''

چندر کلا: ''اُنہیں تو مسلمانوں کو چھیڑنا ہی نہیں چاہئے تھا۔''

رادھا کی ماں: ''مگر ان راجاؤں کو کون سمجھائے؟''

چندر کلا: ''سمجھانے سے ہوتا ہی کیا ہے، وہ سمجھتے ہی کب ہیں؟''

کچھ دیر کے بعد سیلا دت واپس آ گیا۔ اُس کے یاس بھرے چہرے کو دیکھتے ہی دونوں نے اندازہ کر لیا کہ وہ ناکام آیا ہے۔ چندر کلا نے حسرت بھری نظروں سے اُسے دیکھ کر کہا۔ ''کہئے! کچھ پتہ چلا؟''

سیلا دت نے جواب دیا۔ ''کچھ بھی نہیں۔''

یہ سنتے ہی چندر کلا پر غشی طاری ہونے لگی۔ سیلا دت نے بڑھ کر اُسے سنبھالا اور آہستہ سے اپنے بستر پر لٹا دیا۔

☆......☆......☆

جے پال ایک لاکھ سوار، دو لاکھ پیادے اور دو سو ہاتھی لے کر روانہ ہوا تھا۔ یہ لشکر تنہا اُس کا نہ تھا۔ بلکہ اس میں دِلّی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ اتنا عظیم الشان لشکر آج تک کبھی اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہوا تھا۔ پھر اس لشکر میں ہندوستان کے چیدہ چیدہ بہادر، دلیر افسر اور جنگجو لوگ موجود تھے۔ زیادہ تعداد ایسے افراد کی تھی، جنہیں اس بات پر غرہ تھا کہ کبھی کسی معرکہ میں اُن کو آج تک شکست نہیں ہوئی ہے۔

چونکہ تمام لشکر بیک وقت کوچ نہیں کر سکتا تھا، اس لئے ہفتوں پہلے سے اس طرح روانہ ہو رہا تھا کہ غلہ کے ساتھ ساتھ سامانِ حرب کے ہمراہ دوسری چیزوں کی حفاظت کے طور پر ہزاروں سوار روزانہ کوچ کرتے رہے تھے۔ پیدلوں کی پلٹنیں زیادہ تر رسد کے چھکڑوں کے ہمراہ جا چکی تھیں۔ جے پال کے ہمراہی زیادہ تر اُس کے سوار تھے جو اتنی دُور تک پھیلے ہوئے کوچ کر رہے تھے کہ جے پال جو ہاتھی پر سوار ہو کر چلتا تھا، اُس کی نظر جہاں تک بھی جاتی تھی، اُس کا لشکر پھیلا ہوا نظر آتا تھا۔ جوں جوں وہ اپنے لشکر کو دیکھتا تھا، اُس کا دل بڑھتا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا..... اُس نے یقین

کر لیا تھا کہ لمغان کی شکست کا بدلہ وہ اس ٹڈی دل لشکر کے ذریعہ سے سلطان سبکتگین سے لے کر رہے گا۔

وہ غزنی کی فتح کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ اُس نے سنا تھا کہ یوں تو ہر اسلامی شہر میں تجارت کی منڈیاں اور دولت کے ڈھیر ہیں۔ مگر سب سے زیادہ دولت غزنی میں بھری پڑی ہے۔ وہ اسلامی دارالسلطنت ہے۔ تجارت کا مرکز ہے۔ دنیا بھر کے تجار بیش قیمت مال لے کر آتے اور خاطر خواہ نفع اُٹھا کر واپس جاتے ہیں۔ وہ اس اسلامی قلمرو کو تاراج کر کے اُسے لوٹنے کے منصوبے گانٹھ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سے اُسے فتح نصیب ہو جائے اور وہ غزنی، نیز تمام بڑے بڑے مشہور و معروف شہروں کی دولت لوٹ کر ہندوستان واپس آئے۔

وہ دو سو ہاتھی اور ہزاروں چھکڑے اسی اُمید پر لے کر آیا تھا کہ ان سب میں وہ سونے چاندی کے ڈھیر، ریشمی تھان، ہیرے جواہرات، آبدار موتی نیز لعل بدخشاں، شب چراغ اور خدا جانے کیا کیا اور کیسا کیسا قیمتی سامان لے کر آئے گا؟ وہ لالچی تھا۔ ڈاکوؤں سے زیادہ شور پشت، ٹھگوں سے زیادہ دغا باز اور کمینہ خصلت انسانوں سے زیادہ مکار اور جھوٹا۔ وہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو شکست دے کر فرزندانِ اسلام کا قتل عام کرے۔ لڑکے اور لڑکیوں کو اسیر کر کے غلام و کنیزیں بنا لے۔

وہ مسلمانوں اور اسلامی شہروں کو بالکل اُسی طرح سے تباہ و برباد کرنے کا آرزومند تھا جیسے ظالم و بے درد ایرانیوں نے ہندوستان کے اصلی اور قدیم باشندوں کو تہ تیغ کر کے اُن کے بڑے بڑے شہروں کو نذرِ آتش کر کے اپنی وحشیانہ بربریت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اُن کی دولت لوٹ کر اُن کو پیسے پیسے کے لئے محتاج کر دیا تھا۔ اُن کے لڑکوں کو ایسا غلام اور اُن کی لڑکیوں کو ایسی کنیزیں بنا لیا تھا جو دنیا کی بدترین مخلوق شمار کئے گئے تھے۔ اور صدہا برس گزرنے پر بھی آج تک وہ انسانوں کے زمرے سے خارج سمجھے جاتے ہیں۔ اُنہوں نے اُن کو شودر کا خطاب دے دیا تھا۔ اچھوت اور ہریجن قرار دے دیا گیا تھا۔ آج اس تہذیب کے زمانے میں بھی ان مظلوموں اور بے کسوں پر اس قدر بے رحمیاں کی جاتی ہیں کہ وہ اپنے آقاؤں کی خدمت انجام دیتے دیتے ہی سفرِ آخرت کر جاتے ہیں۔ اُنہیں حق نہیں ہے کہ وہ اچھا کھائیں، اچھا پہنیں، مندروں میں جا سکیں اور برہمنوں و چھتری اور ویش کے برابر بیٹھ سکیں۔

جے پال کے منصوبے بھی اسی قسم کے تھے۔ اور وہ سلطان سبکتگین کو ہزیمت دے کر ایک مرتبہ پھر ایرانیوں کے مظالم کی یاد تازہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اُس کا مقابلہ اس قوم سے ہے جو دنیا بھر میں بہادر تسلیم کر لی گئی ہے۔ جو دنیا میں امن و امان کا پیغام لے کر آئی ہے۔ جو ہر سرکش کو تلوار کے زور سے سیدھا کر دیتی ہے۔ ہر مغرور کا سر توڑ ڈالتی ہے۔ ہر جابر و ظالم کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتی ہے۔ ہر فساد کرنے والے کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیتی ہے۔ اور ہر فرعونی قوت کو کچل کے رکھ دیتی ہے۔

وہ ایک مرتبہ پہلے بھی مسلمانوں کی تلواروں کا امتحان لے چکا تھا۔ اسلامی شیروں کے خونخوار

www.pdfbooksfree.pk

حملوں کو دیکھ چکا تھا۔ مجاہدین کی بے نظیر جرات و شجاعت کا نظارہ دیکھ چکا تھا۔ جان گیا تھا کہ دنیا بھر میں اگر مردِ میدان کوئی قوم ہو سکتی ہے تو وہ صرف مسلمان قوم ہی ہے۔ وہ لمغان کے میدان میں جب گھرا تھا تو نہایت عاجزی سے گڑگڑا کر صلح کی درخواست کر کے مصالحت کرنے کے بعد اپنی اور اپنے لشکر کی جان بچا کر لے جا سکا تھا۔ لیکن اُس کی طینت اُن لوگوں جیسی تھی جو ایک مرتبہ پٹ کر کہتے ہیں کہ اب کے مارے تو جانوں!''

چنانچہ وہ پھر بڑے کروفر، پوری شان و شوکت، بڑے عزم و ارادے، بڑے ساز و سامان اور بڑے بھاری لشکر کے ساتھ مسلمانوں کو پیس ڈالنے اور سابقہ ہزیمت کا قصاص لینے کے لئے آیا تھا۔

اُس نے لاہور سے چل کر پہلے دریائے راوی اور دریائے چناب کا دوآبہ طے کیا۔ اور جب چناب بھی عبور کر گیا تو پھر دوآبہ سندھ ساگر سے گزر کر راولپنڈی پہنچا۔ یہاں سے سیدھا وہ اٹک آیا اور پل کے ذریعے سے دریائے اٹک کے پار ہو کر پشاور میں جا ٹھہرا۔

چونکہ اُس نے اور اُس کے لشکر نے کافی فاصلہ طے کر لیا تھا۔ اس لئے کچھ دن تک ستانے کے لئے وہ پشاور میں قیام پذیر ہو گیا۔ پشاور بھی اُس کے ہی زیرِ نگین تھا۔ اُس نے قلعہ پشاور کی درستی کرا کر اُس کی فصیل کو نہایت مضبوط کرا دیا۔ پشاور کے قرب و جوار میں بہت سے چھوٹے چھوٹے قلعہ جات تھے۔ لہٰذا اُس نے قریب قریب تمام قلعوں کی مرمت کرا دی تھی۔ یہ حفظ ماتقدم اُس نے اس لئے کیا تھا کہ اگر بالفرض محال شکست بھی ہو جائے تو وہ ان قلعوں میں آ کر پناہ لے سکے۔ جب تمام قلعوں کی درستی ہو گئی، تب وہ پشاور سے تھل کی طرف چلا اور پہاڑی دروں سے گزرتے ہوئے ایک خوش سواد وادی میں جا ٹھہرا۔ جس پہاڑی علاقے کو وہ طے کر رہا تھا، وہ بالکل سرد تھا۔ اُس میں چھوٹے چھوٹے چشمے رواں تھے۔ وہ پگھلی ہوئے برف کے سوتے تھے۔ چٹانوں کی اُونچی اُونچی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ سفید سفید برف دُور سے ایسی جگمگا رہی تھی، جس سے دھوکا ہوتا تھا کہ شاید پہاڑ کی چوٹیوں پر شیشہ کی سلیں رکھ دی گئی ہیں۔

یہ مقام سرد تھا۔ سردی اپنا اثر دکھانے کی غرض سے تکلیف دے رہی تھی۔ لیکن پہلی مرتبہ جے پال کو تجربہ ہو چکا تھا۔ اور وہ اور اُس کا لشکر برف باری اور کڑاکے کی سردی سے کافی نقصان اُٹھا چکے تھے، اس لئے اس مرتبہ جاڑے سے بچنے کے لئے کافی اُونی سامان لائے تھے۔

اُس نے اُون کے موٹے موٹے اور بھدے کمبل تمام سپاہیوں میں تقسیم کرا دیئے تھے اور اُنہیں ہدایت کر دی تھی کہ جس قدر ممکن ہو، لکڑیاں کاٹ کاٹ کر جلائیں۔ خیموں کو گرم رکھیں اور سردی کی طرف سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونے پائیں۔

ہندوستان گرم ملک ہے۔ اس ملک میں رہنے والے زیادہ سردی برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے جے پال کے سپاہیوں کو بڑھتی ہوئی سردی کی وجہ سے باوجود کافی حزم و احتیاط کے شدید تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ خصوصاً دِلی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کے سپاہیوں کو۔

جے پال نے اس وادی سے بھی کوچ کر دیا اور وہاں سے چل کر سیدھا لمغان کے میدان میں جا اُترا۔ اُس میدان میں جس میں ایک مرتبہ وہ موت کے چنگل سے بمشکل بچ سکا تھا۔ یہاں آتے ہی اُس نے جو سب سے پہلا کام کیا، وہ یہ تھا کہ اُس چشمے پر جسے وہ اور تمام ہندو مقدس سمجھتے تھے، قبضہ کر لیا اور اُس کے کنارے پر وہاں تک جہاں سے چشمہ اُونچی چٹانوں سے نیچے گرتا تھا، لشکر پھیلا دیا۔ اس طرح سے اُس نے یہ انتظام کر لیا کہ کسی صورت بھی مسلمان اس چشمے کے پانی کو ناپاک نہ کر سکیں۔ یہاں قیام کر کے اُس نے جاسوسوں کو سلطان کے لشکر کی خبر لینے کے لئے روانہ کیا۔

اگرچہ اُس کا ارادہ یہاں ٹھہر کر سلطان کا انتظار کرنے کا نہ تھا، مگر پھر بھی اُس نے اس میدان کے تمام اچھے اچھے مقامات پر اپنا لشکر ٹھہرا دیا تھا۔ اور اب جاسوسوں کے آنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔ اُسے ابھی مقیم ہوئے زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ایک روز دوپہر سے پہلے ہی تمام جاسوس سخت پریشان حال بھاگ کر آئے۔ جے پال کو اُن کے آنے کا حال فوراً ہی معلوم ہو گیا۔ اُس نے اُسی وقت اُنہیں اپنے پاس طلب کر کے اُن سے دریافت کیا۔ ''تم اس قدر سراسیمہ اور بدحواس ہو کر کیوں بھاگے آ رہے ہو؟''

اُن میں سے ایک شخص نے جواب دیا۔ ''مہاراج! اس لئے کہ ہم نے وحشی مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ وہ بڑے جوش و خروش سے بڑھے چلے آ رہے ہیں۔''

جے پال: ''تم نے کہاں دیکھا ہے اُنہیں؟''

راجپوت: ''حضور! ہم بڑھے چلے جا رہے تھے کہ دفعتہً ہم نے نعروں کی آوازیں سنیں۔ ہم چونک کر کھڑے ہو گئے اور اُن کو دیکھنے لگے۔ ہمیں ہر چٹان اور ہر پتھر سے مسلمان حشرات الارض کی طرح سے نکلتے نظر آئے۔ ہم اُن کو دیکھتے ہی گھبرا گئے اور حضور کو اطلاع کرنے کے لئے دوڑے چلے آئے۔''

جے پال: ''تم نے یہ اندازہ لگایا کہ مسلمانوں کا لشکر کس قدر ہے؟''

جاسوس: ''نہیں حضور! ہم اُنہیں دیکھتے ہی بھاگ پڑے۔''

جے پال نے طیش میں آ کر کہا۔ ''بزدلو! تم ذرا سی دیر ٹھہر کر یہ نہ معلوم کر سکے کہ اسلامی لشکر کس قدر تعداد میں آیا ہے؟''

جاسوس: ''ان داتا! جب ہم نے ہر چٹان اور ہر پتھر سے مسلمانوں کو نکلتے ہوئے دیکھا تو ہم کو خوف ہوا کہ کہیں وہ ہمارے قریب والی چٹان سے بھی نہ نکل پڑیں۔ اس لئے ہم ہیم و ہراس کی وجہ سے وہاں ٹھہر نہ سکے اور بے تحاشہ بھاگے چلے آئے۔ مہاراج! مسلمان انسان نہیں ہیں۔ بھوت معلوم ہوتے ہیں۔ ہم اچھی طرح سے دیکھتے ہوئے وہاں جا رہے تھے۔ اُن کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ مگر دفعتہً نمودار ہو گئے اور ساری گھاٹیاں اور تمام چٹانیں اُن سے بھر گئیں۔

جے پال کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے کی آواز آئی۔ وہ اس نعرے کو سن

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

کر چونک پڑا۔ جاسوس نے جلدی سے کہا۔ ''لیجئے! وہ خود ہی یہاں آ مرے۔ ہم ان کو کوسوں میل کے فاصلے پر چھوڑ کر آئے تھے۔ خیال تھا کہ شام تک آسکیں گے۔ مگر یہ دوپہر ڈھلتے ہی آ گئے۔''

اس وقت واقعی دوپہر ڈھلنے لگی تھی۔ جے پال نے کہا۔ ''شاید وہ بھی تمہاری طرح گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے نہایت سرعت سے بھاگے چلے آئے ہوں۔''

جاسوس: ''حضور! راستہ اس قدر ناہموار ہے کہ گھوڑوں کو سرپٹ دوڑایا ہی نہیں جا سکتا۔ اور گھوڑوں کے بے تحاشہ دوڑائے بغیر اتنی جلدی یہاں پہنچنا ناممکن ہے۔''

جے پال: ''ممکن ہے کہ اُن کے کچھ دستے اِدھر اُدھر چھپے ہوں اور وہ نکل کر بڑھے چلے آئے ہوں؟''

جاسوس: ''آپ چاہے کچھ بھی خیال کریں، مگر ہم تو یہی کہیں گے کہ وہ ہرگز ہرگز انسان نہیں ہو سکتے۔''

جے پال: ''تم فضول خوف و ہراس کرنے لگے ہو۔ وہ ہماری ہی طرح کے انسان ہیں۔ اچھا! تم جاؤ۔ میں خود جا کر اسلامی لشکر کی صحیح تعداد کا اندازہ کروں گا۔ تم نے سخت بزدلی سے کام لیا ہے۔''

جاسوس چلے گئے۔ جے پال نے گھوڑا طلب کیا اور اُس پر سوار ہو کر اپنے ہمراہ چند سرکردہ سرداروں کو لیتے ہوئے ایک اُونچی ٹیکری کی طرف چلا۔

☆.....☆.....☆

ہم بیان کر چکے ہیں کہ جے پال نے اپنا لشکر ہر طرف اور تمام اچھے اچھے مقامات پر پھیلا کر ٹھہرا دیا تھا۔ یہ پیش بندی اُس نے اس لئے کی تھی کہ اگر اسلامی لشکر اس میدان میں آ کر اُس سے نبرد آزما ہو تو اُسے کوئی ایسی جگہ ٹھہرنے کے لئے نصیب نہ ہو جس سے وہ کچھ آرام لے سکے۔

مگر یہ میدان اس قدر لمبا چوڑا تھا کہ جے پال کے لشکر سے بھی دس گنا زیادہ فوجیں اگر آ جاتیں تو اس میں اچھی طرح سے سما سکتی تھیں۔ اس وجہ سے باوجود بہت کچھ انتظام کرنے کے بھی وہ تمام مقامات پر قبضہ نہ کر سکا تھا۔ پھر بھی بہت سی اچھی اچھی جگہیں اُس کے سپاہیوں کے تحت میں آ گئی تھیں اور اس وجہ سے اُس کا لشکر اصل سے دوگنا کیا، سہ گنا نظر آنے لگا تھا۔ جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی، راجپوت ہی راجپوت پھیلے اور بکھرے نظر آتے تھے۔ اُنہوں نے قریب قریب آدھا میدان گھیر لیا تھا۔ اور خیمے کچھ اس طرح سے ایک دوسرے سے فاصلے پر نصب کئے گئے تھے کہ دُور سے دیکھنے والے کو معلوم ہوتا تھا کہ گویا خیموں کا شہر میلوں لمبا چوڑا ایستادہ چلا گیا ہے۔

جے پال نے یہ بھی انتظام کیا تھا کہ امدادی لشکروں کو الگ ٹھہرا دیا تھا۔ اگر ایک طرف دِلی کی سپاہ تھی تو دوسری طرف کالنجر کی۔ آگے قنوج والے تھے تو پیچھے اجمیر والے۔ اور اُس نے اپنا لشکر ان عساکر کے بیچ میں جگہ جگہ ٹھونس دیا تھا۔ اس ترتیب سے لشکروں کو فردکش کرنے سے اُس کا

منشاء یہی تھا کہ دیکھنے والوں کو اُس کی تعداد اصل سے کہیں زیادہ معلوم ہو۔

راجپوت اس وقت لشکر گاہ سے آگے نکلے ہوئے سرسبز میدان میں بیٹھے یا پڑے دھوپ لے رہے تھے کہ اُنہوں نے اللہ اکبر کے نعرے کی آواز سنی۔ وہ جلدی سے گھبرا کر اُٹھ بیٹھے اور سہم کر متوحش نظروں سے اُس طرف دیکھنے لگے، جس جانب سے یہ آواز آئی تھی۔ اُن کو اس طرف سے شیرانِ اسلام نہایت شان و عظمت کے ساتھ آتے ہوئے نظر آئے۔ وہ اُن کو دیکھتے ہی گھبرا گئے اور دفعتہً کھڑے ہو گئے۔ اور بغیر اِدھر اُدھر یا پیچھے دیکھے، بے تحاشہ اپنے کیمپ کی طرف بھاگ پڑے۔

اُن مسلمانوں نے جو پہاڑی گھاٹیوں سے باہر نکل آئے تھے، دُور سے اُنہیں بھاگتے ہوئے دیکھا اور مسکرانے لگے۔

جے پال بھیم اور چند اور مشہور افسروں کو ساتھ لے کر ایک اُونچی ٹیکری پر چڑھ گیا۔ وہاں سے وہ ہر آنے والے اسلامی سوار کو بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ بہادر مسلمانوں کے فوجی دستے پہاڑ کی گھاٹیوں سے نکل نکل کر نشیبی میدان میں آ کر اس طرح سے پھیلتے جاتے تھے جس طرح سے اُوپر سے آنے والا پانی جس طرف اور جہاں تک جگہ پاتا ہے، پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اُن کا تانتا لگا ہوا تھا۔ اسلامی علم ہوا میں لہرا رہے تھے۔ سپاہی نہایت جوش و غضب سے بڑھے چلے آ رہے تھے.....

جو دستہ گھاٹیوں سے نکل کر باہر آتا تھا، اُس کے پیچھے ہی بار برداری کی گرانیاں آتی تھیں۔ اُن میں خیمے، بستر، رسد کا سامان اور دوسری چیزیں لدی ہوئی تھیں۔ سپاہی اُن گرانیوں کے آتے ہی اُن کے گرد ہو جاتے تھے اور جلدی جلدی سامان اُتار کر خیمے نصب کرنے لگتے تھے۔

جے پال اور اُس کے ساتھی مسلمانوں کی یہ کارگزاری ہی دیکھ کر رشک کر رہے تھے۔ آخر جب جے پال سے نہ رہا گیا تو اُس نے بھیم سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''تم دیکھ رہے ہو کہ یہ مسلمان سپاہی جو نہ جانے کہاں اور کب سے سفر کئے آ رہے ہیں، بغیر تکان کا خیال کئے کس محنت سے کام کر رہے ہیں۔''

بھیم نے کہا۔ ''میں خود ان کی جفاکشی دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں۔''

جے پال: ''افسوس! ہمارے سپاہی اس قدر جفاکش نہیں ہیں۔''

بھیم: ''اگر ہمارے سپاہی اس قدر جفاکش ہوتے تو پہلی ہی مرتبہ ہم کو ہزیمت کیوں نصیب ہوتی؟''

جے پال: ''یہی بات ہے۔''

بھیم: ''مسلمان قوم بڑی جفاکش ہے۔''

جے پال: ''شاید پہاڑوں پر رہنے کی وجہ سے محنت کش بن گئی ہے۔''

بھیم: ''یہ بات نہیں ہے۔ جہاں کہیں بھی مسلمان ہیں، ایسے ہی جفاکش ہیں۔ ان کا مقولہ ہے کہ عیش و عشرت انسان کو بزدل بنا دیتے ہیں۔''

جے پال: ''اور یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

بھیم: "دیکھئے! ہر سپاہی کس قدر چست اور چالاک نظر آتا ہے۔"

جے پال: "جیسے لوہے کے پتلے ہوتے ہیں۔"

بھیم: "سنا ہے کہ ان کا ایک ادنیٰ سپاہی اور اعلیٰ افسر سب برابر سمجھے جاتے ہیں۔"

جے پال: "یہی میں نے بھی سنا ہے۔"

بھیم: "ان لوگوں میں باہمی اخوت و محبت بہت زیادہ ہے۔"

جے پال: "میرے خیال میں سلطان اُن مسلمانوں کو چھڑانے کے لئے جوش و طیش میں بھر کر چلا آیا ہے، جن کو ہم نے قید کر لیا تھا۔"

بھیم: "میں بھی ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ وہ زر و مال کی تو پرواہ بھی نہ کرتا۔ محض مسلمانوں کو آزاد کرانے کے لئے آیا ہے۔"

جے پال: "اچھا...... آنے دو۔ جس مقام پر اسے فتح ہوئی تھی، وہی شکست کا مقام ہوگا۔"

بھیم: "مگر مجھے راجپوتوں سے یہ اُمید نہیں پڑتی۔"

جے پال نے حیرت و استعجاب سے بھیم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیوں؟"

بھیم: "اس لئے کہ آپ نے اُن راجپوتوں کو دیکھا ہے جو مسلمانوں کے آنے سے پہلے کھلے میدان میں پڑے دُھوپ لے رہے تھے؟"

"جے پال: "ہاں..... دیکھا ہے۔"

بھیم: "وہ مسلمانوں سے کس قدر فاصلے پر تھے؟"

جے پال: "بہت دُور تھے۔"

بھیم: "اتنی دُور ہوتے ہوئے بھی وہ اُن کے نعرے کی آواز سن کر سہم گئے۔ اور اُن کو دیکھتے ہی بدحواس ہو کر کیمپ میں بھاگ گئے۔ جس قوم کے سپاہی ایسے بہادر ہوں کہ دشمنوں کو اتنی دُور سے دیکھتے ہی ڈر کر بھاگ جائیں تو ان سے اور کیا توقع کی جا سکتی ہے؟"

جے پال: "یہ ایک اتفاق تھا۔ تم دیکھو گے کہ یہی راجپوت جنہیں تم اس وقت بزدل سمجھ رہے ہو، کل میدانِ جنگ میں کیا کیا کارہائے نمایاں کرتے ہیں۔"

بھیم: "ایشور کرے ایسا ہی ہو۔"

جے پال: "سنو بھیم! میں ارادہ کر چکا ہوں کہ سلطان کو شکست دے کر اسے مار ڈالوں گا۔ اور پھر اُس کے تمام مقبوضات پر قبضہ کر کے وہ تمام دولت لوٹ لوں گا جو کہ اُس نے جمع کی ہے۔"

بھیم: "اگر وہ دولت ہندوستان میں آ جائے تو ہر ہندو مالدار بن جائے۔"

جے پال: "چونکہ وہ دولت ہماری ہے۔ ہم کو ذرا سی ہمت اور تھوڑی سی شجاعت سے کام لینا پڑے گا۔"

بھیم: "ہم تو تیار ہیں۔ مگر ہمارے سپاہی......"

جے پال نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "وہ بھی تیار ہو کر آئے ہیں۔ اس مرتبہ سر دھڑ تک کی

بازی لگا دیں گے۔"

بھیم: "تب تو فتح یقیناً ہماری ہی ہوگی۔"

جے پال: "مجھے افسوس بھی ہے اور تعجب بھی کہ کم بخت وہ مسلمان کیا ہوئے؟ اور کہاں گئے جنہیں ہم نے قید کر لیا تھا؟"

بھیم: "میں حیران ہوں۔ نہ معلوم دیوتاؤں نے آکاش (آسمان) سے آ کر انہیں چھوڑ دیا یا دھرتی (زمین) نے اُنہیں نگل لیا؟"

جے پال: "پہلی بات تو ناممکن ہے۔ دیوتا تو مسلمانوں کو اسی طرح سے ہاتھ نہیں لگا سکتے جس طرح سے کہ ہم اچھوتوں کو نہیں چھو سکتے۔ ہاں، اغلب ہے کہ اُنہوں نے غضبناک ہو کر دھرتی کو اُنہیں نگل لینے کا حکم دیا ہو اور دھرتی نے اُن کو اپنا لقمہ بنا لیا ہو تو یہ بات کچھ عجیب نہیں ہے۔"

بھیم: "جب ہم فتح پا کر واپس جائیں گے تب اس بات کی تحقیقات کریں گے۔"

جے پال: "میں تو ابھی تحقیقات شروع کر دیتا۔ لیکن یہ دیکھ کر چپ ہو رہا کہ وقت زیادہ اور بیکار صرف ہو جائے گا۔"

بھیم: "کیا حضور فوراً ہی حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

جے پال: "ہاں! ہمارا لشکر کافی آرام کر چکا ہے۔ مسلمان ہمارے قریب آ رہے ہیں۔ اُنہیں ستانے یا دم لینے کا موقع ہی نہیں دینا چاہئے۔ اور میں کل ضرور حملہ کر دوں گا۔"

بھیم: "اور حملہ کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟"

جے پال: "طریقہ کچھ نہیں۔ تمام لشکر مسلح ہو کر میدان میں جائے گا اور شام تک ان مسلمانوں کا خاتمہ کر کے واپس لوٹ آئے گا۔"

بھیم: "مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ تھوڑا تھوڑا لشکر بھیجا جاتا۔"

جے پال: "اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ایک دم حملہ کر کے عالمگیر جنگ شروع کر دینی چاہئے۔"

بھیم: "جیسے حضور کی رائے ہو۔"

جے پال: "اگر ہم نے تھوڑا لشکر بھیجا تو مسلمان بھی ایسا ہی کریں گے۔ اور اس طرح سے ستا کر وہ تازہ دم ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے میرے نزدیک یہ رائے کچھ وقعت نہیں رکھتی۔"

بھیم: "نہایت مناسب رائے ہے حضور کی۔"

جے پال: "تم یہاں سے جاتے ہی تمام لشکر میں منادی کرا دینا کہ کل سورج دیوتا کے نکلتے ہی اُس کی پوجا کر کے سب میدانِ جنگ میں پہنچ جائیں۔ اور ایسا جی توڑ کر لڑیں کہ شام سے پہلے پہلے دشمن کا خاتمہ ہو جائے۔"

بھیم: "بہتر ہے حضور!"

ان باتوں میں کافی وقت گزر گیا تھا۔ آفتاب جھکتے جھکتے اس قدر مغرب کی طرف جھک گیا تھا

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

کہ اُس کی کرنیں سمٹ سمٹا کر پہاڑوں کی اُونچی چوٹیوں پر جا پہنچی تھیں۔ ابھی تک مسلمانوں کے رسالے اور دستے برابر آ رہے تھے۔

وہ نہایت اطمینان کے ساتھ آ کر خیمے نصب کر کے فرد کش ہوتے چلے جاتے تھے۔ آخر کار دن چھپ گیا لیکن اسلامی لشکر کا تانتا نہ ٹوٹا۔ وہ سلطان کو بھی نہ دیکھ سکے کہ وہ آ گیا یا ابھی نہیں؟ جب اندھیرا پھیل گیا اور دُور کی چیزیں نظر آنا بند ہو گئیں تو جے پال اپنے ساتھیوں کو لے کر ٹیکری سے اُترا اور کیمپ میں آ کر اپنے خیمے میں پہنچ گیا۔

☆.....☆.....☆

سلطان کو جے پال پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ غزنی سے روانہ ہو کر دو منزلہ اور سہ منزلہ طے کر کے لمغان کے میدان میں آ پہنچا تھا۔ اُسے ایک دو منزل اس طرف ہی اُس کے جاسوسوں نے بتا دیا تھا کہ راجپوتوں کا لشکر لمغان کے میدان میں آ کر مقیم ہو گیا ہے۔ اُس نے سب سے پہلے اپنے فرزند محمود کو اُس کے رسالے کے ساتھ بھیجا تھا۔ لہٰذا لمغان کے میدان میں سب سے پہلے وہی آ کر مقیم ہوا تھا۔ اُس کے بعد فیروز الدین اُس کا سپہ سالار آیا۔ پھر شمس الدین۔ ابھی تینوں ہی کے لشکر آ کر مقیم ہوئے تھے کہ دن چھپنے لگا۔ آفتاب غروب ہونے کے بعد سلطان آیا تھا۔ اُس کا لشکر بڑی رات گئے تک آتا رہا تھا۔

جب اسلامی لشکر آ کر مقیم ہوا تو چاند نکل آیا تھا۔ اگرچہ آج بھی مطلع صاف نہ تھا۔ برف پڑنے لگی تھی۔ لیکن پھر بھی چاندنی کا عکس پڑ رہا تھا اور اس کی وجہ سے کسی قدر اُجالا تھا۔ سلطانی لشکر نے آتے ہی خیمے نصب کر لئے تھے اور کھانا کھا کر آرام کرنے لگا تھا۔ جب صبح ہوئی اور سحر اپنی تمام جلوہ آرائیوں کے ساتھ نمودار ہو گئی تو کئی آدمیوں نے وضو کر کے صبح کی اذان دی۔ اذان کی آواز سنتے ہی تمام مسلمان اُٹھ اُٹھ کر ضروریات سے فراغت کرنے کے لئے جانے لگے اور فوراً ہی آ کر وضو کر کے نماز کی تیاریاں کرنے لگے۔ سپاہی، تمام سردار اور سلطان وغیرہ سب آ گئے۔ سلطان نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد دُعا مانگی گئی اور دُعا مانگنے کے بعد سلطان نے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"اے اسلامی شیرو! مجھے جاسوسوں کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ راجپوتوں کے لشکر کی تعداد تین لاکھ ہے۔ اور ہماری فوج صرف ساٹھ ہزار ہے۔ گویا ایک مسلمان کے مقابلہ میں چھ ہندو ہیں۔ دشمنوں کی یہ تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ تم اُن شیروں کی اولاد ہو جو کہ دس دس اور بیس بیس گنا غنیم سے نہیں بلکہ سو سو اور ہزار ہزار گنا دشمنوں سے لڑ چکے ہیں۔ مسلمانوں کو کیوں یہ جرات ہوتی رہی ہے کہ وہ ہمیشہ کم ہونے کے باوجود لاتعداد دشمنوں سے لڑتے رہے ہیں؟ محض اس وجہ سے کہ پروردگارِ عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ مسلمانوں کی امداد و استعانت فرمائیں گے۔ خدائے دو جہاں اپنے کلام پاک قرآن شریف میں فرماتا ہے: (مسلمانوں کی امداد کرنا ہم پر ضروری ہے)

سوچو! کہ جب پروردگارِ عالم ہماری امداد فرمائے گا تو ہم کیوں کامیاب نہ ہوں؟ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ ہم سچے مسلمان ہوں۔ اُسے اور اُس کے لاڈلے پیغمبرؐ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوں۔ جو خدا کو یاد کرتا ہے، خدا بھی اُسے ضرور یاد کرتا ہے۔ اور جسے خدا یاد رکھتا ہے اس کا کوئی کام بھی خراب نہیں ہو سکتا۔ وہ غیب سے اپنے یاد کرنے والے کی مدد کرتا ہے۔ مگر جو بندہ اُسے بھول جاتا ہے، وہ بے نیاز ہے، وہ بھی بھول جاتا ہے۔ اور جسے خدا بھول جائے، اُس کے ذلیل و خوار ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

جب تک مسلمان خدا کو یاد کرتے رہیں گے، امر و نہی کا خیال رکھیں گے، کبھی ذلت و خواری، افلاس اور غلامی کا منہ نہ دیکھیں گے۔ مگر جب اُن میں تن آسانی و عشرت پسندی کی خو آ جائے گی، نماز اور روزے میں کوتاہی کرنے لگیں گے، تب ان کا اقبال زوال کے گڑھے میں جا پڑے گا اور وہ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی حقیر و بیچارہ ہو کر رہ جائیں گے۔ اُن کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ شہرت کو دھبہ لگ جائے گا۔ ثروت جاتی رہے گی۔ اور وہی دنیا جو آج اُن کی عزت کرتی ہے اور اُس کے آستانہ پر جبیں سائی کرتی ہے، اُن کی دوستی پر فخر اور ناز کرتی، اُنہیں بے عزت اور بے غیرت نیز ایسی قابل نفرت قوم سمجھنے لگے گی، جس سے بات کرنا بھی عار سمجھا جائے گا۔

مسلمانوں کے لئے وہ زمانہ انتہائی پستی اور بے چارگی کا ہو گا۔ دردمند مسلمان، مسلمانوں کی حالت زار دیکھ کر خون کے آنسو روئیں گے۔ مگر مسلمانوں کو اُن کی پرواہ بھی نہ ہو گی۔ وہ اس حالت میں بھی خوش رہیں گے۔ اور اس حالت کو غنیمت سمجھیں گے۔

وہ ایسا برا زمانہ ہو گا کہ مسلمان، مسلمانوں کا دشمن ہو جائے گا۔ بھائی، بھائی کا گلا کاٹے گا۔ اور ہر شخص قوم کی زبوں حالی کا مرثیہ پڑھے گا۔ بات بات پر حریص و گمراہ اور علماء کفر کے فتوے دیں گے۔ غرضیکہ کوئی بھی خدا کا بندہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہو گا۔ بلکہ ہر شخص یہ خیال کرے گا کہ سیدھے راستہ پر صرف میں ہی ہوں۔ میں ہی پکا مسلمان اور اسلام کا علم بردار ہوں۔ اور تمام مسلمان فاسق و فاجر بلکہ کافر ہیں (نعوذ باللہ)

اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمانوں میں نفاق پڑ جائے گا۔ مسلمانوں کی ہوا اُکھڑ جائے گی۔ اور وہ دنیا کی بدترین اور پسماندہ قوم بن کر رہ جائیں گے۔

یہ جو کچھ بھی میں نے بیان کیا ہے، کچھ اپنی طرف سے نہیں بلکہ احادیث مقدسہ اور مجتہدین عصر کے اقوال کا خاصہ بیان کیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کیوں خداوند جل اعلیٰ نے اس وقت جب کہ ان باتوں کی ضرورت نہ تھی، میری زبان سے نکلوا دیں۔

خیر! میں تو بیان کر رہا تھا کہ دشمنوں کی تعداد ہمارے مقابلے میں کچھ زیادہ نہیں ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہم خدا کو یاد کرتے ہیں۔ یقیناً وہ بھی ہم کو یاد رکھتا ہو گا۔ ہم کو اُس کی

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

ذات سے فتح کی اُمید ہے۔ اور انشاء اللہ ہم ضرور فتح یاب ہوں گے۔ میرا قیاس ہے کہ ہندو آج ہی جنگ کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ ان کو خوب معلوم ہے کہ ہم آج سفر کئے چلے آرہے ہیں۔ اور وہ آرام کر چکے ہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ آج یا جب کبھی بھی ہندو میدانِ جنگ میں نکلیں، ہمارا تمام لشکر اُن کے مقابلہ میں صف آرا ہو جائے۔ لیکن جب وہ حملہ آور ہوں تو ہمارا صرف ایک دستہ جس میں محض پانچ سو مجاہدین ہوں، اُن کا مقابلہ کرے۔ اگر خدانخواستہ وہ ختم ہو جائے یا شکست اُٹھا کر پیچھے آئے، تب دوسرا پانچ سو سواروں کا دستہ حملہ آور ہو۔ غرض یہ ہے کہ پانچ پانچ سو کے دستے بنا لئے جائیں۔ اور وہ حسبِ ضرورت باری باری حملہ کریں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اس طرح سے دشمنوں پر ہماری ہیبت چھا جائے گی۔ اور عجب نہیں کہ وہ خوفزدہ ہو کر بہت جلد میدانِ کارزار چھوڑ کر بھاگ نکلیں۔ اب یہ طے کرنا چاہئے کہ پہلا حملہ کون کرے گا؟''

ابھی سلطان خاموش ہوا ہی تھا اور اُس کے آخری فقرے فضا میں گونج ہی رہے تھے کہ پُرجوش اور شیر دل بہادر محمود نے کہا۔ ''ابا جان! سب سے پہلا حملہ کرنے کی مجھے اجازت فرمائیے!''

ہم بیان کر چکے ہیں کہ محمود سال خوردہ تھا۔ اُس کی عمر تیرہ چودہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ مگر اس عمر میں بھی وہ بڑا پُرجوش، جری، باہمت اور مستقل مزاج تھا۔ عربی مؤرخ اُس کی پیدائش کے متعلق یہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک زمانہ میں سبکتگین کے پاس سوائے ایک گھوڑے کے کچھ بھی نہ تھا۔ ایک روز وہ شکار کھیلنے کے لئے جنگلوں میں جا گھسا۔ دن بھر پھرتا رہا، مگر شکار ہاتھ نہ آیا تھا۔ شام کے وقت جب لوٹ رہا تھا تو اُس نے دیکھا کہ ایک ہرنی چر رہی ہے اور ایک چھوٹا سا بچہ کلیلیں کرتا پھر رہا ہے۔ اُس نے گھات لگا کر بچے کو پکڑ لیا اور اُسے گھوڑے پر لے کر بیٹھا اور چل پڑا۔

بے زبان ہرنی ڈکراتی ہوئی اُس کے پیچھے چل پڑی۔ سبکتگین پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتا جاتا تھا۔ جب وہ ہرنی سے آنکھیں چار کرتا تو اُس کی حسرت بھری نگاہیں اور پریشان حالت دیکھ کر اُس پر اثر ہوتا۔ آخر اُس نے ترس کھا کر بچے کو چھوڑ دیا۔ ہرنی بچے کو دیکھتے ہی خوش ہو گئی۔ اُس نے آسمان کی طرف دیکھا اور اپنے بچہ کو لے کر چلی گئی۔ وہ مڑ مڑ کر امیر سبکتگین کو دیکھتی جاتی تھی اور گاہے بگاہے آسمان کی طرف بھی دیکھ لیتی تھی۔

امیر سبکتگین واپس چلا آیا اور کھانا کھا کر سو رہا۔ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب وہ محض ایک غلام تھا اور اپنے آقا الپتگین کی خدمت میں رہتا تھا۔ جب وہ رات کا کھانا کھا کر سویا تو اُس نے خواب میں آنحضور ﷺ کی زیارت کی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ''اے ناصر الدین! تو نے ایک بیچارے بے کس، بے بس اور پریشان حال جانور پر رحم و شفقت کی ہے۔ خداوند عالم کو تیرا یہ عمل بہت پسند

1 سلطان نے یہ طے کیا تھا کہ پانچ پانچ سو کے دستے یکے بعد دیگرے حملہ کریں۔ (از تاریخ ہند صفحہ 196)

آیا ہے۔ لہٰذا پروردگار نے اپنے رحم و کرم کا دروازہ کھول دیا ہے۔ آج تو ایک غلام ہے۔ لیکن آج ہی تیرا نام شاہانِ زمان کی فہرست میں شامل کر لیا ہے۔ تجھے عنقریب سلطنت ملے گی اور تو مالک تاج و تخت ہو گا۔ تجھے چاہئے کہ بندگانِ خدا کے ساتھ بھی اسی طرح رحم اور مہربانی، شفقت اور ہمدردی سے پیش آئے جیسا کہ آج ہرنی کے ساتھ پیش آیا ہے۔ اور اس میں ہی تیری سعادت دارین کا راز پوشیدہ ہے۔''

حضورؐ تشریف لے گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد سبکتگین نے دیکھا کہ اُس کی کمر کے قریب سے ایک درخت پیدا ہو کر بڑھنا شروع ہوا اور بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھا کہ اُس کی شاخیں مغرب سے مشرق تک اور شمال سے جنوب تک حدِ نگاہ تک پھیل گئیں۔ ایک آواز آئی۔ ''یہ تیری اولاد ہے۔ جس طرح سے یہ درخت بڑھ کر پھیل گیا ہے اسی طرح سے تیرے بیٹے کی حکومت پھیل جائے گی۔''

جب امیر بیدار ہوا تو اُن خوابوں کو یاد کر کے بڑا خوش ہوا۔ خدا کی شان کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ غزنی کا سلطان بن گیا۔ (چونکہ ہم کو ناول طویل ہو جانے کا خدشہ ہے اس لئے ہم ناصر الدین کے سلطان بن جانے کی حال شرح نہیں لکھ سکتے۔ تاریخوں میں یہ حالات وضاحت سے لکھے ہوئے ہیں) سلطنت ملنے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُس کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اُس نے کہا کہ میرا بیٹا محمود الابتدا اور مسعود الانتہا ہے۔ اُس نے اس لئے اُس کا نام محمود ہی رکھا۔

محمود نے آٹھ دس سال کی عمر میں تمام فنونِ حرب سیکھ لئے تھے۔ تعلیم بھی حاصل کر لی تھی اور وہ اپنے باپ کے ساتھ مہمات پر جانے لگا تھا۔ نیز جوش و غضب سے بھر کر ایسا قدم بڑھاتا اور اس غیظ و غضب سے لڑتا کہ پرانے اور تجربہ کار سپہ سالار بھی اُسے دیکھ کر حیران رہ جاتے۔

سلطان نے محمود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے فرزند دلبند! پہلا حملہ کرنے کا ارادہ تم رکھتے ہو؟''

محمود: ''اعلیٰ حضرت سے میں ہی اوّل حملہ کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔''

سبکتگین: ''میرے ہونہار اور جانباز فرزند! میں تیرے اس دلیرانہ جوش و خروش کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا ہوں۔ آج میں تم کو ایک بات بتاتا ہوں۔''

محمود: ''فرمائیے!''

سبکتگین: ''مجھے خواب میں بشارت دی گئی ہے کہ یہ جو میرا فرزند جگر بند ہے، وہ بڑا زبردست بادشاہ ہو گا۔ تیرا جوش، تیرا عزم اور تیرا حوصلہ دیکھ کر اس بات کی تصدیق ہوئی ہے کہ تو مستقبل میں ایسا سلطان ہو گا جس کی دنیا تعریف کیا کرے گی۔ تاریخیں تمہارے کارناموں سے لبریز ہوں گی اور تو فخرِ اسلام کے نام سے یاد کیا جائے گا۔''

یہ سن کر فرطِ مسرت سے محمود کی آنکھوں سے آنسو چھلک آئے۔ اُس نے کہا۔ ''جب میرے قبلہ و کعبہ مجھ سے خوش ہیں تو خدا خود ہی خوش ہو گا۔ اور جب خدا خوش ہو گا تو کیا عجب ہے کہ میں

www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

ایسا جلیل القدر سلطان بن جاؤں جیسا کہ حضور نے فرمایا ہے۔"

سبکتگین: "یہی بات ہے کہ جب کسی اولاد سے اُس کے ماں باپ خوش ہوتے ہیں تو خدا بھی خوش ہو جاتا ہے اور اُن کی تمام آرزوؤں کو پورا کر دیتا ہے۔ لیکن جس بدبخت سے اُس کے والدین ہی ناراض ہو جائیں تو یقیناً اُس سے خدا بھی ناراض ہو جاتا ہے اور وہ انسان راندۂ بارگاہِ ایزدی دنیا میں بھی ذلیل وحقیر رہتا ہے اور عقبےٰ میں اُس کے لئے دوزخ منہ کھولے ہوئے اُسے نگلنے کے لئے تیار رہتی ہے۔ اچھا، میرے عزیز! میں اجازت دیتا ہوں کہ پہلا حملہ تم ہی کرنا۔"

یہ سبکتگین ہی کا دل گردہ تھا کہ اُس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو صرف پانچ سو سواروں کے ساتھ تین لاکھ ہندوؤں پر حملہ کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

محمود کے بعد فیروز الدین اور شمس الدین نے اپنے اپنے دستوں کے ساتھ حملہ کرنے کی اجازت چاہی اور سلطان نے اُنہیں بھی اجازت دے دی۔

اب سلطان کچھ کہنے ہی والا تھا کہ گھنٹوں اور ناقوسوں کی آواز آنے لگی۔ سلطان اور تمام مسلمانوں نے نظریں اُٹھا کر دیکھا تو ہندوؤں کا لشکر ایک سیلابِ بے تحاشہ کی مانند میدان میں بہا آرہا تھا۔

سلطان نے کہا۔ "ہندو میدان میں آرہے ہیں۔ تمام مسلمان بھی مسلح ہو کر میدانِ جنگ میں پہنچ جائیں۔"

اس حکم کو سنتے ہی مسلمان فوراً اُٹھے، اپنے اپنے خیموں میں پہنچے اور مسلح ہو کر میدانِ جنگ میں پہنچنے لگے۔

☆.....☆.....☆

چونکہ جے پال نے اعلان کرا دیا تھا کہ صبح سویرے ہی تمام لشکر مسلح ہو کر سورج دیوتا کی پوجا کرتے ہی میدانِ جنگ میں پہنچ جائے، اس لئے جب کہ سلطان اور مسلمان نماز پڑھ رہے تھے، راجپوت بیدار ہو کر ضروریات سے فراغت کر کے مسلح ہو گئے تھے۔ ہر سپاہی پیتل کی لٹیوں میں پانی بھر بھر کر مشرق کی طرف دیکھنے لگا تھا تاکہ آفتاب کے طلوع ہوتے ہی اُس کی پرستش کرے۔ اُن کے دیکھتے ہی دیکھتے مہرِ عالم تاب اُفقِ مشرق سے جھانکنے لگا۔ ایک سرخ گولہ یا سنہرا طباق سا نظر آیا جو رفتہ رفتہ اُونچا ہوتا جاتا تھا۔ جب وہ اُس جگہ سے جہاں زمین اور آسمان ملتے ہوئے نظر آتے تھے (اسی جگہ کو اُفق کہتے ہیں) ذرا اور بلند ہوا تو اُس کی سرخی تیز سنہرے پن سے بدل گئی۔ اور اب ترچھی شعاعیں پہاڑ کی چوٹیوں پر عکس فگن ہو گئیں۔ فوراً ہی گھنٹیاں بجائی جانے لگیں اور ہندو آفتاب کی پرستش کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ سب اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور سورج کی طرف منہ کر کے لٹیوں کا پانی دھار باندھ باندھ کر گرانے لگے۔

وہ آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے بھی جاتے تھے۔ یہ کام چند ہی منٹوں کا تھا اس لئے بہت جلد ختم ہو گیا۔ چونکہ ہندو مسلح پہلے ہی ہو چکے تھے اس وجہ سے اب سب سے پہلے پیدل پلٹنیں بڑھ کر میدانِ جنگ میں پہنچنے لگیں۔ اُن کے بعد رسالے مرتب ہو کر چلنے لگے۔

اب طبلِ جنگ پر چوب پڑی۔ گھنٹے، گھنٹیاں اور ناقوس وغیرہ بجائے جانے لگے۔ یہی وہ آوازیں تھیں جن کو مسلمانوں نے سنا تھا اور ہندوؤں کو میدانِ جنگ میں آتے دیکھ کر خود بھی مسلح ہو کر میدانِ کارزار میں جانے لگے تھے۔

ہندوؤں کے دستے اور رسالے پہلے ہی سے پہنچ چکے تھے۔ اُنہوں نے شمالاً جنوباً دور تک اپنی صفیں قائم کر لی تھیں۔

مسلمانوں نے بھی میسرہ، میمنہ، ساقہ اور قلب قائم کر کے اپنے تھوڑے سے لشکر کو دور تک پھیلا دیا تھا۔ میمنہ (دایاں بازو) میسرہ (بایاں بازو) سے اس قدر فاصلے پر تھا کہ غور سے دیکھنے پر بھی اُن کے سپاہی ایک دوسرے کو نظر نہ آتے تھے۔

دفعتہً ہندوؤں نے جے کارے لگائے اور اُن کے پیدلوں کو حرکت ہوئی۔ پیادہ پلٹنیں آہستہ آہستہ مسلمانوں کی طرف بڑھیں۔ ہندوؤں کا لشکر چونکہ زیادہ تھا، بلکہ بہت زیادہ۔ گویا پہاڑ کے یک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پھیلا ہوا تھا۔ حالانکہ دونوں طرف پہاڑ کی سیل کے اصلے پر تھے۔ جونہی ہندوؤں کی پیدل فوج نے بڑھنا شروع کیا، فوراً ہی غازی محمود اپنے پانچ سو

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

جانباز اور آزمودہ کار سواروں کو لے کر بڑھا۔ اسلامی علم اُس کے رکاب کی دیوار سے بندھا ہوا تھا اور اُس کا پھریرا بڑے رُعب داب اور تزک و احتشام سے لہرا رہا تھا۔ وہ اور اُس کے تمام سپاہی زرہ بکتریں پہنے اونچی بنے ہوئے ہتھیار لگائے ہندوؤں کی طرف بڑھ رہے تھے۔

اس عرصہ میں آفتاب بہت اُونچا ہوگیا۔ اُس کی شعاعیں سیدھی ہو کر متخاصمین کی زرہ بکتروں، ہتھیاروں اور گھوڑوں کے سازوں پر پڑ پڑ کر اُن کو جگمگانے لگیں۔ چونکہ ہندو ننگے بدن رہتے تھے اور اُن کا کوئی لباس نہ تھا اس لئے وہ صرف لوہے کی بکتریں اور خود (لوہے کی ٹوپیاں) پہنے تھے۔ ننگے پیر تھے۔

مسلمان عبائیں اور شلواریں پہنے ہوئے تھے جس سے اُن کی اچھی طرح سے ستر پوشی ہو جاتی تھی۔ اس لئے وہ زرہ بکتروں کے اُوپر اپنا قومی لباس پہنے ہوئے تھے۔ خود پر عمامے باندھے تھے اور پیروں میں جوتے تھے۔

جے پال مسلح نہیں ہوا تھا۔ غالباً اُسے یقین تھا کہ اُسے مسلح ہو کر میدانِ کارزار میں جانے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے گی۔ اور اس کا بے شمار لشکر ہی اُن مسلمانوں کا خاتمہ کر ڈالے گا۔ چنانچہ وہ ایک ریشمی دھوتی باندھے ہوئے تھا جو محض گھٹنوں تک تھی اور باقی تمام جسم ننگا تھا۔ اور بدن کے ننگے پن کے عیب کی پردہ پوشی کے لئے جسم کے گرد آبدار موتیوں کے ہار لپیٹ لئے گئے تھے۔ وہ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر ایک پہاڑی ٹیلے پر کھڑا ہوگیا۔ اُس کے پیچھے بہت سے افسر کھڑے تھے۔ جب راجہ ہی نیم برہنہ تھا تو وہ کیوں نہ ہوتے؟ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت تک ہندوؤں نے تمدن اور معاشرت میں کسی قسم کی ترقی نہ کی تھی۔ اور نہ ہی اُن کا کوئی لباس تھا، نہ وہ لباس کو جانتے اور سمجھتے تھے۔ جب جے پال نے شہزادہ محمود کو صرف پانچ سو سواروں کے ساتھ اپنے لشکر کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اُس نے اپنے افسروں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان لڑنا نہیں چاہتے۔''

افسر: ''ان داتا ٹھیک فرما رہے ہیں۔''

جے پال: ''یہ تھوڑا سا لشکر شاید صلح کی درخواست لے کر آ رہا ہے۔''

افسر: ''ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔''

جے پال: ''مگر میں ہرگز صلح نہ کروں گا۔''

افسر: ''بالکل نہیں کرنی چاہئے۔''

جے پال: ''غالباً سلطان ہمارا اتنا بڑا لشکر دیکھ کر کچھ گھبرا گیا ہے۔''

افسر: ''ضرور گھبرا گیا ہوگا۔ اُس کا خیال ہوگا کہ پہلے کی طرح ہم تھوڑا سا لشکر لے کر آئیں گے۔ لیکن اُسے یہ خبر نہیں ہے کہ ہم غزنی فتح کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔ تھوڑا سا لشکر کیوں لاتے؟''

جے پال: ''یہی بات ہے۔''

دوسرے افسر نے کہا۔ ''لیکن مہاراج! اگر وہ ہمارے آدمیوں کو چھوڑ دے جو اُس کے پاس بطور ضمانت کے بھیجے گئے تھے اور ہمارا سارا خرچ بھی دیدے تو صلح کر لینا ہمارے لئے مفید رہے گا۔''

جے پال نے غیظ و غضب بھری نظروں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں اور صلح کر لوں.....؟ کبھی یہ بات مجھ سے نہ کہنا۔ میں کسی قیمت پر بھی صلح کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔''

دوسرا افسر: ''مگر مہاراج! جب دشمن عاجزی کرے.....''

جے پال: ''یاد رکھو! جب دشمن دب جاتا ہے تو وہ اس لئے صلح کی کوشش کرتا ہے تاکہ اپنی زائل شدہ قوت پھر سے مجتمع کرے اور مزید طاقت سے مقابلہ کر سکے۔ اس وجہ سے دشمن کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہئے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ حتی الوسع اُسے کچل کر ہی رکھ دیا جائے۔''

پہلا افسر: ''اور جبکہ حضور غزنی فتح کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں.....!''

جے پال: ''یہی بات ہے۔ میں عزم کر چکا ہوں کہ سلطان کو شکست دے کر غزنی فتح کر کے رہوں گا۔ ہندوستان میں میری دھاک اُسی وقت بیٹھے گی جب کہ میں اسلامی دارالسلطنت پر قبضہ کر لوں گا۔''

دوسرا افسر: ''ان داتا! دھاک تو اس وقت بھی بیٹھ جائے گی جب کہ سلطان عاجز آ کر دب کر صلح کر لے گا۔''

جے پال: ''میرا بچن (عہد) تو اس سے پورا نہ ہوگا۔ میں اپنے دیس سے یہ اقرار کر کے آیا ہوں کہ غزنی فتح کئے بغیر نہ رہوں گا۔ اگر میں صلح کر کے چلا جاؤں تو میری پرجا مجھے کیا کہے گی؟ یہی نا کہ میں جھوٹا ہوں اور میرے عہد و اقرار کی کوئی وقعت نہیں ہے۔''

پہلا افسر: ''یہی بات ہے حضور!''

جے پال: ''میں کسی طرح سے بھی گوارہ نہیں کر سکتا۔ وہ آدمی ہی کیا ہے جو اپنے عہد و اقرار کو پورا نہ کرے؟''

دوسرا افسر: ''لیکن ابھی چند ہی روز ہوئے کہ حضور نے اسی میدان میں سلطان سے زرتاوان کی ادائیگی پر صلح کی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ وہ اقرار تو آپ نے پورا نہ کیا۔''

جے پال سخت غضبناک ہوگیا۔ اُس نے قہر آلود نگاہوں سے افسر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو کہتا ہے.....؟''

جے پال فرطِ غیظ و غضب سے کانپنے لگا۔ افسر لرز گیا۔ مگر وہ سنبھلا اور اُس نے کہا۔ ''حضور! میں خود نہیں کہہ رہا ہوں، نہ میری ایسی مجال ہو سکتی ہے۔''

جے پال نے کڑک کر کہا۔ ''پھر کون کہتا ہے؟''

دوسرا افسر: ''ساری پرجا۔''

جے پال نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ''جھوٹے مکار! تو خود ہی کہہ رہا ہے۔ میں ہر اُس شخص کو

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

قتل کرا دوں گا جو مجھ پر کسی قسم کا الزام لگانے کی جرات کرے گا۔"

افسر یہ سن کر کانپ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ شاید اُس کی زندگی کا آخری دن آ گیا ہے۔ اُس نے کہا۔ "مہاراج! میں خطا کار نہیں ہوں۔"

جے پال: "اور کس کی خطا ہے؟"

دوسرا افسر: "جب سے لشکر پشاور سے آگے بڑھا ہے، اُسی وقت سے اکثر سردار اسی قسم کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔"

جے پال: "اُن سب کے نام بتاؤ! میں اُن سب کو سزا دوں گا۔"

ایک بڈھے افسر نے کہا۔ "مہابلی راجہ! ابھی ان گستاخوں کی گستاخی کا خیال نہ فرمایئے۔ پہلے جنگ میں کامیاب ہونے دیجئے۔ پھر ان زبان درازوں کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ حضور نے جو کچھ کیا تھا، وہ ملک وقوم کی بہتری کے لئے کیا تھا نہ کہ اپنی جان بچانے کے لئے۔"

جے پال: "یہ بات کہی ہے تم نے۔ تم تو اس بات کو خوب سمجھ گئے ہو نا؟"

بڈھا: "میں تو اُسی وقت سمجھ گیا تھا، جب حضور نے صلح کی تھی۔"

جے پال: "مگر یہ بد اندیش لوگ......؟"

بڈھا: "ابھی تک بھی نہیں سمجھے۔ لیکن سمجھ جائیں گے حضور!"

جے پال: "اگر یہ ایسے کوڑھ مغز ہیں کہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتے تو کم سے کم خاموش ہی رہیں۔"

بڈھا: "ان میں اتنی عقل کہاں ہے حضور؟ یہ لوگ کیا جانیں کہ کون سا اقرار پورا کرنے کے قابل ہوتا ہے اور کون سا نہیں؟"

جے پال: "مگر جب اُن کو سزا دی جائے گی......؟"

بڈھا: "مگر حضور بڑے رحم دل ہیں۔ ہمیشہ حضور ایسے نادانوں کو معاف کرتے ہیں۔ لہٰذا اب بھی معاف کر دیجئے۔"

جے پال: "خیر! تمہارے کہنے سے معاف کئے دیتا ہوں۔ لیکن آئندہ کبھی معاف نہ کروں گا۔"

بڈھا: "آئندہ ان کو ایسی جرات ہی نہ ہوگی۔"

جے پال کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ میدانِ جنگ میں شور و غل کی آواز بلند ہوئی۔ سب حیران ہو کر اُس طرف دیکھنے لگے۔

☆......☆......☆

جے پال اور اُس کے پاس کھڑے ہوئے افسروں نے دیکھا کہ وہ تھوڑے سے مسلمان جنہیں وہ صلح کے پیامبر سمجھتے تھے، تلواریں سونتے ہوئے لڑائی پر آمادہ کھڑے نظر آ رہے ہیں۔ وہ یہ منظر دیکھ کر ورطۂ حیرت میں غرق ہو گئے۔ جب ذرا اُن کی حیرت دور ہوئی تو جے پال نے کہا۔ "ہمارا خیال غلط نکلا۔ یہ لوگ صلح کرنے کے لئے نہیں، بلکہ لڑنے کے لئے آ رہے تھے۔"

ایک افسر نے کہا۔ "مجھ کو تو بڑی حیرت ہو رہی ہے۔ کس قدر دلیر ہیں یہ لوگ۔"

جے پال نے بگڑ کر کہا۔ "کیا دلیری اسی کو کہتے ہیں؟ یہ تو حماقت ہے کہ پہاڑ میں ٹکر مارنے سے سر پھٹے گا یا پہاڑ ٹوٹے گا۔"

دوسرا افسر: "پہاڑ کیا ٹوٹے گا، سر ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔"

جے پال: "اسی طرح سے یہ لوگ بھی مرنے کے لئے ہی ہمارے سامنے آئے ہیں۔ دیوتاؤں نے ان مسلمانوں کی عقل ضائع کر دی ہے۔ اچھا ہے یہ تھوڑے تھوڑے آ کر قتل ہو جائیں۔"

تیسرا افسر: "مگر میرا اور خیال ہے حضور!"

جے پال: "کیا؟"

تیسرا افسر: "شاید سلطان کسی اور لشکر کے آنے کا انتظار کر رہا ہے۔ اس لئے وہ تھوڑے تھوڑے آدمی میدان میں بھیج کر جنگ کو طول دینا چاہتا ہے۔"

جے پال: "ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ لیکن نئے لشکر کے آنے سے پہلے ہی ہم اس لشکر کا خاتمہ کر ڈالیں گے۔ ٹھہرو...... دیکھو! جنگ شروع ہو گئی ہے اور بہادر راجپوتوں نے حملہ کر دیا ہے۔"

جے پال نے ٹھیک کہا تھا۔ راجپوتوں نے شہزادہ محمود کے دستہ پر حملہ کر دیا تھا اور محمود نے اپنے زیر کمان لشکر کی دو لمبی صفیں قائم کر دی تھیں اور دونوں صفیں دُور تک پھیل گئی تھیں۔

اُن تھوڑے سے مسلمانوں کو دیکھ کر جے پال کی طرح راجپوتوں نے بھی یہی سمجھا تھا کہ وہ صلح کی درخواست لے کر آئے ہیں۔ اور اسی لئے اُنہوں نے کوئی حرکت نہ کی تھی، بلکہ جس جگہ کھڑے تھے، خاموش اُسی جگہ کھڑے رہے تھے۔ چنانچہ محمود نے بڑھ کر جب اُن کے سامنے صفیں قائم کر لیں اور آمادہ جنگ ہو گیا، تب اُن میں سے ایک افسر نے آگے بڑھ کر اُس سے دریافت کیا۔ "کیا کہنے کے لئے آئے ہو تم؟"

محمود نے خود ہی جواب دیا۔ "کچھ نہیں...... ہم لڑنے کے لئے آئے ہیں۔"

یہ سن کر فرطِ استعجاب سے اُس افسر کا منہ کھلا ہی رہ گیا تھا۔ وہ دیر تک بحرِ حیرت میں غوطے کھاتا رہا۔ آخر کچھ دیر کے بعد سنبھلا اور متحیرانہ انداز سے محمود کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اچھا...... لڑنے کے لئے آئے ہو تم؟"

محمود: "ہاں!"

افسر: "اتنا تھوڑا لشکر لے کر؟"

محمود: "اگر خدا نے چاہا تو اس تھوڑے سے لشکر سے تمہیں شکست دوں گا۔ تم شاید میرا نام نہیں جانتے۔"

افسر: "اوہ...... تمہارا نام کچھ بھی ہو، مگر تمہاری عمر لڑنے کی تو کیا، محلوں سے باہر آنے کی بھی نہیں ہے۔"

محمود نے جوش میں آ کر کہا۔ "میں مسلمان ہوں۔ مسلمانوں کی اولاد تلواروں کے سائے میں

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

پلٹی ہے۔ ہم میدانِ جنگ کو بازیچہ اطفال اور لڑائی کو ایک دلچسپ کھیل سمجھتے ہیں۔"

افسر: "یہ محض شیخی ہے۔ اور تم کو اس شیخی کا انجام بھی معلوم ہو جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے افسر لوٹنے لگا۔

محمود نے کہا۔ "ٹھہرو! واپس جانے سے پہلے میرا نام سن لو۔"

افسر ٹھہر گیا اور اُس نے کہا۔ "بتاؤ! تم کون ہو؟ تمہارا کیا نام ہے؟"

محمود: "میں سلطان کا فرزند ہوں۔ محمود میرا نام ہے۔ تمہارا راجہ جے پال مجھے خوب جانتا ہے۔ وہ دھوکہ دے کر ایک مرتبہ جان بچا کر لے گیا تھا۔ لیکن انشاء اللہ اس مرتبہ اس جھوٹے، مکار اور مغرور کا سر ٹھوکروں سے پاش پاش کر دیا جائے گا۔"

افسر کو یہ بات سن کر بڑا غصہ آیا۔ اُس نے جواب تو کچھ نہ دیا، البتہ پیچھے ہٹتے ہوئے اپنے سپاہیوں سے کہا۔ "بہادر راجپوتو! یہ مٹھی بھر مسلمان تمہارے سامنے تم کو شکست دینے کے لئے آئے ہیں۔ بڑھو! اور ان مغروروں کے سر کاٹ کر اپنے گھوڑوں کے سموں کے تلے روند ڈالو!"

افسر کا یہ حکم سنتے ہی تمام راجپوتوں نے جے کارے لگائے۔ تلواریں سونت لیں اور قدم قدم آگے بڑھنے لگے۔

اُدھر سے مسلمانوں نے بھی تلواریں کھینچ لیں اور وہ اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ جب راجپوت بڑھ کر اُن کے قریب آ جائیں اور حملہ کریں تو وہ بھی یورش کر دیں۔ آخر راجپوت بڑھتے بڑھتے مسلمانوں سے جا ٹکرائے۔ اُنہوں نے صاف اور شفاف تلواریں بلند کیں اور نہایت زور و شور سے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے اُن کا حملہ ڈھالوں پر روکا اور پھر خود بھی اس زور سے حملہ کیا کہ راجپوتوں کی پیش قدمی رُک کر جنگ شروع ہو گئی.....

چونکہ فریقین جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے اس لئے جلد جلد حملے کرنے لگے تھے۔ تلواریں جگمگاتی ہوئی اُٹھ اُٹھ کر جھک رہی تھی۔ سیاہ ڈھالیں، تلواروں کو روکنے کے لئے بلند ہو رہی تھیں۔ راجپوتوں نے چیخ چیخ کر جے کارے لگانے شروع کر دیئے تھے۔ اُن کی پُرشور آوازوں سے میدان گونجنے لگا تھا۔ وہ غل تو زیادہ مچا رہے تھے مگر تلواریں کم چلا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو محض شور و غل کر کے ہی مرعوب کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مسلمان اگر ڈرتے تو حملہ ہی کیوں کرتے؟ وہ خاموش تھے۔ بالکل چپ اور اپنی ساری طاقت حملے روکنے اور خود حملے کرنے میں صرف کر رہے تھے۔ مار دھاڑ شروع ہو گئی تھی..... اور صاف شفاف تلواریں سرفروشوں کے خون سے سرخ ہونے لگی تھیں اور سرخ سرخ خون میں ڈوب کر اُٹھنے اور خون کے چھینٹے برسانے لگی تھیں۔ سر و تن کے فیصلے شروع ہو گئے تھے۔ ہاتھ اور پیر کٹ کٹ کر گرنے لگے تھے۔ خون کے فوارے اُچھلنے لگے تھے۔ چیخ و پکار شروع ہو گئی تھی۔ شور دم بدم ہونے لگا تھا اور وہ مختصر میدان جس میں مسلمان پھیلے ہوئے تھے، مقتل بن گیا تھا۔ راجپوت مسلمانوں میں گھس گئے تھے اور بڑے جوش و خروش سے حملے کر رہے تھے۔ اب اُن کی تلواریں بھی جلد جلد اُٹھنے اور

مسلمانوں کو قتل کرنے لگی تھیں۔ مسلمان بھی غیظ و غضب میں آ کر جوش و طیش سے بل کھا کر حملے کر رہے تھے۔ اُن کے حملوں کی شان ہی نرالی تھی۔

وہ جس طرف حملہ کرتے تھے، اُسی طرف قتلِ دعام کرتے چلے جاتے تھے۔ جس صف پر ٹوٹتے تھے، اُسے درہم برہم کر ڈالتے تھے۔ اُنہوں نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے تھے اور خون کا ایک دریا بہا دیا تھا۔ بہادر سرفروشوں کے سر گھوڑوں کے پاؤں سے کچلے جا رہے تھے اور جسم ریزہ ریزہ ہو رہے تھے۔ گویا خون آشام جنگ اپنے پورے شباب پر تھی..... ہر طرف سرگیندوں کی طرح اُچھل اُچھل کر گر رہے تھے۔ موت کا بازار گرم ہو رہا تھا اور انسانی خون پانی کی طرح بے دریغ بہایا جا رہا تھا۔

راجپوت مسلمانوں کو قتل کر ڈالنے اور پیچھے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور مسلمان تھے کہ پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتے تھے بلکہ راجپوتوں کو ہی ختم کر ڈالنے کی فکر میں مصروف تھے۔ اس وجہ سے آسمائے جنگ نہایت سرعت سے گھوم رہی تھی۔ شعلہ کارزار بھڑک رہے تھے۔ لوگ لڑائی میں اس قدر محنت و مشقت کر رہے تھے کہ باوجود سرد مقام اور سردیوں کا موسم ہونے کے اُنہیں پسینہ آ گیا تھا۔

یوں تو ہر مسلمان شیر بنا ہوا جنگ کر رہا تھا۔ مگر نہایت زیادہ جوش اور جرات، دلیری و ہمت سے شہزادہ محمود لڑ رہا تھا۔ وہ کمسن تھا اور اُس کی نس نس میں جوش و دلیری بھری ہوئی تھی۔ وہ ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لئے حملے کر رہا تھا اور دشمنوں کے سر اُڑاتا پھر رہا تھا۔ سلطان کا وہ مایہ ناز فرزند جس طرف جاتا تھا، مُردوں کے ڈھیر لگا دیتا تھا۔ اُس نے اکثر و بیشتر ڈھالوں کو پھاڑ دیا تھا۔ گھوڑوں کی گردنوں کو اُڑا دیا تھا اور سپاہیوں کے سر کاٹ دیئے تھے۔ راجپوت اُسے لڑتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اُس کا چہرہ جوش و جلال سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں سے چنگاریاں سی برس رہی تھیں۔ وہ لڑ رہا تھا نہایت غیظ و غضب سے..... بڑی دلیری اور شجاعت سے۔

راجپوت چاہتے تھے کہ اُسے زندہ میں لے کر مار ڈالیں یا کم از کم گرفتار ہی کر لیں۔ اس لئے وہ بڑھ بڑھ کر اُس پر حملے کر رہے تھے۔ مگر اُس کا رسالہ اُس کے جلو میں تھا۔ وہ اُس کی حفاظت کر رہا تھا۔ وہ ہر اُس شخص کو مار ڈالتا تھا جو اُس شیر دل کے پاس پہنچنے کی جرات کرتا تھا۔ اِدھر سے اُس کے رسالے والے اور سامنے سے محمود راجپوتوں پر حملے کر کر کے اُن کو موت کے گھاٹ اُتار رہے تھے۔

وقت گزر رہا تھا۔ صبح سے دوپہر اور دوپہر سے تیسرا پہر ہو گیا۔ اتنا بڑا وقفہ صرف پانچ سو مسلمانوں کو لڑتے ہوئے ہو گیا تھا اور ابھی تک وہ نہ تھکے تھے اور نہ ہی قتل ہوئے تھے۔ بلکہ برابر اسی جوش و خروش سے لڑ رہے تھے اور نہایت غیظ و غضب سے حملے کر کر کے دشمنوں کو ٹھکانے لگا رہے تھے۔

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

اس میں شک نہیں کہ محمود کے رسالے پر تمام راجپوتوں نے حملہ نہ کیا تھا۔ مگر پندرہ بیس ہزار سپاہیوں نے ضرور یورش کی تھی اور اُن کو گھیر کر قتل کرنے کی فکر میں تھے۔ لیکن اس وقت تک اس بات کی نوبت نہ آئی تھی۔

مسلمان اگرچہ تھوڑے تھے۔ مگر اُن میں جوش و جرات بہت زیادہ تھی۔ وہ بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے اور راجپوتوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کاٹ کر ڈال رہے تھے۔ راجپوت بھی کمال جوش سے لڑ رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ بھی کسی نہ کسی مسلمان کو قتل کر ڈالتے تھے۔ مگر یہ موقع شاذ و نادر ہی آتا تھا۔

راجپوتوں کے ایک افسر نے محمود کو تاکا۔ وہ گھوڑا بڑھا کر اُس کے سامنے پہنچا۔ محمود نے بھی اُسے دیکھ لیا۔ وہ خود بھی شیر کی طرح اُس کی طرف جھپٹا۔ راجپوت افسر نے پہلے حملہ کر کے اُس کا خاتمہ کر ڈالنے کے ارادے سے اُس پر جلدی سے حملہ کر دیا۔ محمود نے اُس کا حملہ ڈھال پر روک کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور ساتھ ہی ایک غضبناک حملہ کر دیا۔ اس نعرے کی آواز سنتے ہی مسلمانوں نے مل کر اللہ اکبر کا پُرشور نعرہ لگایا۔ اس نعرہ کی آواز سن کر راجپوت افسر سہم گیا اور گھبرائے ہوئے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ محمود کے لئے صرف اتنا ہی وقفہ کافی تھا۔ اُس نے بڑھ کر حملہ کیا۔ پوری قوت سے تلوار ماری۔ وار کاری پڑا اور راجپوت کا سر کٹ کر اُچھلا اور اُچھل کر دُور جا گرا۔ یہ دیکھ کر راجپوتوں کو جوش اور غصہ آ گیا اور اُنہوں نے نہایت سختی سے محمود پر حملہ کر دیا۔ محمود کے رسالے نے بھی نہایت سرعت سے حملے کر کے اُن کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں آفتاب غروب ہو گیا۔ اگرچہ سرفروش ابھی لڑنا چاہتے تھے۔ مگر اندھیرا بڑھتا جاتا تھا۔ اس لئے مجبوراً وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ راجپوت اپنے خیموں کی طرف لوٹ گئے اور مسلمان اپنے لشکر کی طرف واپس آ گئے۔

اگرچہ آج فتح ظفر کسی فریق کو بھی نصیب نہ ہوئی تھی مگر نقصان راجپوتوں کو زیادہ اُٹھانا پڑا۔ اُن کے ہزاروں آدمی مارے گئے۔ مسلمان بہت ہی کم شہید ہوئے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو ایک یہ فائدہ بھی ہوا کہ اُن کی دھاک راجپوتوں پر بیٹھ گئی اور وہ اُن کی دلیری کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

☆.....☆.....☆

منصور، عزالدین اور اُس کے پچاس ہمراہی مسلمان تیج سنگھ، منورما، رادھا اور چند اور راجپوتوں کے ساتھ چل کر لاہور کے قلعہ سے باہر نکل آئے تھے۔ اس وقت چاند اس قدر اُونچا ہو گیا تھا کہ ہر طرف اور ہر چیز پر چاندنی نے سفید چادر پھیلا دی تھی۔ ٹھنڈی دُھوپ کی طرح سفید چاندنی بکھری پڑی تھی جو کہ نہایت ہی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ چاندنی میں ہر چیز چمک رہی تھی۔ وہ سوار جو اُن سے پہلے روانہ ہوئے تھے، سامنے چلے جا رہے تھے۔ تیج سنگھ کو خوب معلوم تھا کہ راجپوتوں کا لشکر کوچ کر رہا تھا۔ متفرق طور پر رسالے روانہ ہو رہے ہیں۔ ان کے بعد بھی فوجی

دستے آئیں گے۔ اس لئے اُس نے قلعہ سے کچھ آگے بڑھ کر چلتے ہوئے ہی عزالدین سے کہا۔

"ہمارے پیچھے بھی راجپوتوں کا لشکر آنے والا ہے۔ اور آگے بھی جا رہا ہے۔ خوف ہے کہ کہیں کوئی ہم کو دیکھ کر پہچان نہ لے۔"

عزالدین نے کہا۔ "میں بھی اس وقت یہی سوچ رہا ہوں۔"

تیج سنگھ: "اگر پہچان لئے گئے تو بڑی مشکل ہو گی۔"

عزالدین: "بے شک وہ پہچانتے ہی ہم کو گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس وقت تک وہ ہم کو نہیں پکڑ سکتے جب تک ہمارے بازوؤں میں قوت اور ہاتھ میں تلوار ہے۔"

منصور نے کہا۔ "مجھے سب سے زیادہ ناگوار نیم برہنہ ہو کر چلنا گزر رہا ہے۔ شرم و ندامت سے گنا جا رہا ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ فوراً کپڑے پہن لوں۔"

تیج سنگھ: "کہیں ایسی غلطی نہ کر بیٹھنا۔"

منورما نے منصور کی طرف دیکھتے ہوئے معصومانہ انداز سے کہا۔ "کیوں شرم محسوس ہو رہی ہے آپ کو؟"

منصور نے اُس پری جمال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس لئے کہ ہم مسلمان کبھی نیم برہنہ نہیں رہتے۔"

منورما: "مگر تم مرد ہو۔ مردوں کو کیا شرم ہے؟"

منصور: "تمہاری قوم میں جس قدر عورتوں کو شرم ہے، اُسی قدر ہماری قوم میں مردوں کو شرم ہے۔"

منورما: "اور عورتوں کے لئے؟"

منصور: "اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اُن کی آنکھوں اور کلائیوں کے سوا جسم کا کوئی حصہ بھی کھلا ہوا نہیں رہ سکتا۔"

عزالدین نے تیج سنگھ سے کہا۔ "منصور ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص کو شرم محسوس ہو رہی ہے۔ کیا قریب کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کچھ دیر کے لئے چھپ جائیں؟"

تیج سنگھ: "ہمیں دریا کے چڑھاؤ کی طرف چلنا چاہئے۔ اگر ہم دو تین میل نکل گئے تو یقین ہے کہ کہیں چھپنے کا موقع مل جائے گا۔"

عزالدین: "تو پھر اسی طرف چلئے۔"

تیج سنگھ: "میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ہمارے پیچھے تو کوئی دستہ نہیں آ رہا ہے؟"

منصور: "میں نے دیکھ لیا۔ اس وقت کوئی بھی سوار نہیں آ رہا ہے۔"

تیج سنگھ نے پلٹ کر دیکھا۔ قلعہ کے دروازے تک صاف میدان پڑا ہوا تھا۔ اُس نے کہا۔ "بے شک کوئی نہیں آ رہا ہے۔ آیئے! ذرا تیزی سے چلئے۔"

اب اُنہوں نے راستہ چھوڑ دیا اور دریا کے کنارے کنارے ذرا تیزی سے چل پڑے۔ لیکن

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

راستہ نہایت ہی ناہموار تھا۔ جگہ جگہ پانی نے کٹاؤ کر رکھا تھا۔ مشکل سے یہ لوگ چلے جا رہے تھے۔ کچھ دُور چل کر یہ لوگ درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو گئے۔ مختلف قسم کے چھوٹے بڑے درخت دُور تک کھڑے ہوئے تھے۔ جوں جوں یہ آگے بڑھتے گئے، درخت اور گنجان ہوتے گئے۔ دوسرے جگہ کچھ ایسی آ گئی جس میں اس قدر نشیب تھا کہ وہاں چھپنے والوں کو کوئی مشکل سے ہی دیکھ سکتا تھا۔

تیج سنگھ نے یہاں پہنچ کر کہا۔ ''بس! یہاں ٹھہر جانا چاہئے۔''

عزالدین: ''بالکل ٹھیک ہے۔ یہ جنگل تو ایک بڑے لشکر کو چھپا سکتا ہے۔''

تیج سنگھ: ''یہی بات ہے۔ اس طرف راجپوت آتے بھی کم ہیں۔''

وہ لوگ گھوڑوں سے اُترے۔ تمام مسلمانوں نے فوراً ہی کپڑے پہنے اور اس تلاش میں لگ گئے کہ کوئی ایسی صاف جگہ مل جائے جہاں تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام کر لیں۔

تھوڑی سی جستجو کے بعد چند ہی قدم کے فاصلے پر درختوں سے گھرا ہوا ایک صاف میدان مل گیا۔ اگرچہ یہ میدان مختصر تھا لیکن پھر بھی دو سو اڑھائی سو آدمی اس میں سما سکتے تھے۔ تمام میدان میں ہری ہری گھاس کھڑی تھی۔ عزالدین نے کہا۔ ''یہ جگہ آرام کرنے کے لئے مناسب ہے۔''

تیج سنگھ: ''ہاں! ٹھیک ہے۔ ہمیں بقیہ رات اور سارا دن یہیں چھپے رہنا چاہئے۔''

عزالدین نے حیرت بھری نظروں سے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''سارا دن بھی..... یہ کیوں؟''

تیج سنگھ: ''اس لئے کہ دن کو مہاراج کا لشکر کوچ کرے گا۔ نہیں کہا جا سکتا، کس وقت تک کوچ کرتا رہے۔''

عزالدین: ''تب تو مجبوراً ہمیں آئندہ رات تک چھپے رہنا پڑے گا۔''

تیج سنگھ: ''جی ہاں!''

عزالدین: ''اچھا..... گھوڑوں کو چرنے کے لئے چھوڑ دو۔ اور صرف دو آدمی پہرے پر رہیں۔ باقی سب آرام کر لیں۔''

سب گھوڑوں سے نیچے اُتر آئے۔ اُنہوں نے زین اُتار لئے اور گھوڑے چرنے کے لئے چھوڑ دیئے۔ تیج سنگھ نے ایک صاف سی جگہ پر دو اُونی شال بچھا دیئے اور اُن پر منورما اور رادھا بیٹھ گئیں۔ اُن سے ذرا فاصلے پر راجپوت اور مسلمان محفوظ طور پر گھاس ہی پر پڑ گئے۔ دو مسلمان تلواریں ہاتھوں میں لئے ہوئے پہرہ دینے لگے۔

کچھ دیر کے بعد منورما اور رادھا بھی لیٹ گئیں اور یہ سب سو گئے۔ جب صبح کے آثار ظاہر ہونے لگے تو جو مسلمان پہرہ دے رہے تھے، وہ دریا پر پہنچے اور وضو کر کے آتے ہی اُنہوں نے اذان دے دی۔ اذان کی آواز سنتے ہی تمام مسلمان کلمہ پڑھ کر اُٹھ بیٹھے اور ضروریات سے فراغت کر کے وضو کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔

جس جگہ اُنہوں نے رات گزاری تھی، وہ عین لب دریا تھی۔ اُس جانب بہت تھوڑے درخت تھے۔ اُن میں سے جھانک کر دیکھنے سے دریا کا پانی بہتا ہوا صاف نظر آتا تھا۔

وضو کر کے یہ سب واپس آئے اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھنے لگے۔ اس عرصہ میں راجپوت بھی بیدار ہو گئے تھے۔ منورما اور رادھا بھی اُٹھ بیٹھی تھیں اور وہ سب حیرت انگیز نظروں سے مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھ رہے تھے۔

جب یہ سب نماز سے فارغ ہو گئے، تب راجپوت ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے چلے گئے۔ منورما اور رادھا بھی ایک طرف چلی گئیں۔ تمام ہندوؤں نے ضروریات سے فرصت پاتے ہی غسل کیا۔ منورما اور رادھا نے بھی ایک طرف بیٹھ کر اشنان کیا، دھوپ میں کھڑی ہو کر بال سکھائے اور ساڑھیاں کر کے وہیں آ گئیں جہاں ہندو اور مسلمان جمع تھے۔

کچھ دیر تک تو یہ لوگ بیٹھے رہے صاف اور کھلے میدان میں۔ مگر جب آفتاب بلند ہو گیا اور دھوپ میں تیزی آ گئی تو یہ سب درختوں کے سایہ میں جا بیٹھے۔ عزالدین نے تیج سنگھ سے کہا۔ ''ان لڑکیوں کو کھانے کی ضرورت ہو گی۔ جو مرد ہیں وہ تو بھوک برداشت کر لیں گے۔ مگر ان سے نہ ہو سکے گی۔ کھانے کا کیا انتظام کرنا چاہئے؟''

تیج سنگھ: ''سردست تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہم میں سے کوئی بھی قلعہ میں واپس نہیں جا سکتا۔ نقاروں اور سنکھوں کی آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی راجپوتوں کا لشکر برابر جا رہا ہے۔''

عزالدین بھی خاموش ہو گیا۔ جب دوپہر ڈھلنے لگی، تب منصور، عزالدین اور تیج سنگھ چل کر جنگل کے کنارے پر پہنچے اور چھوٹے چھوٹے درختوں کے پیچھے بیٹھ کر اُن کی شاخیں ہٹا کر جھانکنے لگے۔ اُس جگہ سے قلعہ اور قلعہ کے سامنے والا میدان بخوبی نظر آ رہا تھا۔ وہ تمام راستہ جو یہاں میں سے ہو کر گزرتا تھا، راجپوت سپاہیوں سے بھرا ہوا تھا اور رسالے قلعے سے نکل نکل کر کوچ کر رہے تھے۔

وہ لوگ دیر تک بیٹھے ہوئے دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ تمام لشکر کوچ کر گیا اور اب میدان میں سوائے گرد و غبار کے کچھ بھی باقی نہ رہا۔

عزالدین نے کہا۔ ''تیج سنگھ! معلوم ہوتا ہے کہ اب تمام لشکر کوچ کر گیا ہے۔''

تیج سنگھ: ''خیال تو ایسا ہی ہوتا ہے۔''

عزالدین: ''کیا اب ممکن نہیں ہے کہ دونوں معصوم اور کمسن لڑکیوں کے لئے کچھ کھانا میسر ہو سکے؟''

تیج سنگھ: ''کھانا اُس وقت تک ناممکن ہے، تاوقتیکہ ہم قلعے میں نہ جائیں۔ اور قلعے میں جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔''

عزالدین: ''لیکن میں اس بات کو کیسے برداشت کر لوں کہ وہ بھوکی رہیں؟''

تیج سنگھ: ''اس کا احساس تو مجھ کو بھی ہے۔ مگر کیا کروں؟ مجبوری ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

عزالدین: ''کیا قریب کوئی آبادی نہیں ہے؟''

تیج سنگھ: ''خوب یاد آیا۔ اس جنگل کے دوسری طرف چند جھونپڑیاں پڑی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہاں سے کچھ کھانے کا سامان مہیا ہو سکے۔''

عزالدین: ''تو کوشش کیجئے۔''

تیج سنگھ: ''میں ابھی دو تین آدمیوں کو بھیجتا ہوں۔''

اب یہ سب لوگ واپس لوٹ کر اُس جگہ آئے جہاں اور سب لوگ موجود تھے۔ تیج سنگھ نے یہاں آتے ہی دو راجپوتوں کو کھانا لانے کے لئے بھیج دیا۔ سنورما اور رادھا دونوں مردوں سے علیحدہ گھاس پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اگر چہ وہ چاہتی تھیں کہ دیکھنے والوں کو اُن کے چہرے بشاش معلوم ہوں۔ لیکن صبح سے اُنہوں نے کھانا نہیں کھایا تھا اور نہ کچھ پیا تھا۔ اس لئے بھوک اور پیاس سے اُن کے چہرے کملا گئے تھے۔ ہونٹ خشک ہو گئے تھے اور اُن کی پژمردہ صورتیں دیکھ کر سب ہی کو اُن پر ترس آ رہا تھا۔ وہ اس بات کو سمجھ گئیں تھیں کہ مرد اُن کو ہمدردانہ نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے اُنہوں نے آپس میں ہنس ہنس کر باتیں کرنا شروع کر دیں تا کہ ان کو دیکھنے والے سمجھ لیں کہ بھوک اور پیاس نے ان کو پریشان نہیں کیا ہے۔

مسلمان عرصہ ہوا، ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے۔ آفتاب اپنی منزلیں طے کرتے ہوئے مغرب کی طرف جھک گیا تھا۔ چار گھڑی دن باقی رہ گیا تھا۔ اب مسلمانوں نے عصر کی نماز پڑھی۔ جب وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے، تب دونوں راجپوت ٹوکروں میں کھانا وغیرہ لے کر آئے۔ یہ پوریاں تھیں اور کچھ کدو وغیرہ کی ترکاری بھی۔

چونکہ کھانا کافی تھا اس لئے سب کو تقسیم کر دیا گیا۔ البتہ سنورما اور رادھا کو زیادہ دیا گیا۔ سب نے کھانا کھا کر پانی پیا۔ اب عزالدین نے کہا۔ ''ہم کو دن چھپتے ہی سفر شروع کر دینا چاہئے۔''

تیج سنگھ: ''بے شک...... اب یہ خوف نہیں رہا کہ ہمارے پیچھے کوئی لشکر آ سکے گا۔''

دن چھپنے میں دیر تھی ہی کیا؟ تھوڑے ہی عرصے میں آفتاب غروب ہو گیا۔ مسلمانوں نے مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھتے ہی گھوڑوں پر زین کسے اور جنگل میں سے نکل کر پشاور کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆......☆......☆

چونکہ یہ لوگ ذرا تیزی سے روانہ ہوئے تھے۔ اس لئے جب صبح ہوئی تو وہ اُس مقام پر جا پہنچے جہاں جے پال کا لشکر مقیم تھا۔ یہ لوگ اُن سے فاصلہ پر درختوں میں جا چھپے اور لشکر کے کوچ کرنے کا انتظار کرنے لگے۔ آفتاب طلوع ہوتے ہی سپاہی مسلح ہوئے اور چل پڑے۔ جب تمام لشکر کوچ کر گیا، تب اُنہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور نہایت بے فکری سے آرام کرنے لگے۔ دوپہر ڈھلنے تک سوتے رہے۔ بیدار ہو کر مسلمانوں نے نماز پڑھی، ہندوؤں نے غسل کیا اور رات کو پھر سفر کرنے لگے۔ وقت بے وقت جب کھانے کو مل جاتا تھا، کھا لیتے تھے۔ سنورما اور رادھا کو

بھی بھوک کی برداشت ہو گئی تھی۔ بعض مرتبہ دو دو وقت کھانا نہ ملا، مگر اُن کی پیشانی پر بل نہ آیا۔

یہ لوگ جے پال کے لشکر سے ہی ملے ہوئے سفر کر رہے تھے۔ جس جگہ دن کے وقت راجپوتوں کا لشکر کوچ کرتا، یہ صبح ہوتے ہی وہاں پہنچ جاتے اور تمام دن چھپ کر آرام کرتے رہتے۔ رات کو پھر چل پڑتے۔ اس طریقہ سے یہ لشکر کے ساتھ ہی ساتھ چل رہے تھے مگر لشکر والوں کو اس بات کا کچھ علم نہ تھا۔

پشاور پہنچ کر اُنہوں نے چاہا کہ لشکر سے آگے بڑھ جائیں۔ لیکن اُن کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ لشکر کتنی دُور تک پھیلا ہوا ہے۔ اس لئے پیچھے ہی رہنا مناسب سمجھ کر رُک گئے۔ اٹک کو عبور کر کے وہ چلے اور پہاڑ پر جا پہنچے۔ اب اُنہوں نے پھر ارادہ کیا کہ قریب کے درّوں یا گھاٹیوں میں سے نکل کر راجپوتوں سے پہلے لمغان کے میدان میں پہنچ جائیں۔

چنانچہ عزالدین نے تیج سنگھ سے کہا۔ ''راجپوتوں کا لشکر چونکہ زیادہ ہے اس لئے بہت ہی سست رفتاری سے چل رہا ہے۔ اس کی وجہ سے ہم کو بھی تکلیف ہو رہی ہے۔ اب پہاڑ شروع ہو گیا ہے۔ اگر ہم کوشش کریں تو اب اُن سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔''

تیج سنگھ نے کہا۔ ''ضرور بڑھ سکتے ہیں۔ صبح جب ہم لشکر کے قریب جا کر ٹھہریں گے، تب کوشش کریں گے۔''

عزالدین: ''تمہارے خیال میں ایسے بہت سے راستے ہیں جن سے ہم اس لشکر سے نکل کر لمغان کے میدان میں پہنچ جائیں؟''

تیج سنگھ: ''ہاں...... میں ایسے بہت سے راستوں سے واقف ہوں۔''

عزالدین: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ دونوں لڑکیاں سردی کی شدت کی وجہ سے پریشان خاطر ہو رہی ہیں۔''

تیج سنگھ: ''یہ لاہور کی رہنے والی ہیں۔ کبھی کسی سرد مقام پر نہیں گئیں۔ اور لاہور میں جاڑوں میں اتنی سردی نہیں پڑتی جس قدر کہ اب برف پوش پہاڑوں پر گرمیوں کے موسم میں پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے ان کو تکلیف ہو رہی ہے۔''

عزالدین: ''افسوس یہ ہے کہ ان کے پاس کافی کپڑے بھی تو نہیں ہیں۔''

تیج سنگھ: ''ہاں...... سردی سے بچنے کے لئے کافی کپڑے نہیں ہیں۔ مگر آپ کے پاس بھی تو نہیں ہیں۔''

عزالدین: ''ہم سرد مقام کے رہنے والے ہیں۔ لہٰذا سردی کو برداشت کر سکتے ہیں۔ مگر یہ گرم مقام کی رہنے والی ہیں۔ اس لئے یہاں کی بڑھی ہوئی سردی کو برداشت نہیں کر سکتیں۔''

منصور بھی قریب ہی بیٹھا تھا اور اُن کی باتیں سن رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ ''اب ہم کو اس بات کا اندیشہ نہیں رہا کہ کوئی ہم کو دیکھ نہ لے۔ اس لئے رات کو آگ روشن کر لیا کریں تو کوئی نقصان نہیں ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

عزالدین: ''کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر رات کو تو ہم کو سفر کرنا پڑتا ہے۔ اور صبح جب تک آگ جلائیں، اُس وقت تک آفتاب طلوع ہو جاتا ہے۔ پھر آگ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔''

منصور: ''یہ بھی ٹھیک ہے۔ مگر رات کے وقت تو ہم کو اس وجہ سے سفر کرنا پڑا ہے کہ راجپوتوں کا لشکر ہم سے آگے جا رہا ہے۔ اگر ہم کسی طرح سے اُن سے آگے بڑھ جائیں گے تو پھر رات کو سفر کرنے کی ضرورت باقی ہی نہ رہے گی اور ہم بے فکر ہو جائیں گے۔''

تیج سنگھ: ''اور اسی فکر میں مبتلا ہیں ہم۔''

عزالدین: ''اب عشاء کا وقت ہو گیا ہے۔ نماز پڑھ لینی چاہئے۔''

مسلمانوں نے نماز پڑھی اور گھوڑوں پر زین کس کر روانہ ہو گئے۔ وہ پچھلی رات تک سفر کرتے رہے۔ اور جب اُس جگہ پہنچے جہاں راجپوتوں کا لشکر مقیم تھا تو چٹانوں کی آڑ میں فروکش ہو گئے۔

آج چار مسلمان اور دو راجپوت پوشیدہ طور پر دیکھنے کے لئے آگے بڑھے کہ ہندوؤں کا لشکر کہاں تک پھیلا ہوا ہے؟ چونکہ ابھی رات باقی تھی اس لئے راجپوت ابھی تک خیموں کے اندر گھسے ہوئے پڑے آرام کی نیند سو رہے تھے۔ اگرچہ چاندنی رات تھی مگر آج کچھ برف سی پڑ رہی تھی یہی وجہ تھی کہ کچھ اندھیرا سا دکھائی دے رہا تھا۔

یہ لوگ دُور تک دیکھتے چلے گئے۔ جس چٹان اور جس درّے میں گئے، وہیں نڈی دل راجپوتوں کو قیام کرتے ہوئے پایا۔ دُور تک دیکھنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ راجپوتوں کے لشکر نے تمام راستے گھیر رکھے ہیں۔ اور اس وجہ سے اُن کا کسی جانب سے گزر کر آگے بڑھنا اور راجپوتوں کی نظر سے بچ کر آگے نکل جانا دُشوار ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہو گیا ہے۔ چنانچہ واپس لوٹ کر وہ اپنی فردگاہ میں پہنچے۔ اور چونکہ راجپوت اور مسلمان جاگ رہے تھے اس لئے اُنہوں نے آ کر اُن سے کہہ دیا کہ کوئی راستہ بھی ایسا محفوظ نہیں ملتا جہاں راجپوت ڈیرے ڈالے ہوئے نہ ہوں۔

صبح کی نماز پڑھ کر مسلمان سو گئے۔ راجپوت بھی سو گئے۔ منورما اور رادھا نے بھی آرام کیا۔ راجپوتوں کے پاس تو ایک ایک کمبل تھا۔ اور اُس کا کچھ حصہ بچھا کر اور کچھ بھایا اُوپر لے لیتے تھے۔ مگر مسلمانوں کے پاس نہ کمبل تھے نہ چادریں۔ اس لئے وہ بغیر کچھ بچھائے اور اوڑھے پڑ رہتے تھے۔ صرف اتنا ضرور کر لیا کرتے تھے کہ سونے سے پہلے آگ جلا کر تاپ لیتے تھے۔ اور جب لکڑیاں جل چکتی تھیں اور انگارے ہی باقی رہ جاتے تھے، تب اُن کے قریب سو جاتے تھے۔

وہ بڑی مشکل سے برفستان کوہ میں بغیر کسی اُونی کپڑے کے رات بسر کرتے تھے۔ آج اتفاق سے منورما کی آنکھ کھل گئی۔ وہ کئی اُونی چادریں اوڑھے ہوئے تھی۔ سردی اس غضب کی پڑ رہی تھی کہ چادروں میں سے منہ باہر نکالتے ہی برف میں ڈوبے ہوئے ہوا کے جھونکے بدن میں تیر کی طرح لگتے تھے۔ مگر اُس نے کچھ سوچ کر چادروں میں سے منہ باہر نکالا۔ اگرچہ دن نکل آیا تھا۔ لیکن برف باری کی وجہ سے ابھی سورج نکل کر چمکنے نہ لگا تھا۔ اُس نے اُٹھ کر مسلمانوں کی طرف

دیکھا۔ وہ سب کے سب اُس سے ذرا فاصلے پر پڑے ہوئے سو رہے تھے۔ چونکہ وہ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر سوئے تھے اس وجہ سے غفلت کے عالم تھے۔ مگر بڑھی ہوئی سردی نے اُن کو اکٹھا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور وہ سب پیٹوں میں گھٹنے دبائے کمانوں کی طرح جھکے ہوئے تھے۔

منورما اُٹھی۔ اُس کے اُٹھنے کی آواز سے رادھا کی بھی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے منورما کو دیکھ کر کہا۔ ''کہاں چلی منورما؟''

منورما نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ شرما گئی۔ رادھا نے پھر دریافت کیا۔ ''کہاں جا رہی ہو تم اس وقت منورما؟''

منورما نے شرمیلے انداز سے کہا۔ ''آج سردی زیادہ ہو رہی ہے۔ اُن (منصور) کے پاس کچھ کپڑا نہیں ہے۔''

رادھا نے خمار آلود آنکھوں سے اُسے دیکھتے ہوئے جمائی لی اور پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''خوب..... آپ کو آج اُن پر ترس آ گیا ہے!''

منورما: ''آ ہی جانا چاہئے۔''

رادھا: ''تو کیا اپنی چادریں اُن کو دینے جا رہی ہو؟''

منورما: ''ہاں.....!''

رادھا: ''جب تم چادریں اُن کو دے دو گی تو کیا تم کو سردی نہ لگے گی؟''

منورما: ''میں کافی سو چکی ہوں۔ اگر اُن کے قریب آنچ ہوئی تو وہاں بیٹھ کر تاپنے لگ جاؤں گی۔''

رادھا: ''تو یہ کیوں نہیں کہتی ہو کہ اُن کے پاس بیٹھنے کو جی چاہتا ہے؟''

منورما: ''ایسی بات کہتے ہوئے تم کو لجیا (شرم) نہیں آتی رادھا؟''

رادھا: ''اچھا! بیٹھو تو تم اُن کے پاس جا کر اور لجیا مجھے آئے۔ خیر! آپ کو اُن کے حال پر ترس تو آیا۔ جاؤ اور اُن کو چادریں اوڑھا دو۔ بیچارے شدت سردی سے پڑے اکڑ رہے ہوں گے۔''

منورما چل پڑی۔ چونکہ تمام چٹانوں اور پتھروں پر برف جمی ہوئی تھی اور منورما ننگے پیر تھی اس لئے اُس کے پاؤں سن ہو گئے تھے۔ مگر اس کے باوجود اُس نے سردی کی کوئی پرواہ نہ کی اور جلدی سے جلدی پتھروں سے گزرتے ہوئے منصور کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ منصور بھی اوروں کی طرح سردی سے اکڑا ہوا سکڑ رہا تھا۔ منورما نے ایک لحظہ تک تو اُسے دیکھا۔ اُس کے نازک دل میں ہمدردی کا دریا ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ اُس نے فوراً تمام چادریں سوائے ساڑھی کے اپنے جسم سے الگ کیں اور بڑھ کر سب کی سب منصور کے اُوپر ڈال دیں مگر اُس کا منہ باہر رہنے دیا۔

منصور کو جب گرمائی پہنچی تو اُس نے اپنے پاؤں پھیلا دیئے اور ساتھ ہی ایک کروٹ بھی لی۔ بے احتیاطی کی وجہ سے اُس نے اتنی دُور میں کروٹ لی کہ آگ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

منورما یہ کیفیت دیکھ کر بے قرار ہوگئی۔ بڑھی اور اُس نے اُس کے پہلو میں بیٹھ کر اُسے دوسری طرف کروٹ بدلوانا چاہی۔ نازک اندام دوشیزہ اپنی پوری قوت صرف کرنے پر بھی اُس کڑیل جوان کو کروٹ نہ بدلوا سکی۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ زیادہ زور لگانے کی وجہ سے منصور کی آنکھ کھل گئی۔۔ اور اُس نے جب حورِ وش منورما کو اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے پایا تو آئینہ دار حیران ہو کر اُٹھ بیٹھا اور تعجب انگیز انداز میں گویا ہوا۔ ''منورما! تم یہاں کہاں ہو؟''

منورما نے شرماتے ہوئے کہا۔ ''آپ آگ کے قریب آ گئے تھے۔ لہٰذا آپ کو کروٹ بدلوا رہی تھی۔''

منصور نے انتہائی مشکورانہ نظروں سے اُس سیم تن کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟'' پھر اُس نے چاروں طرف دیکھا۔ ''اور یہ چادریں.....؟''

منورما: ''میں نے ہی اوڑھا دی تھیں۔''

منصور: ''مگر تم نے یہ خیال نہ کیا کہ سردی مجھ سے زیادہ تمہیں نقصان پہنچائے گی۔ اس لئے لو! یہ چادریں تم اوڑھو۔ میں آنچ کے سامنے بیٹھ جاؤں گا۔'' یہ کہتے ہی اُس نے چادریں اُتار کر منورما کو دے دیں۔ منورما نے لے لیں اور اُن کو اوڑھ کر اُس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ دونوں دیر تک بیٹھے آگ تاپتے اور باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ کہر پھٹ گئی اور سورج نکل آیا۔

اب چونکہ ظہر کا وقت ہو گیا تھا۔ لہٰذا تمام لوگ ایک ایک کر کے اُٹھ بیٹھے اور منورما بھی اُٹھ کر رادھا کے پاس چلی گئی۔ مسلمانوں نے ظہر کی نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہوتے ہی آج اسی وقت ہی سب روانہ ہو گئے۔

الغرض اس طرح سے وہ راجہ جے پال کے ساتھ ساتھ چھپتے چھپاتے لمغان کے میدان میں جا پہنچے...... اُنہوں نے ارادہ کیا کہ وہ میدان کو عبور کر کے درّے میں جا گھسیں۔ لیکن کچھ مصلحت سمجھ کر وہیں دبکے بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ اسلامی لشکر آ کر مقیم ہو گیا۔ اور دوسرے روز وہ جنگ ہوئی، جس کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔

جس روز جنگ ہوئی تھی، اُس کی رات کو یہ سب لوگ پہاڑ کے نیچے ہی نیچے اسلامی لشکر کی طرف بڑھے اور دشمنوں کی نظروں سے بچتے ہوئے اسلامی کیمپ میں پہنچ گئے۔

☆......☆....☆

سلطان سبکتگین اپنے عزیز از جان فرزند کو جوش و خروش اور دلیری و جرات سے لڑتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔ اُس کا دل اپنے ہونہار فرزند کو نہایت بے جگری سے لڑتے ہوئے دیکھ کر فرطِ مسرت و انبساط سے بلیوں اُچھل رہا تھا۔ نیز تمام مسلمان بھی اس کمسن مجاہد کو، شیرِ اسلام کو اور پُر جوش غازی کو کمال بہادری سے لڑتے ہوئے دیکھ کر بڑے محظوظ ہو رہے تھے۔ ہر مسلمان، ہر غازی، ہر مجاہد اُس کے لئے دُعائے خیر کر رہا تھا۔

وہ اپنے پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ تمام دن لڑتا رہا تھا۔ رات ہو جانے پر فتح کی آرزو دل

میں لئے اندھیرا ہو جانے کی وجہ سے معہ شیرانِ اسلام کے واپس لوٹ آیا تھا۔ جس وقت محمود لوٹ کر اپنے باپ سلطان سبکتگین کے پاس پہنچا تو اُس نے اپنا گھوڑا بڑھایا اور محمود کو اپنی آغوش میں لے کر بھینچا اور پیار کرتے ہوئے فرمایا۔ ''جانِ پدر! آج تم نے حق اسلام ادا کر دیا۔ تمہارا یہ کارنامہ تاریخوں میں جلی حروف سے لکھا جائے گا۔ آنے والی نسلیں تمہاری اس کارگزاری کی داد دیں گی۔ مجھے فخر ہے کہ میرا بیٹا پُر جوش، بہادر اور مخلص مسلمان ہے۔ آج تم نے مجھے، تمام مسلمانوں کو، محبوبِ خدا کو خوش کیا ہے۔ میرے جگر بند! میری دُعا ہے کہ خداوند عالم تجھے ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ تیری ہر آرزو پوری کرے۔ تیرے دل میں زیادہ سے زیادہ جوشِ جہاد اور آرزوئے شہادت پیدا کر دے۔ تیرا نام دنیا بھر میں آفتاب عالم تاب کی طرح روشن ہو جائے۔''

اپنے شفیق باپ کے یہ کلمات سن کر محمود کی آنکھوں میں فرطِ مسرت سے آنسو چھلک آئے۔ اُس نے کہا۔ ''خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میں نے آپ جیسا شفقت و محبت کرنے والا باپ پایا ہے۔''

سبکتگین: ''خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اُس نے مجھے تجھ جیسا بیٹا عطا کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تو میرے نام اور اپنے خاندان کو روشن کرے گا۔ نیز اعدائے اسلام کے دلوں پر مسلم مجاہدین کی ہیبت و دلیری کا سکہ بٹھا دے گا۔ چلو فرزند! مغرب کی نماز کا وقت گزر رہا ہے۔ اگرچہ ہم نے ظہر اور عصر کی نماز پڑھ لی ہے۔ لیکن تم نے اور تمہارے سپاہیوں نے ابھی تک نہیں پڑھی ہے۔ اب پڑھنا۔''

محمود: ''چلئے!''

پھر تمام لشکر لوٹا۔ سارے مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پُر شور نعرہ لگایا۔ اور جب یہ فلک بوس نعرہ فضا میں گم ہو گیا تو شہزادہ محمود زندہ باد، فخرِ روزگار محمود کی عمر دراز کے نعروں سے آسمان و زمین گونجنے لگے۔

چونکہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی جلدی تھی۔ اس لئے وہ قدم بڑھا کر چلے اور کیمپ میں پہنچتے ہی اپنے اپنے خیموں میں جا کر گھوڑوں سے اُترے۔ جلدی جلدی زین کھولے، ہتھیار کھولے اور نماز پڑھنے کے لئے میدان کی طرف روانہ ہو گئے۔ اسلامی لشکر ایک چشمے کے کنارے پر پڑا ہوا تھا۔ سارے مسلمان اُس کے کنارے پر بیٹھ گئے اور وضو کرنے لگے۔ کپڑوں پر لگے ہوئے خون کے دھبے صاف کئے، پھر غسل کر کے نماز ادا کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

مغرب کا وقت کھنچ کر عشا کا وقت آ گیا تھا۔ چار موذنوں نے مل کر اذان دی۔ جن مسلمانوں کی نمازیں قضا ہو گئی تھیں پہلے اُنہوں نے قضا نمازیں پڑھیں اور پھر جماعت سے عشا کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر وہ واپس لوٹے۔ جس وقت وہ کیمپ میں پہنچے تو اُنہوں نے چند ہندوؤں کو اور بہت سے مسلمانوں کو گھوڑوں پر سوار آتے ہوئے دیکھا۔ تمام لوگ اُن کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

اتفاق سے اس جگہ محمود آ گیا۔ اُس نے بھی جب اُن لوگوں کو دیکھا تو متعجب ہوا۔ لیکن فوراً ہی حیرت دور کر کے جوش و مسرت کے لہجے میں بولا۔ ''کون..... منصور، میرا بھائی.....؟ خدا کا ہزار

www.pdfbooksfree.pk

ہزار شکر ہے!''

منصور اندھیرا ہونے کی وجہ سے اُسے پہچان نہ سکا۔ آواز سنتے ہی وہ گھوڑے سے اُتر کر محمود کی طرف بڑھا۔ اُس نے کہا۔ ''السلام علیکم!''

محمود دوڑ کر اُس سے لپٹ گیا اور اُس نے کہا۔ ''وعلیکم السلام یا اخی!''

شہزادہ کو دیکھ کر تمام مسلمان اور سارے راجپوت، منورما اور رادھا سب گھوڑوں سے اُتر کر کھڑے ہو گئے۔ محمود بغلگیر ہو کر علیحدہ ہوا۔ اُس نے کہا۔ ''منصور! تمہیں دیکھ کر جس قدر مجھ کو مسرت ہوئی ہے، اس کا اندازہ کچھ میرا دل ہی کر سکتا ہے۔''

منصور نے کہا۔ ''شہزادہ صاحب! دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ آپ کو دیکھتے ہی میرے دل کی کلی کھل گئی ہے۔ اور فرطِ مسرت سے میرا دل باغ باغ ہو گیا ہے۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ یہی کیفیت یقیناً حضور کے دل کی بھی ہو گی۔''

محمود: ''بخدا! تم نے صحیح کہا ہے۔ میری حالت بھی ایسی ہی ہو رہی ہے۔ بتاؤ! کیا سب مسلمان تمہارے ساتھ آ گئے؟''

منصور: ''جی ہاں..... خدا کے فضل و کرم سے سب آ گئے۔''

محمود نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''خدا کا ہزار ہزار احسان ہے۔ آؤ! عالم پناہ کے سامنے اپنے آزاد ہونے کی روئیداد بیان کرنا۔''

منصور: ''چلئے!''

دونوں چلے۔ اُن کے پیچھے تمام مسلمان اور سارے ہندو معہ دونوں پری زاد لڑکیوں کے چل پڑے۔ راجپوتوں اور لڑکیوں کے دلوں پر محمود اور منصور کی مخلصانہ ملاقات کا بہت گہرا اثر ہوا تھا۔ مساوات کا جو منظر اُنہوں نے دیکھا، اس نے اُن تمام کی آنکھیں کھول دیں۔ ہندوستان کے راجہ اپنے آپ کو دیوتاؤں سے کم نہ سمجھتے تھے اور اُن کی عزت، عظمت، احترام و وقار دیوتاؤں سے کم نہ ہوتا تھا۔ ہر آدمی ہاتھ جوڑ کر، سجدہ میں گر کر اُنہیں پرنام (سلام) کرتا تھا۔ مگر منصور نے نہ ہاتھ جوڑے، نہ سجدے میں گرا، نہ جھکا۔ بلکہ سیدھے سادھے طریقہ پر رسول اللہ کی سنت کے مطابق سلام کیا۔

یہ سب لوگ چل کر سلطان کے خیمے میں پہنچے۔ اس وقت سلطان اپنے خیمے کے سامنے آگ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اُن سب لوگوں نے جاتے ہی کہا۔ ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ یا امیر المومنین! (اے مسلمانوں کے امیر! تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔)''

سبکتگین نے بھی رسمی طور پر وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (اور تم پر بھی سلام اور اللہ کی رحمت و برکت نازل ہو) کہا۔ اور غور سے اُن کی طرف دیکھنے لگا۔

جونہی اُس کی نظر منصور پر پڑی، اُس نے فرطِ مسرت سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''آہا! فرزند منصور! اللہ تیرا شکر ہے۔'' یہ کہتے ہی اُس کی طرف بڑھا۔ منصور آگے بڑھ کر سر جھکا کر کھڑا ہو

گیا۔ سلطان نے بڑھ کر اُسے اپنے سینے سے لگا کر پیار کرتے ہوئے کہا۔ ''اللہ کا احسان ہے کہ اُس نے میرے فرزندِ ثانی کو مجھ سے ملا دیا۔''

سبکتگین کو منصور سے بالکل محمود ہی کے برابر محبت تھی۔ منصور نے کہا۔ ''خدا کا شکر ہے کہ اُس نے آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کرنے کے لئے نہ صرف زندہ رکھا بلکہ یہاں تک پہنچا بھی دیا۔''

سبکتگین: ''ہاں..... اللہ کا احسان ہے۔ اچھا! تمہارے اور ساتھی.....؟''

اب اُس کی نظر عزالدین اور دوسرے مسلمانوں پر پڑی۔ اُس نے کہا۔ ''آہا..... کس قدر خوشی کی بات ہے کہ میرے سارے شیر بخیریت واپس آ گئے۔ میں کس زبان سے خدا کا شکر ادا کروں؟'' یہ کہتے ہی وہ بڑھا اور تمام مسلمانوں سے نہایت گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ راجپوت اور لڑکیاں سلطان کی مسلمانوں کے ساتھ یہ محبت اور اخوت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اب سلطان اپنی جگہ پر آ گیا۔ اُس نے سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب سب بیٹھ گئے، تب اُس نے کہا۔ ''بیٹا منصور! اب بتاؤ کہ تم کیسے آزاد ہوئے اور کیونکر یہاں پہنچے؟''

منصور نے کہا۔ ''عالم پناہ! جے پال نے ہم سب کو قید کر دیا تھا۔ لیکن خدا کی امداد شاملِ حال تھی۔ اُس نے اس پیکر رحم و کرم (منورما کی طرف اشارہ کر کے) کے دل میں رحم و ہمدردی کا دریا موجزن کر دیا اور اس نے اپنی اس سہیلی (رادھا کی طرف اشارہ کر کے) کی مدد سے ان شریف راجپوتوں کو اپنا ہمنوا بنا کر ہم کو آزاد کرا دیا۔''

سلطان نے منورما، رادھا، تیج سنگھ اور تمام راجپوتوں کی طرف نہایت شکورانہ نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ''میں اور تمام مسلمان تم سب کے بے حد شکر گزار ہیں۔''

تیج سنگھ نے کہا۔ ''ہم نے جہاں پناہ کے عدل و مہربانی کے افسانے سنے تھے۔ اور اب ہم حضور کے دامنِ عافیت میں پناہ لینے کے لئے آئے ہیں۔''

سبکتگین: ''نہیں نہیں..... تم ہمارے معزز مہمان ہو۔ انشاء اللہ تم دیکھو گے کہ ہم تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں (منصور سے خطاب فرماتے ہوئے) ہاں فرزند! مفصل سناؤ کہ تم کیسے اسیر ہوئے اور پھر کیسے رہائی پائی؟''

اب منصور نے نہایت تفصیل سے اپنی اور سب مسلمانوں کی گرفتاری، قید، رہائی کے تمام واقعات بیان کئے۔ سلطان اور محمود سارے حالات سن کر منورما، رادھا، تیج سنگھ اور دوسرے راجپوتوں کے بہت زیادہ ممنون اور مشکور ہوئے۔

سبکتگین نے منصور سے دریافت کیا۔ ''یہ لڑکی کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟''

منصور نے جواب دیا۔ ''اعلیٰ حضرت! اس کا نام منورما ہے۔ یہ وزیرِ اعظم سیلادت کی بیٹی ہے۔ اور یہ دوسری لڑکی ایک معزز راجپوت کی نورِ نظر ہے۔ اس کا نام رادھا ہے اور یہ بھی ایک راجپوت ہیں۔ ان کا نام تیج سنگھ ہے۔ جے پال کے لشکر میں افسر تھے۔ باقی راجپوت ان کے

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

ساتھی ہیں۔"

سکتگین: "کیا منورما کی شادی ہو چکی ہے؟"

منصور: "ابھی نہیں ہوئی۔"

سکتگین: "اور رادھا کی؟"

منصور: "ان کی منگنی تیج سنگھ کے ساتھ ہو چکی ہے۔"

سکتگین نے مسکرا کر کہا۔ "خوب..... اچھا منورما! آج سے تو میری بیٹی ہے۔ تو اپنے باپ کو چھوڑ کر آئی ہے۔ میں تجھے اپنی حقیقی بیٹی سمجھوں گا۔ محمود! تمہاری کوئی ہمشیرہ نہ تھی۔ لو! خدا نے آج بہن دے دی۔"

محمود: "میں دل و جان سے اپنی بہن کی خدمت کروں گا۔"

سکتگین: "اور بیٹی رادھا....."

عزالدین: "عالم پناہ!"

سلطان نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا کہتے ہو تم؟"

عزالدین: "رادھا کو میں اپنی بیٹی بنا چکا ہوں۔"

سکتگین: "بڑی خوشی کی بات ہے۔ تیج سنگھ! تم محمود اور منصور کو اپنا بھائی سمجھو۔"

تیج سنگھ نے ادب سے جھکتے ہوئے کہا۔ "حضور والا! میں ایک ادنیٰ آدمی ہوں۔ اس عزت کے قابل کہاں ہوں کہ ایک مشہور عالم شہزادہ کا بھائی بن سکوں؟"

محمود: "تیج سنگھ! عالم پناہ نے آپ کو میرا بھائی فرما دیا ہے۔ اب تم میرے بھائی ہو۔ ہمارے مذہب میں ادنیٰ و اعلیٰ نہیں ہوتے۔"

تیج سنگھ: "میں کس زبان سے آپ کا اور اعلیٰ حضرت کا شکریہ ادا کروں؟"

سکتگین: "نورِ نظر منصور! آج تمہارا بھائی محمود صرف پانچ سو سواروں کے ساتھ تین لاکھ راجپوتوں کا تمام دن مقابلہ کرتا رہا۔"

تیج سنگھ اور سارے راجپوت یہ سن کر کمال متحیر ہوئے اور فرطِ تحیر سے اُن کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ منصور نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے۔ اللہ کرے قوت و زور اور زیادہ۔"

سکتگین: "اچھا عزالدین! تم ان تمام راجپوتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ خیمے کھڑے کرا دو! میرے خیال میں ان کو منصور کے قریب ٹھہراؤ۔"

عزالدین: "بہتر ہے۔"

سکتگین: "منورما اور رادھا جس جگہ مناسب سمجھیں ٹھہریں۔ یعنی ہمارے خیمے میں، محمود کے خیمے میں یا منصور کے یا تیج سنگھ کے خیمے میں۔ غرضیکہ جس خیمے میں چاہیں، یہ ان کی منشاء پر منحصر ہے۔"

منصور نے منورما کی طرف دیکھ کر دریافت کیا۔ "تم اور رادھا کہاں ٹھہرنا چاہتی ہو؟"

منورما شرما کر چپ ہو گئی۔ منصور نے سلطان سے کہا۔ "میرے خیال میں ان کو آرام ان کے ساتھیوں میں ہی ملے گا۔"

سکتگین: "ہم بھی یہی سمجھتے ہیں۔ تیج سنگھ! ان دونوں کو تم ہی اپنے ساتھ لے جاؤ!"

تیج سنگھ: "بہتر ہے۔"

سکتگین: "تم سب تھک رہے ہو۔ اس لئے اب جا کر آرام کرو۔ منصور! ان مہمانوں کے کھانے کا انتظام تمہارے سپرد ہے۔"

منصور: "بہت اچھا حضور!"

پھر یہ اُٹھے اور سلطان کو سلام کر کے چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

عزالدین نے یہاں سے اُٹھ کر جاتے ہی منصور کے لئے خیمہ نصب کرایا اور اس کے قریب ہی منورما، تیج سنگھ اور دوسرے راجپوتوں کے لئے خیمے کھڑے کرا دیئے۔ منصور نے مہتمم رسد سے مل کر اُن کے لئے رسد کا انتظام کرا دیا۔ عزالدین نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے علیحدہ خیمے نصب کرائے۔ ان مسلمانوں اور راجپوتوں کے آنے کی اطلاع تھوڑی ہی دیر میں تمام لشکر والوں کو ہو گئی۔ ہر مسلمان، مسلمانوں کے آنے پر خوش اور راجپوتوں کے آنے سے متعجب ہوا۔ چونکہ سلطان اور سلطانی لشکر دن بھر کمر بستہ رہے تھے، اس لئے سب اُس وقت کھانا تیار کر رہے تھے۔ عزالدین اور اُس کے ساتھی منصور، تیج سنگھ اور اُس کے ہمراہی غرض سب ہی کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے تھے۔ جب کھانا تیار ہو گیا، تب سب نے کھایا اور رات زیادہ ہو جانے کی وجہ سے آرام کرنے لگے۔

لشکر کی حفاظت کے لئے شمس الدین سمیت پانچ سو سواروں کے طلایہ کے طور پر روانہ ہو گیا تھا۔ وہ لشکر سے فاصلے پر گشت لگا رہا تھا۔ آج رات کو بھی برف کثرت سے پڑ رہی تھی۔ سرد ہوا کے جھونکے چل رہے تھے اور سردی نہایت کڑاکے کی ہو رہی تھی۔ مسلمان رات بھر آرام اور اطمینان سے سوتے رہے۔ صبح بہت سویرے بیدار ہوئے۔ چند آدمیوں نے مل کر اذان دی۔ اور تمام مسلمانوں نے وضو کر کے نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی سلطان نے اُن کو مسلح ہو کر میدانِ جنگ میں پہنچنے کا حکم دیا۔ تمام مجاہدین اپنے اپنے خیموں پر پہنچے، مسلح ہوئے اور جلد جلد میدانِ کارزار میں پہنچ کر صف بستہ ہونے لگے۔

راجپوتوں کے رسالے بھی آنے اور آ آ کر صفیں قائم کر کے کھڑے ہونے لگے۔ تیج سنگھ اور اُس کے ساتھی، منورما اور رادھا سب کے سب ایک چٹان پر چڑھ گئے تھے۔ اُن کی نگاہ جس طرف اور جہاں تک بھی گئی، راجپوتوں کا لشکر پھیلا ہوا نظر آیا۔ مسلمان تھوڑے تھے اور اُن کا لشکر بھی تھوڑی ہی دُور کھڑا تھا۔

جے پال بھیم اور دوسرے چند سواروں کے ساتھ اُسی ٹیلے پر آ کر کھڑا ہوا تھا جس پر گزشتہ روز

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

کھڑا رہ کر جنگ کا تماشہ دیکھا رہا تھا۔ راجپوتوں کے لشکر میں طبل جنگ بجایا جا رہا تھا۔ ناقوس پھونکے جا رہے تھے اور گھنٹیاں بجائی جا رہی تھیں۔ سلطان بھی نفس نفیس خود قلب لشکر میں آ کھڑا ہوا تھا۔ اُس کے قریب ہی محمود، منصور، عزالدین اور چند دیگر افسر کھڑے تھے۔ سلطان نے عزالدین سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''اس مرتبہ میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ ایک ایک افسر پانچ پانچ سو سواروں کے ساتھ حملہ کرے۔ تمام لشکر کو حملہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ کل میرے نورِ چشم محمود نے پانچ سو مجاہدوں کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ اس لئے آج بھی.....''

عزالدین نے کہا۔ ''جہاں پناہ! آج مجھے اجازت دیجئے۔ میں حملہ کروں گا۔''

سبکتگین: ''تم؟''

منصور نے ادب سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ ''اعلیٰ حضرت! کیا میں بھی کچھ عرض کر سکتا ہوں؟''

سبکتگین: ''کیوں نہیں..... شوق سے! تم بھی کہو۔''

منصور: ''عالم پناہ! کل شہزادہ صاحب نے دادِ شجاعت دی تھی آج مجھ کو اجازت دیجئے۔ میرے دل میں ان راجپوتوں سے لڑنے کا بڑا ارمان ہے۔''

سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''بڑی مسرت کی بات ہے۔ جاؤ! شوق اور مسرت سے جاؤ۔ مگر عزالدین کو بھی اپنے ہمراہ لیتے جاؤ۔''

منصور: ''بہت اچھا حضور!''

عزالدین اور منصور تیار ہو گئے۔ منصور کو سلطان نے ایک علم دیا اور پانچ سو جانباز مجاہدین اُس کے ساتھ کر دیئے۔ منصور علم لے کر نہایت خوش ہوا۔ اُس نے فرطِ مسرت سے بے خود ہوتے ہوئے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اُس کے نعرے کی تکرار اُس کے رسالے نے بھی کی۔ اور اُس کے بعد تمام لشکر نے نہایت پُر شور نعرہ لگایا۔ ان پے در پے نعروں کی آوازوں سے فضا گونج اُٹھی۔ میدان ہچکولے کھانے لگا..... نیز راجپوتوں کے طبلِ جنگ کی آواز ان فلک شگاف نعروں میں مدغم ہو کر رہ گئی۔ نعرہ لگاتے ہوئے منصور نے علم کو حرکت دی۔ پرچم کھل گیا اور پھریرا ہوا میں لہرانے لگا۔ اُس نے بلند آواز سے کہا۔ ''نصر من اللّٰہ و فتح قریب (مدد اللہ کی طرف سے ہے۔ اور فتح قریب ہے)'' اُس کے رسالے نے جوش و غضب سے بھر کر پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔ منورما اور رادھا دونوں چٹان پر کھڑی دیکھ رہی تھیں۔ اُن سے تھوڑے فاصلے پر تیج سنگھ اور اُس کے ساتھی راجپوت کھڑے تھے۔ اُن سب کی نگاہیں منصور کے رسالے پر لگی ہوئی تھیں جو کہ راجپوتوں کی جانب ایک سیلابِ عظیم کی طرح بڑھ رہا تھا۔

رادھا نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔ اس لئے اُس نے منورما سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ ''تم نے دیکھا منورما! تمہارے وہ میدانِ جنگ کی طرف جا رہے ہیں۔''

منورما بھی دیکھ چکی تھی۔ وہ کچھ کچھ بے قرار و مضطرب سی نظر آنے لگی تھی۔ اُس نے نہایت

آہستہ سے کہا۔ ''ہاں..... جا رہے ہیں۔ مگر رادھا.....!''

رادھا نے اُس کے حسرت زدہ اور مضطرب چہرے پر نظریں جما کر کہا۔ ''کیا کہتی ہو منورما؟''

منورما نے سخت اضطراب کے عالم میں کہا۔ ''یہ کیوں جا رہے ہیں؟ کسی نے ان کو روکا کیوں نہیں؟''

رادھا: ''کون روکتا انہیں؟''

منورما: ''شہزادہ محمود جو اُن کو بھائی کہتا ہے۔ یا سلطان جنہوں نے اسے اپنا پتر (بیٹا) بنا لیا ہے۔''

رادھا: ''اغلب ہے کہ اُنہوں نے روکا ہو لیکن منصور کے دل میں جوش ہے۔ وہ نہ رُکا ہو۔''

منورما: ''ہائے..... اُن کے ساتھ تو بہت ہی تھوڑا سا لشکر ہے۔ یہ راجپوتوں کا مقابلہ کیا کریں گے؟ رادھا! اچھی رادھا! تم ہی جا کر اُنہیں سمجھا بجھا کر واپس لے آؤ!''

رادھا: ''میں.....؟ میرے کہنے سے بھلا وہ کیوں آنے لگے؟ ہاں! اگر تم جاؤ تو ممکن ہے، وہ چلے آئیں۔''

منورما بہت زیادہ پریشان خاطر اور مضطرب ہو رہی تھی۔ اُس نے جلدی سے کہا۔ ''میں جاؤں؟ ٹھیک ہے..... مجھے ہی جانا چاہئے۔ اس لئے میں ہی جاتی ہوں!'' یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنے گھوڑے کو مہمیز لگائی۔ وہ چلی۔ جب وہ تیج سنگھ کے پاس پہنچی تو اُس نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کہاں جا رہی ہیں آپ.....؟''

منورما پر اس وقت بے خودی کا عالم طاری تھا۔ اُس نے کہا۔ ''میں اُنہیں (منصور کو) روکنے کے لئے جا رہی ہوں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ چند سواروں کو اپنے ہمراہ لے کر بڑی دل راجپوتوں سے لڑنے کے لئے جا رہے ہیں؟''

تیج سنگھ: ''میں دیکھ رہا ہوں۔ لیکن کیا آپ نے سنا نہیں کہ سلطان کہہ رہے تھے کہ کل محمود پانچ سو سواروں کے ساتھ تین لاکھ راجپوتوں کا مقابلہ تمام دن کرتے رہے تھے؟''

منورما: ''سنا ہے۔''

تیج سنگھ: ''آج منصور کا نام ہے۔ وہ مقابلہ کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔''

منورما: ''لیکن میرا دل.....!''

تیج سنگھ: ''دل کو قابو میں رکھیں! آپ کو شاید معلوم نہیں ہے کہ مسلمان جب میدان میں نکل جاتا ہے تو بغیر جنگ کئے کسی طرح سے بھی واپس نہیں آتا۔''

منورما نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔ ''آہ..... ایشور! کیا کروں میں؟''

تیج سنگھ: ''تم پرماتما اور دیوتاؤں سے اُس کی بقائے زندگی کے لئے دُعا مانگو۔''

منورما: ''اچھا..... میں اب دُعا ہی مانگوں گی۔'' اُس نے اپنے نازک ہاتھوں کو اُٹھا کر جوڑا، پیشانی سے لگایا اور سچے دل سے منصور کے زندہ سلامت رہنے کی دُعا مانگی۔

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

منصور معہ اپنے رسالہ کے نہایت جوش و خروش سے بڑھ رہا تھا۔ جب وہ راجپوتوں کے لشکر کے قریب پہنچ گیا تو جے پال نے اُسے دیکھتے ہی اُسے پہچان لیا۔ اُس نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''بھیم! دیکھنا، یہ لڑکا وہی تو نہیں ہے جو لاہور میں قید تھا؟''

بھیم بھی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے فوراً کہا۔ ''مہاراج! وہی ہے۔ اور اُس کے ساتھ وہ افسر بھی ہے جو ناداں جنگ لینے گیا تھا۔ اور جسے حضور نے قید کر دیا تھا۔''

جے پال: ''معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام لوگ چھوٹ کر یہاں بھاگ آئے ہیں۔''

بھیم: ''یقیناً، ایسا ہی ہے حضور!''

جے پال: ''حیرت یہ ہے کہ کس نے ان لوگوں کو رہا کیا اور کیسے یہ یہاں آ گئے؟''

بھیم: ''یہ تو ایشور ہی جانتا ہے۔''

جے پال: ''مجھے تو ان مسلمانوں پر رشک آتا ہے۔ کل شہزادہ محمود لڑنے کے لئے آیا تھا اور سارا دن لڑتا رہا تھا۔ آج یہ آیا ہے۔ کیا مسلمانوں کے لشکر میں سارے لونڈے ہی لونڈے ہیں؟''

بھیم: ''میرے خیال میں تو یہ بات آتی ہے کہ سلطان لونڈوں کو لڑنے کے لئے اس وجہ سے بھیج رہا ہے، تاکہ ہم سمجھ لیں کہ اُس کے نزدیک ہم راجپوتوں کی کچھ بھی وقعت نہیں ہے۔ وہ ہمیں مسلمان لونڈوں کے برابر بھی بہادر و شہ زور خیال نہیں کر رہا ہے۔''

جے پال: ''یہی بات ہو سکتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لونڈے بھی غضب کے بہادر ہیں۔''

ابھی بھیم کوئی جواب نہیں دینے پایا تھا کہ راجپوتوں نے زور زور سے جیکارے لگانا شروع کر دیئے۔ جے پال، بھیم اور دوسرے لوگ میدانِ جنگ کی طرف دیکھنے لگے۔

☆.....☆.....☆

file no = sub-10

منصور اور اُس کے ساتھیوں کو بڑھ کر قریب آتے ہوئے دیکھ کر راجپوتوں کو جوش آ گیا تھا۔ اُنہوں نے جے کارے لگانے شروع کر دیئے تھے۔ آج راجپوتوں نے لشکر سے آگے سات ہاتھیوں کو لا کر کھڑا کیا تھا۔ اُن کے اُوپر عماریاں کسی ہوئی تھیں اور اُن عماریوں پر چار چار راجپوت تیر کمانیں لئے ترکش پشتوں پر لٹکائے بیٹھے تھے۔ لیل بان عماریوں کے سایہ میں ڈھالیں لئے ہاتھیوں کی گردنوں پر سوار ہو رہے تھے۔ راجپوتوں کا جوش و غضب دیکھ کر اُن افسروں نے ہاتھیوں کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ہاتھیوں کے دونوں طرف پہلوؤں میں بڑے بڑے گھنٹے لٹک رہے تھے۔ جونہی ہاتھی آگے بڑھے گھنٹوں کی مہیب اور کریہہ آوازوں سے فضا گونج گئی۔ اُدھر راجپوتوں نے گلے پھاڑ پھاڑ کر چلانا شروع کر دیا۔ اُدھر طبلِ جنگ نہایت زور و شور سے بجایا جانے لگا اور اُن مختلف آوازوں سے میدانِ جنگ کانپ اُٹھا۔

جوں جوں ہاتھی منصور اور اُس کے رسالے کے قریب پہنچتے جاتے تھے، اسلامی رسالے کے گھوڑے اُن کو دیکھ دیکھ کر خوف زدہ ہوتے جاتے تھے۔ عزالدین یہ کیفیت دیکھ کر سمجھ گیا کہ ان کے گھوڑے ان کالی بلاؤں کے سامنے مطلق بھی نہ ٹھہریں گے۔ چنانچہ اُس نے منصور سے کہا۔ ''ہاتھیوں کو دیکھ کر گھوڑے خائف ہونے لگے ہیں۔ خدشہ ہو رہا ہے کہ کہیں یہ سواروں کو پھینک کر بھاگ نہ جائیں۔ اس لئے اگر آپ مناسب سمجھیں تو صرف سو سواروں کو پیادہ ہو کر آگے بڑھایئے۔''

منصور نے کہا۔ ''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' یہ کہتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے اُتر پڑا۔ اُس کے ساتھ ہی عزالدین بھی اُتر گیا اور اُنہوں نے سو سواروں کو بھی نیچے اُترنے کا حکم دیا۔ فوراً اگلی صف کے سوار اُتر گئے۔ دوسری صف والوں نے اُن کے گھوڑے تھام لئے۔ اور اب منصور اور عزالدین صرف سو سپاہیوں کو ساتھ لے کر ہاتھیوں کی طرف بڑھے۔ جب ہاتھی ذرا اور قریب آ گئے تو عماری نشین راجپوتوں نے مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں نے ڈھالوں پر تیروں کو روکا اور جلدی جلدی شانوں پر سے کمانیں اُتار کر چلے جوڑ کر خود بھی تیر پھینکے۔ اُنہوں نے اُن لوگوں کی طرف تیر چلائے جو اُن پر تیروں کی بارش کر رہے تھے۔ مگر اُن کے تیروں نے عماریوں پر بیٹھے ہوئے راجپوتوں پر کچھ بھی اثر نہ کیا۔ البتہ اُن کے تیر اُنہیں کافی نقصان پہنچا رہے تھے۔ منصور نے یہ کیفیت دیکھ کر حکم دیا کہ تیروں سے ہاتھیوں کو زخمی کر دو۔ ہاتھی کالی پہاڑیوں کی طرح بڑھے چلے آ رہے تھے۔ مسلمانوں نے تاک تاک کر اُن پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ منصور نے ایک ہاتھی کی

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

آنکھ میں تیر مارا۔ نشانہ ٹھیک بیٹھا اور تیر ہاتھی کی آنکھ میں پیوست ہو گیا۔ ہاتھی چنگھاڑ مار کر لوٹا اور کانپتے ہوئے بے تحاشا بھاگ کھڑا ہوا۔ اُس کے اس طرح بھاگنے سے دوسرے ہاتھیوں کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔ اُدھر اُن میں سے کئی ہاتھیوں کے مستکوں، سونڈوں اور آنکھوں میں تیر لگے۔ وہ بھی گھبرا کر پیچھے لوٹے اور تیزی سے دوڑنے لگے۔

اب منصور، عزالدین اور دوسرے مسلمان نیزے لے کر اُن کے پیچھے دوڑے اور اُن کے پاس جاتے ہی زور وقوت سے اُن کے چوتڑوں پر نیزے مارنے لگے۔ ہاتھی چنگھاڑ چنگھاڑ کر نہایت تیزی سے بھاگنے لگے۔ گویا تمام ہاتھیوں میں ایک قسم کی بھگدڑ سی مچ گئی۔ وہ اپنی سونڈیں منہ میں دبا کر اندھا دھند بھاگنے لگے۔ جو سوار، پیادہ یا اور کوئی اُن کے سامنے آیا، اُسے روندتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ اُن کے اس طرح بھاگنے سے راجپوتوں کے لشکر میں ہراس طاری ہو گیا۔ ابتری پھیل گئی۔ اکثر و بیشتر راجپوت کچلے گئے۔ بہتوں کو گھوڑوں نے نیچے گرا دیا اور سموں سے پامال کر دیا۔ جب ہاتھی دُور نکل گئے تب مسلمان واپس لوٹے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے بڑھے۔ کچھ راجپوتوں کے افسر تو ہاتھیوں کو سنبھالنے اور میدانِ جنگ سے دُور نکالنے میں مصروف تھے اور اکثر رسالوں کو ترتیب دے دے کر مسلمانوں کی طرف بڑھنے لگے۔ چونکہ فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا اس لئے راجپوتوں نے تلواریں سونت کر نہایت زور و شور سے حملہ کیا۔ پانچ سو مسلمانوں کی پانچ صفیں تھیں۔ سب سے پہلے اگلی صف نے بڑے غیظ و غضب سے حملہ کیا۔ اُن کی خارا شگاف تلواروں نے راجپوتوں کو کاٹنا شروع کر دیا۔ جس مسلمان نے جس راجپوت پر حملہ کیا، اُسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑا۔ انہوں نے چشم زدن میں کشتوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ خون کے دریا بہا دیئے۔

راجپوت بھی کچھ موم کے بنے ہوئے نہ تھے۔ وہ بھی نہایت دلیر تھے۔ اُن کی بہادری کی بھی شہرت تھی۔ نہایت جوش سے لڑنے لگے تھے۔ اور وہ بھی کھانڈے اُٹھا اُٹھا کر بڑے زور و قوت سے حملے کر رہے تھے۔ جو مسلمان اُن کے کھانڈوں کی زد میں آ جاتا تھا، موت کا شکار ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ جنگ شروع ہو گئی تھی نہایت خونریزی کے ساتھ۔ جہاں تہاں خون آلود تلواریں اُٹھتیں اور خون برساتے ہوئے نظر آ رہی تھیں۔ راجپوت مسلمانوں کو پسپا یا قتل کر ڈالنے کے لئے بڑھ بڑھ کر نہایت جوش اور دلیری سے حملے کر رہے تھے۔

چونکہ اُن کی کثرت کے سامنے مسلمانوں کا کوئی شمار و قطار ہی نہ تھا اس لئے وہ سمجھ رہے تھے کہ ان مٹھی بھر مسلمانوں کو دم بھر میں فنا کر کے رکھ دیں گے۔ چنانچہ اسی وجہ سے وہ جھپٹ جھپٹ کر جوش و غضب میں آ کر حملے کر رہے تھے۔ مسلمان نہایت اطمینان، بڑے استقلال اور کمال جوش سے مصروفِ جنگ تھے۔ وہ بڑی پھرتی سے اور نہایت قوت سے لپک لپک کر حملے کر کے راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اُتار رہے تھے۔ جس طرح سے لوٹ کے وقت لوگ جلدی جلدی دولت سمیٹنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی طرح سے ہر مسلمان اپنے برابر والے مسلمان سے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کر کے راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اُتار رہا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ پُر جوش مسلمان اس بات کو بھول گئے تھے کہ وہ صرف پانچ سو ہیں اور راجپوت تقریباً تین لاکھ کے لگ بھگ ہیں۔ اگر دشمن ہتھیار ڈال دیں اور بغیر ہاتھ پیر ہلائے بھی کھڑے ہو جائیں تو وہ اُن کو کئی روز میں قتل کر سکیں گے اور وہ بھی اس طریقہ سے کہ شب و روز قتل کرتے رہیں۔ اور اب جبکہ وہ لڑ رہے ہوں تو اُن سب کو مار ڈالنا بالکل ہی ناممکن تھا۔ مگر وہ سمجھ رہے تھے کہ اُنہیں قتل کر ڈالیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بڑی بے فکری نیز عجلت سے قتل کر رہے تھے۔ گویا اُن کا یہ کام ہی تھا جسے جلد سے پورا کرنے کے لئے نہایت شد و مد سے مصروفِ کار تھے۔ ہر مسلمان ایک دوسرے کو دیکھ رہا تھا۔ جب کوئی کسی راجپوت کو مار ڈالتا تھا تو دوسرا جلدی سے حملہ کر کے دوسرے کو ختم کر دیتا تھا۔ گویا وہ دشمنوں کو قتل کرنے میں بڑے حریص واقع ہوئے تھے اور اُن میں سے ہر ایک مجاہد کا یہی عزم و منشا تھا کہ سب سے پہلے وہی اُن کو قتل کر کے ٹھکانے لگائے۔

راجپوت بھی اپنی ہمت اور اپنے جوش کے مطابق نہایت شجاعانہ انداز سے جنگ کر رہے تھے۔ وہ بھی جب موقع پاتے تھے، مسلمانوں کو شہید کر ڈالتے تھے۔ مگر وہ مسلمانوں کو گاہے بگاہے قتل کر رہے تھے اور مسلمان اُن کو متواتر قتل کئے جا رہے تھے۔

جوں جوں آفتاب اُونچا ہوتا جاتا تھا، دُھوپ پھیلتی جاتی تھی۔ دُھوپ میں گرمی زیادہ ہوتی جاتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ آتش جنگ بھی تیز ہوتی جاتی تھی۔ جانبازوں کے سر، ہاتھ، پیر اور دھڑ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون کے فوارے اُبل رہے تھے۔ جہاں تہاں لاشوں کے ڈھیر لگ رہے تھے۔ راجپوت جے کارے لگا رہے تھے۔ ناقوس اور گھنٹے بجا رہے تھے۔ اور مرنے والے چیخ رہے تھے۔ اُن کی آوازوں سے میدانِ جنگ اس زور سے گونج رہا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

عزالدین بڑی پھرتی سے حملے کرتا اور ہر حملہ میں ایک نہ ایک راجپوت کو مار ڈالتا۔ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر چکر لگا رہا تھا۔ منصور بھی بڑے جوش سے حملے کر رہا تھا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں علم تھا اور دوسرے میں تلوار۔ وہ ہر حملہ کے وقت علم کو حرکت دیتا اور تلوار سے وار کرتا۔ جس شخص پر اُس کی تلوار پڑتی، اُس کے ٹکڑے اُڑا دیتا۔ جس گروہ پر ٹوٹتا اُسے تتر بتر کر دیتا۔ جس صف پر حملہ کرتا اُسے اُلٹ دیتا۔ وہ اس جوش سے حملہ کر رہا تھا کہ اُس کی غضب ناک صورت دیکھتے ہی دشمن گھبرا کر اِدھر اُدھر کترا جانے کی کوشش کرنے لگتا تھا۔ مگر وہ ہوشیار شکاری کی طرح اپنے شکار کو جانے نہ دیتا تھا اور بغیر قتل کئے نہ چھوڑتا تھا۔

اس وقت مسلمانوں کی پانچوں صفیں نبرد آزما ہو گئی تھیں۔ راجپوت ان کی صفوں میں گھس گئے تھے یا مسلمان راجپوتوں میں در آئے تھے۔ اور اس لئے ہر مسلمان مصروفِ جدال و قتال ہو گیا تھا۔ راجپوتوں کو مسلمانوں کی دلیری اور دلیرانہ حملے دیکھ کر بڑا غصہ آ رہا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح سے بھی ہو سکے، ان گنتی کے چند مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں۔ اسی وجہ سے وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ لیکن جب وہ حملہ کرتے تھے تو مسلمان اُن کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیتے تھے۔ اور اُن کا جوش تلواروں کی دھاریں سرد کر دیتی تھیں۔

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

راجپوتوں کی ایک جمعیت مسلمانوں کو نرغہ میں لینے کے لئے آگے بڑھی۔ اور اُس نے دائیں اور بائیں سمت سے بڑھ کر اُن کو اپنے حصار میں لینے کی کوشش کی۔ چونکہ مسلمان دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر لڑائی میں مصروف تھے اس لئے اُنہوں نے راجپوتوں کی اس کارروائی کو نہ دیکھا اور برابر جنگ میں مصروف رہے۔ وہ اپنے سامنے والوں سے لڑتے، اُنہیں قتل کرتے اور پیچھے ہٹاتے رہے۔ دفعتہً اُن کی پشت کی طرف سے راجپوتوں نے اُن پر حملہ کر دیا۔ چونکہ یہ حملہ ناگہانی طور پر ہوا تھا اس وجہ سے مسلمان کچھ گھبرا گئے۔ منصور نے اُن کی یہ کیفیت دیکھی تو اُس نے جوش میں بھر کر کہا۔ ''دلیرو! گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ خدا کی امداد قریب ہے۔ صرف ایک صف پشت کی طرف اُلٹ کر دشمنوں پر حملہ کر دے۔ عزالدین! آپ اُس طرف چلے جائیں۔''

عزالدین فوراً ہی پلٹا اور راجپوتوں کو مارتے کاٹتے ہوئے پشت کی طرف جا نکلا۔ اُسے لوٹتے ہوئے دیکھتے ہی مسلمانوں کی صف پلٹی اور پشت کی طرف سے حملہ آور راجپوتوں کے سامنے جا ڈٹی۔ اس وقت جنگ اور بھی زور و شور سے شروع ہو گئی۔ تلواریں جلد جلد اپنا کام کرنے لگیں۔ سر و تن کے فیصلے ہونے لگے۔ موت کی گرم بازاری ہو گئی۔

جب یہ خون آشام ہنگامہ برپا تھا، اُس وقت مسلمانوں نے اللہ اکبر کے پُرشور نعرہ کی آواز سنی۔ اُنہوں نے گردنیں اُبھار اُبھار کر دیکھا۔ اُن کو پانچ سو سواروں کا ایک اور دستہ آتا ہوا نظر آیا۔ اُنہیں آتے ہوئے دیکھ کر اُن کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور اُنہوں نے پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش سے جنگ شروع کر دی۔

☆.....☆.....☆

جس طرح جے پال پہاڑی ٹیلہ پر کھڑا میدانِ کارزار کی طرف دیکھ رہا تھا، اُسی طرح سلطان سبکتگین بھی قلبِ لشکر میں کھڑا نظارہ کناں تھا۔ جس وقت اُس نے راجپوتوں کو مسلمانوں کی پشت پر آ کر حملہ کرتے دیکھا، فوراً ہی شمس الدین کو پانچ سو سواروں کے ساتھ حملہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ اپنے دستہ کے جانباز رسالہ کو لے کر دوڑا اور راجپوتوں کی پشت پر حملہ آور ہوا۔ اگرچہ اُس طرف بھی راجپوت ہزاروں کی تعداد میں آ گئے تھے۔ مگر اُن پانچ سو دلاور انِ صف شکن نے حملہ کر کے اُنہیں قتل و پریشان کرنا شروع کر دیا۔ ہر مسلمان خونخوار شیر کی طرح جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کر کے اُنہیں موت کی آغوش میں پہنچانے لگا۔

سر تنوں سے علیحدہ ہو ہو کر اُچھلنے اور اُچھل اُچھل کر گرنے لگے۔ خون کی بارش ہونے لگی۔ انسانوں کے تن تاز گھوڑوں کے سموں سے کچلے جانے لگے۔ راجپوت مسلمانوں کے اس اچانک اور غیر متوقع حملہ سے گھبرا گئے۔ اگرچہ وہ فوراً ہی اُن کی طرف پلٹ کر اُن کے سامنے ڈٹ گئے تھے۔ اور تعداد میں بھی پانچ سو مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھے۔ لیکن جو جوش و خروش مسلمانوں میں تھا، وہ اُن میں نہ تھا۔ اس لئے وہ قتل ہو رہے تھے اور مسلمان اُنہیں قتل کر رہے تھے۔ شمس الدین بائیں ہاتھ میں اسلامی پرچم لئے داہنے ہاتھ میں تلوار پکڑے نہایت جوش و غضب سے حملے کر رہا تھا۔ وہ جس پر

وار کرتا تھا، اُسے تہ تیغ کر ڈالتا تھا۔ جس صف پر جا کر گرتا تھا، اُسے اُلٹ دیتا تھا۔ دائیں بائیں، آگے پیچھے ہر طرف جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا۔ اُس دستہ کا ہر مسلمان نہایت پھرتی سے حملے کر رہا تھا۔ اور ہر شخص اپنے ہر مقابل کو جلد سے جلد مار کر دوسرے پر حملہ کر دیتا تھا۔ اُن کے حملے کی شان سے یہ بات ظاہر ہو رہی تھی کہ وہ اُن کو جلد از جلد ختم کر کے تمام لشکر پر حملہ کرنے کی فکر میں تھے۔ ہر غازی اور ہر مجاہد بڑی جانبازی اور سرفروشی سے لڑ رہا تھا۔ اُنہوں نے راجپوتوں کو تلواروں کی دھار پر رکھ لیا تھا۔ جس راجپوت کے سر پر جس مسلمان کی تلوار بلند ہوتی تھی، اُسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتی تھی۔ ہاتھ، پیر، سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون کے چشمے اُبل رہے تھے اور آہ، واہ کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

راجپوت بھی اپنی مقدور بھر کوشش کر رہے تھے۔ وہ نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے۔ اُن کی تلواریں بھی اُن مسلمانوں کی زندگیوں کے فیصلے کر رہی تھیں۔ وہ بڑے جوش و غضب سے بھر بھر کر مل کھا کھا کر حملے کر رہے تھے۔ لیکن جو جوش و غضب مسلمانوں میں تھا وہ راجپوتوں میں نہ تھا۔ اس کے علاوہ مسلم سردار خود بھی جانبازی سے لڑ رہے تھے اور سپاہیوں کو بھی جوش دلا رہے تھے۔ مگر راجپوت افسر فوجیوں کو تو حملہ کرنے کی ترغیب دے رہے تھے اور خود بچ رہے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جس قدر وہ لڑائی سے گریز کرتے تھے، مسلمانوں کے سامنے جاتے ڈرتے تھے، اُسی قدر اُن کا ڈر اُن کے سامنے آ جاتا تھا۔ اور مسلمان اُن کے پاس پہنچ کر اُن کا فیصلہ کر دیتے تھے۔

چونکہ منصور کی پشت کی طرف والے راجپوتوں کو شمس الدین کے لشکر نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ اس لئے اب منصور اور اُس کے سپاہیوں نے نہایت دلیری سے سامنے والے ہندوؤں پر حملہ کر دیا۔ اور کچھ اس جوش اور اس غضب سے حملہ کیا کہ راجپوت بدحواس ہو گئے اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ لیکن پیچھے ہٹنے کی گنجائش نہ تھی۔ کیونکہ پیچھے اُن کا ہی ٹڈی دل لشکر دور تک پڑاؤ ڈالے کھڑا تھا۔ اس وجہ سے وہ پیچھے ہٹ کر اپنی جانیں نہ بچا سکے اور مسلمانوں نے اس موقع پر اُن کی کثیر تعداد قتل کر ڈالی۔

اُن لوگوں کے قتل ہوتے ہی راجپوتوں کے تازہ دم دستے منصور اور اُس کے ہمراہیوں پر بڑے زور و شور سے حملہ آور ہوئے۔ اور جو مسلمان اُن کی تلواروں کی زد میں آ گئے، اُن کو شہید کرتے ہوئے آگے بڑھے۔

مسلمان بھی ڈٹ گئے۔ اور اپنی پوری قوت سے مدافعت کرنے لگے اور دیر تک جمے لڑتے رہے اور اپنے بھائیوں کا انتقام لیتے رہے۔ اُنہوں نے اسی مقام پر ایک کی جگہ آٹھ آٹھ اور دس دس راجپوتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈال دیا۔ لیکن راجپوتوں کے سیلاب نے اُنہیں پیچھے ہٹانا شروع کر دیا۔ اور وہ آہستہ آہستہ قدم قدم پیچھے ہٹنے لگے۔ عزالدین اور منصور نے ہر چند کوشش کی کہ مسلمانوں کو روکیں اور تمام راجپوتوں کو قتل کر ڈالیں۔ مگر یہ کام اُن کی قوت سے باہر ہو گیا تھا۔ پھر بھی جہاں تک وہ پہنچ گئے تھے، وہ کھڑے لڑتے رہے۔ اُن کے گرد دس دس بیس بیس سوار رہ گئے تھے اور بقیہ سب

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

کے سب پیچھے ہٹ کر اُن سے بہت دُور چلے گئے تھے۔ شمس الدین اور اُس کے ساتھی نہایت جانبازی سے جدال و قتال کر رہے تھے۔ اُنہوں نے جگہ جگہ لاشوں کے انبار لگا دیئے تھے۔ اور راجپوتوں کی لاشوں سے اس میدان کو پاٹ دیا تھا۔ وہ اس فکر میں تھے کہ ان درمیانی راجپوتوں کا خاتمہ کر کے منصور کے لشکر سے جا ملیں اور اُن کے ساتھ مل کر راجپوتوں کے تمام لشکر پر زوردار حملہ کر دیں۔

چنانچہ شمس الدین نے بلند آواز سے کہا۔ ''مسلمانو! یہ کیا سستی ہے؟ صرف چند ہزار راجپوت تمہارے مقابلہ میں ہیں اور تم ان کا بھی ابھی تک خاتمہ نہیں کر سکے؟ اس طرح تو لاکھوں دشمنوں سے لڑنے کے لئے طویل عرصہ درکار ہے۔ خدا کا نام لے کر بڑھو اور ان کافروں کا کام تمام کر ڈالو!''

مسلمانوں نے ہر جگہ سنبھل کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اس جوش و قوت سے حملہ کیا کہ راجپوتوں کے قدم ڈگمگانے لگے۔ وہ سمجھ گئے کہ اُن کی موت مسلمانوں کے قالب کی صورت میں ان کو فنا کر دینے کے لئے ان کے مقابل آ کھڑی ہوئی ہے۔ وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ مسلمانوں نے اُن کے چہروں سے اُن کی گھبراہٹ کا جائزہ لے لیا تھا اور وہ بھی بیش از بیش دلیر ہو گئے تھے۔ نیز بڑھ بڑھ کر حملے کر کر کے اُن کو قتل اور مجروح کئے جا رہے تھے۔

چونکہ راجپوت خوفزدہ ہو گئے تھے اس لئے اب وہ حملہ نہ کر رہے تھے، بلکہ حملے روک رہے تھے۔ شیر دل مسلمانوں کے حملے روکنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ پُرجوش مجاہدوں نے تلواروں کا مینہ برسا رکھا تھا اور سر اولوں کی طرح سے کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ ہر طرف خون کی بارش ہو رہی تھی اور خون آلود تلواریں اُٹھ اُٹھ کر انسانی زندگیوں کو ختم کرنے کے لئے جلد جلد اپنے کام میں مصروف تھیں۔ گویا کہ نہایت خون آشام جنگ عالم شباب میں تھی۔

مسلمان راجپوتوں کو ختم کر کے منصور سے ملنے کی انتھک کوشش میں مصروف ہو گئے تھے۔ ان راجپوتوں پر جو شمس الدین اور اُس کے رسالے کے سامنے تھے، مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی اور وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے بغلیں جھانکنے لگے تھے۔ مگر ان کے لئے جائے مفر باقی نہ تھی۔ مسلمانوں نے اُن کے بھاگنے کے تمام راستے مسدود کر رکھے تھے اور اُن کو ہر چہار جوانب سے اپنے نرغے میں لے کر قتل کر رہے تھے۔ راجپوت کچھ ایسے خوفزدہ ہو گئے تھے کہ اُن سے تلواریں بھی اُٹھ نہ سکتی تھیں۔ اور وہ مسلمانوں کی صورتیں اور اُن کی تلواریں دیکھ دیکھ کر سہمے جا رہے تھے۔ اور اس وقت اُنہوں نے سارے دیوتاؤں، تمام دیویوں کو یاد کر کر کے اُن سے اپنی سلامتی کی دُعائیں مانگنا شروع کر دی تھیں۔ لیکن کوئی دُعا بھی کارگر نہ ہو رہی تھی۔ کوئی دیوی اور کوئی دیوتا بھی اُن کی امداد کے لئے تیار نہ ہوا تھا۔ وہ مر رہے تھے اور نہایت بری طرح سے جلد جلد قتل ہو ہو کر گر رہے تھے۔

مسلمانوں نے ایک پُرجوش حملہ کر کے اُن سب کو پلٹ دیا اور ایک ایک کو چن چن کر تہ تیغ کر دیا گیا۔ ہزاروں راجپوت مارے گئے، سینکڑوں زخمی ہو کر اپنے گھوڑوں سے نیچے آ رہے اور اکثر و بیشتر اُن کے سموں کے نیچے کچلے گئے۔

شمس الدین کے رسالے نے اُن راجپوتوں کا خاتمہ کرتے ہی منصور کے دستہ کے ساتھ مل کر اپنے سامنے والے ہندوؤں پر دھاوا بول دیا۔ اُن کا یہ حملہ نہایت زور کا ہوا۔ اُدھر منصور کے دوسرے دستوں نے سنبھل کر پُرجوش یورش کر دی اور دونوں رسالوں نے نہایت بے جگری سے حملہ کر کے راجپوتوں کو کاٹنا شروع کر دیا۔

جے پال یہ تمام کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اُس نے بھیم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''غضب ہو گیا بھیم! مسلمانوں نے ہمارے کئی ہزار آدمیوں کو تہ تیغ کر ڈالا ہے۔ اس لئے اب صبر و ضبط سے کام نہ چلے گا۔ تم پانچ ہزار لشکر لے کر پھر وحشی مسلمانوں کی پشت پر جاؤ اور اس طرف سے حملہ کر کے ان کا خاتمہ ہی کر ڈالو!''

بھیم نے بہت اچھا کہا۔ اور ٹیلے سے نیچے اُتر کر پانچ ہزار سواروں کا ایک جرار لشکر لے کر اور نہایت لمبا چکر کاٹ کر منصور اور شمس الدین کی پشت کی جانب سے حملہ آور ہوا۔ راجپوتوں کا یہ حملہ بھی چونکہ اچانک ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت زبردست تھا۔ اس لئے بہت سے مسلمان داخل جنت ہو گئے۔ لیکن قبل اس کے کہ بھیم دوسرا حملہ کرے، منصور معہ اپنے لشکر کے تین سو جانباز مجاہدوں کے پلٹ کر اُن کے مقابلے میں آ گیا۔ اُس نے آتے ہی اس زور و غضب سے حملہ کیا کہ راجپوتوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اگرچہ راجپوت تازہ دم تھے اور مسلمان صبح سے لڑائی میں مصروف تھے۔ لیکن مسلمانوں کے پُرزور حملہ نے اُنہیں دُور تک پیچھے ہٹا دیا۔ جہاں تک وہ پیچھے ہٹتے گئے، وہاں تک اُن کی لاشیں بچھتی چلی گئیں۔ مسلمانوں نے اُن کا ستھراؤ کر دیا اور قدم قدم پر مُردہ راجپوتوں کے ڈھیر لگا دیئے۔

بھیم کو یہ دیکھ کر غصہ آ گیا۔ اُس نے راجپوتوں کو للکارا اور خود آگے بڑھ کر نہایت جوش سے حملہ کر دیا۔ راجپوت اُپنے سردار کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر سنبھلے اور نہایت جوش سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ اُدھر مسلمانوں نے بھی غضبناک ہو کر حملہ کیا۔ جنگ شروع ہو گئی۔ نہایت خونریز اور بڑی ہولناک۔ راجپوت مسلمانوں کو اور مسلمان راجپوتوں کو قتل کرنے اور پیچھے ہٹانے کی انتہائی جد و جہد کرنے لگے۔ ظاہر ہے کہ بھیم کے لشکر کے مقابلے میں صرف تین سو مسلمان تھے اور اس طرح سے ہندوؤں اور مسلمانوں کا کوئی مقابلہ ہی نہ تھا۔ لیکن جس دلیری اور جانفروشی سے، جس جوش و جرات سے مسلمان لڑ رہے تھے، وہ اُن ہی کا خاصہ تھا۔ یہ تین سو جانباز ہی اس بات کے خواہشمند تھے کہ پانچ ہزار راجپوتوں کا جلد سے جلد خاتمہ کر ڈالیں۔ چنانچہ وہ بڑی پھرتی اور بڑی تیزی سے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔ اور ہر شخص ہر حملے میں کم سے کم ایک راجپوت کو ضرور مار ڈالتا تھا۔

جب یہ خونریز ہنگامہ برپا تھا، مسلمانوں نے اللہ اکبر کے پُرزور نعرہ کی آواز سنی اور ساتھ ہی اُنہوں نے راجپوتوں کی پشت کی طرف سے مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھا۔ یہ شہزادہ محمود کا دستہ تھا۔ پُرجوش ملک زادہ پانچ سو سواروں کو ساتھ لئے گھوڑے دوڑائے اُڑا چلا آ رہا تھا۔ سلطان سبکتگین نے بھیم کو مسلمانوں کی پشت کی طرف سے آ کر حملہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ لہٰذا اُس نے اپنے نورِ چشم کمسن شہزادہ کو پانچ سو مجاہدوں کے ساتھ حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

محمود اور اُس کا رسالہ بڑے جوش و خروش سے گھوڑے اُڑائے بھاگا آ رہا تھا۔ جونہی وہ راجپوتوں کے قریب پہنچے تو اُنہوں نے نہایت پُرزور حملہ کیا اور راجپوتوں کو کاٹ کاٹ کر ڈالنا شروع کر دیا۔ چونکہ ہر مسلمان جوش و غضب سے بھرا ہوا تھا اس وجہ سے ہر ایک نے حملہ کرتے ہی راجپوتوں کو تلواروں کی دھاروں پر رکھ لیا اور اس کثرت سے جدال و قتال کیا کہ قدم قدم پر لاشیں بچھا دیں۔

بھیم نے فوراً آدھا لشکر محمود کے مقابلہ کے لئے لوٹا دیا۔ اور اب راجپوت بڑے جوش اور سرفروشانہ انداز سے لڑنے لگے۔ لیکن جب غیظ و غضب میں آ کر مسلمان حملے کر رہے تھے اور جس سرگرمی سے وہ راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اُتار رہے تھے، راجپوتوں میں اس کا عشر عشیر تک بھی نہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ لڑ رہے تھے۔ لیکن ان کی شان سے پتہ چلتا تھا کہ وہ مجبوری امر لڑ رہے ہیں۔ کیونکہ ان میں مسلمانوں جیسا جوش نہ تھا۔

محمود نہایت طیش میں آ آ کر بڑے زور و شور سے حملے کر رہا تھا۔ وہ جس طرف جھک جاتا تھا، اُسی جانب کشتوں کے پشتے لگاتا چلا جاتا تھا۔ اور جس گروہ پر وہ ٹوٹتا تھا، اُسے زیروزبر کئے بغیر نہ ٹلتا تھا۔

محمود کو اس سرفروشی سے لڑتے ہوئے دیکھ کر ہر ایک مسلمان جوش سے بھر گیا تھا اور بڑی دلیری تیز پھرتی سے حملے کر رہا تھا۔ ان پُرجوش اور جانباز مجاہدوں نے دم کے دم میں اڑھائی ہزار راجپوتوں کو عروس مرگ سے ہم آغوش کر دیا اور پھر لپک کر اُن ہندوؤں پر حملہ کر دیا جو کہ منصور اور اُس کے ہمراہیوں سے نبرد آزما ہو رہے تھے۔

محمود اور اُس کے ساتھیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ وہ حملہ روکنے کی بالکل بھی پرواہ نہ کر رہے تھے۔ ہاں بڑھ بڑھ کر حملے ضرور کر رہے تھے اور راجپوتوں کو ٹھکانے لگا رہے تھے۔ اُدھر منصور اور اُس کے تین سو سپاہی بھی کمال جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ اُنہوں نے بھی کشتوں کے پشتے لگا دیئے تھے۔ خون تھا کہ پانی کی طرح سے بہہ رہا تھا۔ گھوڑوں کے سم اس خون میں نمناک ہو گئے تھے۔ ایک طرف سے محمود اور دوسری طرف سے منصور بھیم کے ساتھیوں کو دباتے اور مارتے کاٹتے بڑھے چلے آ رہے تھے۔

بالآخر اُنہوں نے راجپوتوں کا قتل عام کر دیا۔ صرف پچاس ساٹھ راجپوت اور اُن کا افسر بصد دشواری بھاگ کر اپنی جان بچا کر لے جا سکا۔ اس ہندوؤں کے لشکر کے ختم ہوتے ہی شہزادہ محمود بھی منصور سے جا ملا۔ اب اُن دونوں دلیروں نے معہ اپنے ہمراہیوں کے راجپوتوں کے بڑے لشکر پر حملہ کر دیا اور نہایت جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ جے پال نے جب اپنے اس لشکر کو مارے جاتے دیکھا جو بھیم کی سرکردگی میں گیا تھا تو اُسے غصہ آ گیا۔ لہٰذا وہ فوراً ٹیلے سے نیچے اُتر آیا اور تمام لشکر کو اپنے ساتھ لے کر مسلمانوں پر یورش کر دی۔

اڑھائی یونے تین لاکھ سرفروش راجپوتوں کا لشکر طوفان کی سی تیزی کے ساتھ بڑھا اور بلائے

بے درماں کی طرح سے مسلمانوں پر جا ٹوٹا۔ مسلمانوں کی تعداد صرف بارہ تیرہ سو ہی کے لگ بھگ تھی۔ لیکن وہ بھی کھل گئے اور انتہائی جوش و خروش سے لڑنے لگے۔

جب سلطان سبکتگین نے دیکھا کہ ہندوؤں کے تمام لشکر نے مٹھی بھر مسلمانوں پر حملہ کر دیا ہے تو اُس نے بھی تین مرتبہ اللہ اکبر کے نعرے لگائے۔ اسلامی علم کو حرکت دی اور تمام عساکر اسلامیہ کو لے کر راجپوتوں پر حملہ کر دیا۔

☆...☆...☆

جے پال نے جوش و غضب سے بھر کر اس لئے حملہ کیا تھا کہ وہ سمجھتا تھا کہ منصور، شمس الدین اور غازی محمود کے ہمراہ بہت تھوڑے مسلمان ہیں اور وہ حملہ کرتے ہی ان سب کا خاتمہ کر ڈالے گا۔ اُس کے بے شمار گھوڑے ہی مسلمانوں کو روند ڈالیں گے اور وہ ان سب کو کچل کر پھر سلطان پر حملہ کر دے گا۔ لیکن جب وہ اُن سرفروشوں سے جا کر ٹکرایا تو اُن غازیوں نے نہایت بہادرانہ استقلال سے اُس کے لشکر کی ٹکر کو روکا اور بڑی پھرتی سے جھپٹ جھپٹ کر حملے شروع کر دیئے۔ مگر راجپوتوں نے یہ عام حملہ رُکنے کے لئے نہ کیا تھا۔ لہٰذا وہ بھی مسلمانوں کی بے پناہ تلواروں سے ٹکراتے، اپنی جانیں نثار کرتے، قدم قدم پر اپنی لاشیں بچھاتے ہوئے بڑھنے لگے۔

وہ چاہتے تھے کہ جس طرح سے بھی ہو سکے مسلمانوں کو دبا کر گھوڑوں سے گرا کر کچل ڈالیں۔ لیکن مسلمان سدِ سکندری کی طرح سے ڈٹ گئے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اُنہوں نے تہیہ کر لیا ہے۔ یعنی وہ شہید ہو جائیں گے لیکن پیچھے نہ ہٹیں گے۔ وہ بڑی جانبازی اور سرفروشی سے لڑ رہے تھے۔ ابھی راجپوتوں کو حملہ کئے ہوئے کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ شیر اسلام سبکتگین معہ تمام عساکر اسلامیہ کے آ گیا۔ اس تازہ دم اسلامی لشکر نے آتے ہی اس زور سے حملہ کیا کہ راجپوتوں کا سیلاب جو مسلمانوں کے بازوؤں سے اُن کو اپنے حصار میں لینے کے لئے بڑھا چلا آ رہا تھا، رُک گیا۔

چونکہ اب تمام اسلامی لشکر نے سارے ہندو لشکر پر حملہ کر دیا تھا اور دونوں لشکر دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے محاذ جنگ بھی اسی حد تک طولانی ہو گیا تھا اور ہر طرف حد نگاہ تک آبدار تلواروں کی چمک بجلی کی طرح کوند کوند کر اُٹھنے اور برق خاطف بن کر سرفروشوں کے سروں پر گرنے لگی تھیں۔

عام جنگ شروع ہو گئی تھی۔ راجپوت مسلمانوں کو اور مسلمان راجپوتوں کو قتل کر ڈالنے کے لئے نہایت جوش و خروش سے حملے کرنے لگے۔ اُس وقت جنگ کی آگ نے گرمی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ متخاصمین کے جانباز پسینہ میں شرابور ہو گئے تھے۔ تلواریں جلد جلد سر و تن کا فیصلہ کرنے میں مصروف تھیں۔ سرفروش تھے کہ مار دھاڑ کر رہے تھے اور جانباز کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ سروں اور دھڑوں کے انبار لگتے چلے جا رہے تھے۔ خون کے پشتے بننے لگے تھے۔

ہندو اس زور سے چلا رہے تھے کہ اُن کی آواز دُور تک جا رہی تھی۔ تمام میدان اور سارے درّے گونج رہے تھے۔ مسلمان خاموش تھے اور نہایت خاموشی سے لڑ رہے تھے۔ ہندو غُل بھی مچا

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

رہے تھے۔ مگر جنگ بھی کر رہے تھے۔ تلواریں ٹکرا رہی تھیں۔ کبھی آبدار تلواریں اُٹھتیں تھیں اور کبھی سیاہ ڈھالیں بلند ہوتی تھیں۔ ہنگامہ دار و گیر بلند تھا۔ ایک فریق دوسرے فریق کو فنا کر ڈالنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ ہندو مسلمانوں کو اور مسلمان ہندوؤں کو قتل کرنے لگے تھے۔ انسانی زندگی نہایت بے دردی سے فنا کی جا رہی تھی۔ سر کٹ رہے تھے اور دھڑ گر رہے تھے۔ خون کی پچکاریاں چل رہی تھیں اور لڑنے والوں کے جسم اور کپڑے اس میں رنگے جا رہے تھے۔

اس وقت راجپوت بھی بڑے جوش و خروش سے، بڑی دلیری اور پھرتی سے حملے کر رہے تھے۔ مسلمان شہید ہو ہو کر گر رہے تھے اور ہندو مسلمانوں کی صفوں میں گھستے چلے جاتے تھے۔ مسلمان بھی بڑے غیظ و غضب میں آ رہے تھے۔ وہ جوش و طیش سے بل کھا کھا کر حملے کر رہے تھے اور راجپوتوں کو قتل کر کر کے اُن کی صفیں اُلٹ اُلٹ کر آگے بڑھتے جاتے تھے۔ اس طرح مسلمان راجپوتوں میں اور راجپوت مسلمانوں میں گھس گئے تھے۔ اور جو فریق جہاں تک پہنچ گیا تھا، وہیں جم کر جنگ کر رہا تھا۔ جنگ کی آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے اور انسان تلواروں کی آگ میں کود کر خود بھی جل رہے تھے اور دوسروں کو بھی جلا رہے تھے۔ اُن کے حملوں کی شان بتا رہی تھی کہ وہ سارے راجپوتی لشکر کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ اُن کی تلواریں اس قدر خونریزی کر رہی تھیں کہ دیکھنے والوں کا دل ہلا جاتا تھا۔

اُس وقت ظہر کا وقت ہو گیا تھا۔ منصور اور اُس کے ساتھی صبح سے لڑ رہے تھے۔ قدرتی طور پر اُن کو تھک جانا چاہئے تھا۔ لیکن وہ ابھی تک نہ تھکے تھے بلکہ جوں جوں جنگ کی آگ بھڑکتی تھی، اُن کے دل اور بڑھتے جاتے تھے اور وہ نہایت شجاعت سے لڑ رہے تھے۔ جہاں سے جہاں تک وہ پہنچ گئے تھے، اُنہوں نے قدم قدم پر راجپوتوں کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ جے پال خود منصور اور شہزادہ محمود کے لشکر پر حملہ آور ہو رہا تھا، غالباً یہ سمجھ کر کہ دونوں کمسن اور ناتجربہ کار لڑکے ہیں۔ وہ ان کے سواروں کو قتل کر کے ان دونوں کو یا تو مار ڈالے گا یا گرفتار کر لے گا۔

لیکن جب اُن دونوں اور اُن کے رسالوں نے اُس کے لشکر کے پرخچے اُڑا دیئے، ہر صف کو توڑ ڈالا اور ہر صف کے سینکڑوں نہیں ہزاروں راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تو اُسے بڑا طیش آیا۔ اُس نے راجپوتوں کو للکارتے ہوئے، نیز اُن کو جوش دلا کر از سر نو اکٹھا کر کے نہایت سختی سے حملہ کر دیا۔ راجپوتوں کا یہ حملہ ایسا سخت ہوا کہ مسلمان کئی قدم پیچھے ہٹتے چلے گئے اور بہت سے جانباز شہید ہو گئے۔

شہزادہ محمود اور غازی منصور یہ دیکھ کر سخت غضبناک ہوئے اور اُنہوں نے طیش میں آ کر نہایت جوش سے حملہ کیا اور پہلے ہی حملے میں اکثر و بیشتر راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اُن کو اس طرح سے حملہ کرتے ہوئے دیکھ کر اُن کے رسالے والے بھی جھپٹ پڑے اور اُنہوں نے بھی بڑی جانبازی سے حملہ کر دیا۔ وہ ہندوؤں کو مارتے کاٹتے ہوئے بڑھے اور دلیر راجپوتوں کو قتل کرتے ہوئے جے پال کے قریب پہنچ گئے۔

اس وقت جے پال بھی جنگ کر رہا تھا۔ وہ نہایت جوانمردی سے لڑ رہا تھا۔ بڑی دلیری سے حملے کر رہا تھا۔ اکثر و بیشتر مسلمانوں کو شہید کر چکا تھا۔ وہ نہایت تیزی سے گھوڑا دوڑائے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر بھاگا پھر رہا تھا۔

دفعتہً اُس کی نظر سامنے جا پڑی۔ اُس نے دیکھا کہ سلطان سبکتگین بائیں ہاتھ میں جھنڈا اور داہنے ہاتھ میں تلوار لئے نہایت غیظ و طیش سے حملے کرتا راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اُتارتے ہوئے اُس کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اگرچہ سلطان بوڑھا تھا۔ لیکن جوانوں سے زیادہ زور و قوت اور جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔ وہ جس طرف حملہ کرتا تھا، راجپوتوں کے پرے کے پرے صاف کرتا چلا جا رہا تھا۔ جس کے اُوپر جھپٹتا تھا، اُسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتا تھا اور اُس کی خون آشام تلوار موت کا فرشتہ بنی ہوئی تھی۔ جسے چھو بھی جاتی تھی، فنا فوراً ہی اُس کا گلا آ دباتی تھی۔ اُس کا چہرہ فرطِ غیظ و غضب سے سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ وہ غضب و جلال سے پیکر جفا بنا ہوا تھا اور بڑی پھرتی سے راجپوتوں کو قتل کرتے ہوئے بڑھ رہا تھا۔

جے پال اُسے اس جرات و ہمت سے لڑتے اور جوش و غضب سے تیغ زنی کرتے ہوئے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سلطان کے پیچھے پیچھے اُس کا خاص رسالہ اُسی کے سے جوش و خروش سے لڑتا راجپوتوں کی صفیں اُلٹتا، اُن کی لاشیں بچھاتا، اُس کے نقش قدم پر چلا آ رہا تھا۔

سلطان اور شاہی رسالہ کی دیکھا دیکھی ہر مسلمان جوشِ جہاد میں غرق ہو کر شہادت کی تمنا دل میں لئے موت کی لڑائی لڑ رہا تھا۔

مسلمانوں نے راجپوتوں کی بیسیوں صفیں اُلٹ دی تھیں۔ اور اُن صفوں کے راجپوتوں کو چن چن کر قتل کر ڈالا تھا جس صف پر مسلمان حملہ کرتے تھے، اُسے درہم برہم کر کے اُس کے سواروں کو چیر پھاڑ کر دوسری صف پر اور دوسری کو تباہ کر کے تیسری پر حملہ کر دیتے تھے۔

جے پال دیکھ رہا تھا کہ مسلمان صفوں پر صفیں اُلٹتے، رسالوں پر رسالے گراتے بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ وہ یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ راجپوت گرتے اور مرتے چلے جا رہے تھے۔ اگرچہ وہ بھی دلیری اور شجاعت سے لڑ رہے تھے۔ لیکن مسلمانوں کے سامنے اُن کی شجاعت کچھ کام نہ آ رہی تھی۔ وہ بڑی سرعت سے مر رہے تھے۔ اُسے خوف ہوا کہ اس طرح مسلمان دن چھپنے سے پہلے پہلے ہی راجپوتوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اُسے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ مسلمان ایسے نڈر، ایسے بہادر، ایسے جوشیلے، ایسے جنگجو اور جنگ کے ایسے حریص ہوتے ہیں۔ آج اُسے احساس ہوا کہ اُس نے مسلمانوں کو چھیڑ کر سخت عاقبت نااندیشی کی ہے۔ اور اب ان شیروں کے سامنے سے جان بچا کر لے جانا اُس کے زور و قوت سے بعید نظر آ رہا ہے۔

وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتہً بھیم اُس کے پاس آیا۔ اُس کا چہرہ لہولہان ہو رہا تھا۔ اُس نے آتے ہی کہا۔ ''مہاراج، بھاگئے! اب یہاں ٹھہرنا موت سے کھیلنا ہے۔''

جے پال نے اُسے حیرت سے دیکھ کر کہا۔ ''یہ تمہارا کیا حال ہوا؟''

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

بھیم: "کمبخت مسلمانوں نے مجھے زخمی کر دیا ہے۔ دیکھئے! سلطان اسی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ چلئے بھاگئے مہاراج! ورنہ پھر بھاگنے کا وقت بھی نہ مل سکے گا۔"

جے پال نے سلطان کی طرف دیکھا۔ وہ راجپوتوں کے پرے کے پرے صاف کرتا، دلیروں کو خاک و خون میں لوٹاتا ہوا بڑھا چلا آ رہا تھا۔ جے پال یہ کیفیت دیکھ کر کانپ گیا۔ اُس نے فوراً گھوڑا لوٹایا اور اپنی ہی صفوں کو چیرتے ہوئے بے تحاشہ بھاگ نکلا۔

اُسے بھاگتے دیکھ کر راجپوتوں کے قدم بھی اُکھڑ گئے اور اُنہوں نے بھی سروں پر پاؤں رکھ کر بے تحاشہ بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ نہایت بد انتظامی سے بھاگے۔ ہر محاذ سے بدحواسی سے پلٹ پلٹ کر دوڑ پڑے۔ مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کیا اور اُنہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ ابھی تک ایک لاکھ سے زیادہ راجپوت زندہ تھے۔ اگر دلیری سے لڑتے تو رات ہو جانے تک لڑتے رہتے۔ یا پیچھے ہی ہٹنا تھا تو باقاعدہ پیچھے ہٹتے۔ اور اس طریقہ سے اُن کی تعداد کافی بچ جاتی۔ مگر اُن پر بزدلی نے قبضہ کر لیا تھا۔ ہر شخص جان بچانے کی فکر میں مصروف ہو گیا تھا اور اس لئے وہ بھاگ کر ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ اس لئے تمام راجپوتی لشکر میں ابتری پھیل گئی۔ مسلمان اُن کے پیچھے دوڑ پڑے تھے اور نہایت پھرتی سے اُنہیں قتل کرنے لگے تھے۔ اُنہوں نے لمغان کے میدان کے چپہ چپہ پر راجپوتوں کی لاشیں بچھا دی تھیں اور اُن کا قتل عام کر کے تمام میدان کو اُن کے مُردوں سے پاٹ دیا تھا۔ راجپوت درّوں میں گھس گئے اور بڑی مشکل سے بہت تھوڑے آدمی اپنی جانیں بچا کر لے جا سکے۔

یہ وہ خونریز جنگ تھی جو لمغان کے میدان ہوئی۔ اسی جنگ نے ہندوؤں کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔ اور پھر اُن کو کبھی مسلمانوں کے منہ آنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ بلکہ وہ مسلمانوں سے کچھ ایسے خائف ہو گئے تھے کہ اُن کا نام سنتے ہی لرزنے لگ جاتے تھے۔ وہ برسوں تک رات کو خواب میں مسلمانوں کو دیکھ دیکھ کر ڈرتے رہے۔

☆.....☆.....☆

جے پال کو مسلمانوں کی قوت و طاقت کی خبر نہ تھی۔ اس لئے اُس کے دل میں غزنی فتح کرنے کی اُمنگ یا حرص پیدا ہوئی اور اُس نے بلاوجہ سلطان سبکتگین پر حملہ کر دیا۔ جب وہ تین لاکھ آدمی لے کر چلا تھا تو خوش تھا اور سمجھتا تھا کہ اس بڑی دل لشکر سے مسلمانوں کو فنا کر کے غزنی پر قبضہ کر لے گا اور اسلامی ممالک کی بے شمار دولت لوٹ کر دولتمند ہو جائے گا۔ مگر اُسے یہ نہ معلوم تھا کہ حرص انسان کو اندھا کر دیتی ہے اور مسلمان بھی کوئی ایسا تر نوالہ نہیں ہیں، جسے وہ نگل جائے۔

جو قوم تمام دنیا پر غالب رہی ہو، جس نے روم و ایران کی ہزاروں سالہ سلطنتوں کے تختے اُلٹ دیئے ہوں، جو دنیا بھر کے لٹیروں، ڈاکوؤں، بدعہدوں اور مکاروں کا خاتمہ کر دینے کا تہیہ کر چکی ہو، وہ جے پال سے کب زیر ہونے والی تھی؟ چنانچہ پچاس ہزار مسلمانوں نے تین لاکھ ہندوؤں کا مقابلہ کیا اور دو لاکھ سے زیادہ راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

مسلمانوں کا یہ ایک کارنامہ ہی ہندوؤں کے دلوں کو دہلا دینے کے لئے کافی تھا۔ جس وقت مسلمان ہندوؤں کے تعاقب سے واپس لوٹے تو رات ہو چکی تھی۔ اُنہوں نے کیمپ میں پہنچ کر کپڑے بدلے، غسل کیا اور نماز پڑھ کر سجدہ شکر ادا کیا۔ پھر کھانا تیار کر کے کھایا اور آرام کرنے کے لئے سو گئے۔

صبح سویرے بیدار ہوئے، صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی۔ سلطان نے محمود اور عزالدین کو ہندوؤں کے کیمپ پر قبضہ کر کے تمام سامان کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیا۔ وہ اس حکم کو سنتے ہی اُٹھے اور اپنے اپنے رسالوں کو ہمراہ لیتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ شمس الدین کو شہداء کو جمع کر کے گڑھے کھدوانے کے لئے کہا گیا اور وہ اپنا رسالہ لے کر اس کام کے لئے روانہ ہو گیا۔ کچھ افراد کو زخمیوں کی مرہم پٹی پر مامور کیا گیا اور وہ مرہم پٹی میں مشغول ہو گئے۔

ظہر کے وقت تمام شہداء کو جمع کر لیا گیا۔ کل 1900 مسلمان شہید ہوئے تھے۔ سلطان نے معہ تمام لشکر کے میدان میں جا کر نماز پڑھی اور اُن کو دفن کر دیا گیا۔ شام کے وقت شہزادہ محمود وغیرہ تمام سامان لے کر اور فہرست تیار کر کے واپس آ گئے۔ لاکھوں روپے مالیت کے زر و جواہرات اور لاکھوں روپے کے سونے چاندی کے زیورات اور دوسری چیزیں تھیں۔ ہزاروں گھوڑے، نیز ایک سو ہاتھی اور ہزاروں خیمے تھے۔

دوسرے روز سلطان نے اس تمام سامان کے پانچ حصے کئے۔ ایک حصہ علیحدہ کر کے باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے۔ اس مال غنیمت میں سے تیج سنگھ اور اُس کے ساتھیوں، منورما اور رادھا کو بھی حصہ ملا۔ تیسرے روز لاکھوں راجپوتوں کی لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر سلطان نے معہ تمام لشکر کے پشاور کی جانب کوچ کر دیا۔ تیج سنگھ اور اُس کے ساتھی راجپوتوں، منورما اور رادھا کے ساتھ مسلمانوں نے ایسا اچھا سلوک کیا کہ وہ اُن کے گرویدہ ہو گئے اور اُن میں سے ہر ایک مسلمانوں کی خوش خلقی اور خوش معاملگی کا مداح ہو گیا۔

ہر مسلمان اپنے مہمانوں میں سے ہر ایک کا اپنے سے زیادہ خیال رکھتا تھا۔ ہر منزل پر پہلے اُن کے آرام اور کھانے کا بندوبست کیا جاتا تھا پھر کوئی دوسرا کام ہوتا تھا، یہاں تک کہ پہلے اُن کے خیمے نصب کئے جاتے تھے اور پھر سلطان کے ہوتے تھے۔ خود سلطان اُن کی راحت کا خیال رکھتا تھا اور ہر منزل پر اُن میں سے ہر ایک سے خیر و عافیت پوچھ لیتا تھا۔ جس وقت جس چیز کی اُنہیں ضرورت ہوتی فوراً مہیا کر دی جاتی تھی۔ مسلمانوں کے اس حسن اخلاق سے تمام راجپوت نہایت خوش تھے اور اُنہیں اپنے گھر سے زیادہ آرام مل رہا تھا۔ اپنی قوم سے زیادہ دوسری قوم میں عزت ہو رہی تھی۔ اُنہیں اس قدر راحت ملی تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب کو بھول گئے۔ مسلمانوں کی ہم نشینی نے اُن کے اخلاق کو بھی بلند کر دیا۔ وہ بھی تمدن سیکھ گئے اور اب اُنہیں نیم برہنہ رہنے سے شرم معلوم ہونے لگی۔ چنانچہ اُنہوں نے تن ڈھانپنے کے لئے چھوٹے کرتے بنا لئے۔ اور اب وہ بھی انسانوں کی طرح رہنے لگے۔ سلطان کا لشکر منزل بہ منزل کوچ و قیام کر کے پشاور کے سامنے جا پہنچا۔

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

جے پال نے شکست کھا کر پشاور میں ہی دم لیا تھا۔ وہ نہایت غمزدہ اور پریشان حال رہتا۔ اُسے رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں اُس نے بلاوجہ شیرانِ اسلام کو چھیڑا اور کیوں اپنے ملک و قوم کو تباہ کرایا؟ کاش! وہ یہ بات پہلے ہی سوچ لیتا۔ مسلمانوں پر حملہ نہ کرتا۔ یا اگر حماقت کر کے حملہ کیا بھی تھا تو جیسے لمغان کے میدان میں صلح کر کے آیا تھا، جو وعدے کیے تھے، وہ پورے کر دیتا تو مسلمان ہندوؤں کی طرف سے بدظن نہ ہوتے۔ وہ اُسے مکار، بے رحم، خود غرض، لٹیرے اور حریص نہ سمجھتے۔ صدیوں سے جے پال کے باپ دادا لاہور سے لمغان تک حکومت کرتے چلے آئے تھے اور اُن کے ہمسایہ میں مسلمانوں کی حکومت تھی۔ کبھی اُن حکومتوں میں جھگڑا نہ ہوا تھا اور نہ مسلمانوں کو یہ خیال ہوا تھا ہندو اسلامی سلطنت کو اُلٹ دینے کی کوشش کریں گے۔

لڑائی کا آغاز جے پال نے کیا۔ اور یہ سلسلہ ایسا شروع ہوا کہ مدت مدید تک جاری رہا۔ اور آخر ہندو ہندوستان کی حکومت کھو بیٹھے۔ ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں اور اب پھر بتا دینا چاہتے ہیں کہ آنریبل ڈاکٹر ڈبلیو ہنٹر صاحب اپنی مختصر تاریخ ہند حصہ دوم کے صفحہ 4 پر لکھتے ہیں کہ پہلا مقابلہ جو اہل ہندو اور اہل اسلام کا پنجاب کی سرحد پر ہوا وہ ہندوؤں کے فعل سے ہوا تھا اور یہ مقابلہ سلطان سبکتگین اور راجہ جے پال کے درمیان ہوا تھا۔ جے پال کو شرمناک شکست ہوئی تھی اور وہ جلد ہی اپنے کیے کی سزا کو پہنچ گیا۔

مسلمانوں کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت خود ہندوؤں نے دی تھی۔ جانتے تو وہ یہ تھے کہ مسلمانوں کی حکومت مٹا ڈالیں لیکن خدا نے اُن کی حکومت مٹا دی۔ جب اسلامی لشکر پشاور کے قریب پہنچا تو جے پال خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھی بھاگا اور پشاور کے شہریوں کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ گیا۔ جونہی سلطان پشاور کے سامنے آیا، تمام ہندو قلعہ سے باہر آ کر سلطان کے سامنے جا پڑے اور رحم و کرم کی التجائیں کرنے لگے۔ سلطان رحم دل تھا۔ اُس نے اُن کو امن دیا اور شہر پر قبضہ کر لیا اور قلعہ دار کے پاس جو خزانہ تھا، سب لے کر پانچواں حصہ الگ کر کے باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے۔ تیج سنگھ وغیرہ کو بھی برابر کا حصہ ملا اور دس ہزار سوار شہر کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر جے پال کے تعاقب میں آگے بڑھا۔ چونکہ سلطان کو جے پال کی بدعہدی پر غصہ آ رہا تھا اس لئے اُس نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ لاہور تک اُس کا تعاقب کر کے اُس کی راجدھانی پر قبضہ کر لے تا کہ ہندوستان بھر کے ہندوؤں پر مسلمانوں کا ایسا خوف و رُعب بیٹھ جائے کہ پھر کبھی اُن میں سے کسی کو مسلمانوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرات نہ ہو سکے۔ اور اگر کوئی شامت زدہ مسلمانوں کے سنہ کو آئے تو اُس کا سر فوراً کچل دیا جائے۔ مسلمانوں نے کبھی ہندوستان نہیں دیکھا تھا۔ اور اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُس ملک میں جائیں۔ لیکن سلطان کے حکم سے انحراف بھی ممکن نہ تھا۔ اس لئے وہ پرچم اسلام لہراتے بڑھے چلے جا رہے تھے یہ سوچتے ہوئے کہ شاید اہل ہند کو عقل آ جائے اور وہ اصنام پرستی چھوڑ کر خدا کی پرستش شروع کر دیں۔

جب اسلامی لشکر دریائے سندھ پر جسے دریائے اٹک بھی کہتے ہیں پہنچا تو اُنہوں نے دوسرے

کنارے پر جے پال کے شکست خوردہ لشکر کو مقیم دیکھا۔ ہندو دریائے سندھ کے پل کو منہدم کر رہے تھے اور اُنہوں نے وہ تمام ذرائع تباہ کر دیئے تھے جس سے اس عظیم الشان دریا کو عبور کیا جا سکے۔

چونکہ اسلامی لشکر شام کے وقت دریا کے کنارے پر پہنچا تھا اس لئے سلطان نے لشکر کو آرام کرنے کا حکم دے دیا۔ وسیع میدان میں خیمے نصب کر لئے گئے اور مسلمان فروکش ہو گئے۔ دوسرے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی سلطان نے لشکر کو کمر بستہ ہو کر دریا کے کنارے پر پہنچنے کا حکم دیا اور مجاہدین مسلح ہو کر کنارہ پر صف آرا ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں سلطان بھی آ گیا اور دریا کو دیکھنے لگا۔ نہایت عظیم الشان اور ذخار دریا تھا۔ بغیر کشتیوں کے اُسے پار کرنا ناممکن تھا۔ ابھی سلطان غور ہی کر رہا تھا کہ ہندوؤں نے ایک کشتی دریا میں ڈالی اور چند آدمی اُس میں سوار ہو کر سفید جھنڈا لہراتے ہوئے اسلامی لشکر کی طرف آنے لگے۔

سلطان اور تمام مسلمان سمجھ گئے کہ جے پال نے قاصد بھیجے ہیں۔ سلطان نے منصور کو حکم دیا کہ وہ قاصدوں کو عزت و احترام کے ساتھ اُس کے خیمہ پر لے آئے۔ یہ حکم دیتے ہی اُس نے لشکر کو کیمپ میں پہنچنے کا حکم دیا اور تمام لشکر وہاں سے ہٹ کر لشکر گاہ میں آ گیا۔ سلطان بھی لوٹ آیا۔ منصور سو آدمیوں کے ساتھ کنارہ پر کھڑا ہو کر کشتی کے ساحل پر آ جانے کا انتظار کرنے لگا۔

☆.....☆.....☆

منصور کے دیکھتے ہی دیکھتے کشتی کنارے پر آ لگی اور اُس میں سے ہندو اُتر کر ساحل پر آئے۔ منصور نے اُن کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ اُن میں بھیم تھا جے پال کا سپہ سالار اور دوسرا سیلادت تھا اُس کا وزیر اعظم۔ اور دو تین اور مشہور لوگ تھے۔ سیلادت نے منصور کو اور منصور نے سیلادت کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اُس نے حیرت انگیز نظروں سے منصور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم یہاں آ گئے تھے نوجوان؟''

منصور نے جواب دیا۔ ''جی ہاں!''

سیلادت: ''تم رہا کیسے ہو گئے تھے؟''

منصور: ''آپ کی بیٹی نے مہربانی کی تھی۔''

سیلادت کو اور بھی تعجب ہوا۔ اُس نے کہا۔ ''منوربانے.....؟ کہاں ہے وہ؟''

منصور: ''سلطان کے پاس ہے۔''

سیلادت نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''ایشور کا دھنباد ہے۔ ہم تو اُسے صبر کر چکے تھے۔ اچھا نوجوان! تم ہمیں سلطان کے حضور میں پہنچا دو۔''

منصور: ''چلئے!''

اب یہ سب اسلامی لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ تھوڑی ہی دُور چلے تھے کہ عزالدین معہ کچھ لشکر کے استقبال کے لئے کھڑا نظر آیا۔ سیلادت، بھیم اور دوسرے لوگوں پر سلطان کے اس اخلاق کا بڑا اچھا اثر پڑا اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ سلطان ہی نہیں بلکہ تمام مسلمان خوش خلقی کے پیکر اور نیکی کے مجسمے ہیں۔ یہ سب بڑھے اور کیمپ میں داخل ہوئے۔ سوار اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے اور منصور اور عز

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

الدین سیلادت وغیرہ کے ساتھ سلطانی خیمے پر پہنچے۔ ان تمام ہندوؤں نے نہایت ادب سے سلطان کو سلام کیا۔ اُس نے سلام کا جواب دے کر اُن کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب وہ بیٹھ گئے تب سلطان نے دریافت کیا۔ ''تم کس لئے آئے ہو؟''

سیلادت نے کہا۔ ''ہم اعلیٰ حضرت سے رحم و کرم کی درخواست کرنے آئے ہیں۔''

سلطان کے پاس محمود اور شمس الدین وغیرہ بیٹھے تھے۔ محمود نے سیلادت کی طرف دیکھا۔ سلطان نے کہا۔ ''کیا جے پال نے بدعہدی اور مکاری نہیں کی؟''

سیلادت: ''حضور! غلط فہمی کی وجہ سے غلطی ہوگئی۔''

سلطان: ''کیا غلط فہمی ہوئی تھی؟''

سیلادت: ''مہاراج کو اکثر ناعاقبت اندیشوں نے بہکا دیا تھا۔''

سلطان: ''کیا جے پال ناسمجھ بچہ ہے؟''

سیلادت: ''عالم پناہ! انسان کا شیطان انسان ہے۔ کہنے سننے سے اثر تو ضرور ہو ہی جاتا ہے۔''

سلطان: ''یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ جب وہ دب گیا تو اُس نے جان بچانے کے لئے جھوٹے وعدوں پر صلح کر لی اور جب لاہور پہنچا تو یہ سمجھ کر کہ مسلمان اُس کے ملک تک نہ پہنچ سکیں گے، بدعہدی پر آمادہ ہوگیا۔''

سیلادت: ''حضور والا! مہاراج نیک دل ہیں۔ جیسا لوگوں نے کہا، مان لیا۔ اُنہوں نے انجام پر غور نہ کیا تھا۔''

سلطان: ''مکار اور جھوٹے لوگ کبھی انجام پر غور نہیں کیا کرتے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ دِلّی، کالنجر، اجمیر اور قنوج کے راجاؤں نے اُس کی مدد کے لئے لشکر بھیجے اور وہ ان لشکروں کی کثرت پر پھول گیا۔''

سیلادت: ''یہ سچ ہے حضور! کہ ان راجاؤں کے لشکر آئے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ مہاراج کو بدعہدی کی ترغیب دی گئی۔''

سیلادت: ''مگر نیک دل اور ایماندار لوگ کبھی ایسی ترغیبوں میں نہیں آیا کرتے۔''

اس وقت تیج سنگھ، منورما اور رادھا بھی آگئیں۔ منورما سیلادت کو دیکھتے ہی دوڑی اور پتاجی کہہ کر اُس کے سینے سے جا لگی۔ سیلادت نے اُسے اپنی چھاتی سے لگا کر کہا۔ ''پتری!!''

سلطان کو معلوم ہو گیا تھا کہ منورما سیلادت وزیر اعظم کی بیٹی ہے۔ اب باپ اور بیٹی کی ملاقات سے اُس نے سمجھ لیا کہ وزیر اعظم ہی قاصد بن کر آیا ہے۔ کچھ دیر کے بعد منورما سیلادت کے سینے سے الگ ہو کر اُس کے پاس بیٹھ گئی۔ سیلادت تیج سنگھ اور رادھا کو وہاں دیکھ کر سمجھ گیا کہ منورما ان کی امداد سے مسلمانوں کو رہا کرا کر اُن کے ساتھ چلی آئی۔

اب سیلادت پھر سلطان کی طرف مخاطب ہوا اور اُس نے کہا۔ ''میں اعلیٰ حضرت کے رحم و کرم سے اپیل کرتا ہوں کہ ہم ہندوؤں پر عفو خسروانہ کیا جائے۔''

محمود نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہی الفاظ پہلے بھی اعلیٰ حضرت سے کہے گئے تھے۔ اور اعلیٰ حضرت نے مراحم خسروانہ سے کام لیا تھا۔ مگر عاقبت نا اندیش جے پال نے اُس کا جواب بد عہدی اور مکاری سے دیا۔ وہ پھر ہم سے فریب کرنا چاہتا ہے؟'' یہ کہتے کہتے شہزادہ کو جوش آ گیا اور اُس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

سیلادت نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا اور کچھ وقفہ کے بعد کہا۔ ''نہیں..... اب کوئی فریب نہ کیا جائے گا۔''

محمود: ''کیا ضمانت ہو سکتی ہے اس بات کا؟''

سیلادت: ''جو ضمانت آپ چاہیں۔''

محمود: ''پہلے بھی ضمانت دی گئی تھی۔ حلفیہ وعدے کئے گئے تھے۔''

سیلادت: ''لیکن اب ہم نے اس بدعہدی کا خمیازہ بھگت لیا ہے۔ اور اب کبھی بدعہدی کی جرات نہ ہوگی۔''

محمود: ''معاف کرنا! ذرا صاف گوئی سے کام لے رہا ہوں۔ مجھے..... اور مجھے ہی کیا، کسی مسلمان کو بھی ہندوؤں کے قول و فعل کا اعتبار نہیں رہا ہے۔''

سیلادت: ''مسلمانوں کو ہم دوش نہیں دے سکتے۔ خطا ہماری ہے۔ بدعہدی ہماری طرف سے ہوئی ہے۔ لیکن پرماتما بھی انسانوں کے قصور معاف کر دیتا ہے۔ آپ بھی ہماری ایک غلطی معاف کر دیں۔''

محمود: ''کیا تم اس بات پر یقین رکھتے ہو کہ خدا گناہوں اور غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے؟''

سیلادت: ''کیوں نہیں..... وہ بڑا دیالو (رحیم) ہے۔''

محمود: ''مگر تمہارے مذہب کی تعلیم تو یہ ہے کہ جو جیسے کرم (عمل) کرے گا، اُس کی سزا پائے گا۔ اور سزا جون بدلنے سے ملے گی۔ مثلاً انسان سے بندر، ریچھ، کتا، بلی، سور، گدھا، سانپ، بچھو اور خدا جانے کیا کیا بن جائے گا۔ کیا یہ سچ نہیں ہے؟''

سیلادت: ''یہ سچ ہے۔''

محمود: ''اور تمہاری کتابوں میں جو مذہبی بھی ہیں یہ بھی لکھا ہے کہ تمہارا ایشور کسی کا گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کرے تو ظالم ہے۔''

سیلادت نے سر کھجاتے ہوئے رُک رُک کر کہا۔ ''تو یہ بات بھی صحیح ہے۔''

محمود: ''پھر تمہارا پرماتما کیسے کسی کا قصور معاف کر سکتا ہے؟''

سیلادت اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ وہ جواب ہی کیا دیتا؟ خاموش رہ گیا۔ محمود نے پھر کہا۔ ''معزز ہندو! تم نے جو مذہب کی دیوار بنائی ہے، وہ ریت کی ہے۔ ان خام خیالوں کو چھوڑ دو۔ جب انسان کسی کو معاف کر سکتا ہے تو ایشور یا خدا کیوں معاف نہیں کر سکتا؟ وہ تو بڑی قدرت والا ہے۔ بڑا دیالو ہے۔ بڑا کرپا نِدھان ہے۔ سرب شکتی مان (قادر مطلق) ہے۔ اُسے سب کچھ اختیار

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ ہم اُس خدا کی پرستش کرتے ہیں جو ایک ہے۔ قادر مطلق رحیم و کریم ہے۔ علیم و بصیر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جب کوئی گناہ گار انسان عاجزی کرتا ہے تو اُس کی عبادت میں مصروف ہو جاتا ہے۔ وہ ایسا رحم دل ہے کہ فوراً اُس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ جون بدل کر انسانوں کو سزائیں نہیں دیتا۔ نہ اس طرح سے سزا مل سکتی ہے۔ اُس نے قیامت کا دن مقرر کر دیا ہے۔ اُسی روز تمام انسانوں سے اُن کے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا۔ نیکوں کو سورگ (بہشت) میں داخل کرے گا اور بدوں کو نرک (دوزخ) میں ڈال دے گا۔"

سیلادت: "یہ سچ ہے۔ خیر! ہمارے عقائد کچھ ہوں، ہم نے ان پر اپنے باپ دادا کو چلتے دیکھا، ہم بھی قائم ہیں۔ آپ سے ایک مرتبہ اور رحم و کرم کی التجا کرتے ہیں۔ آپ ہم پر مہربانی کریں۔

سلطان نے کہا۔ "میں تہیہ کر چکا ہوں کہ لاہور فتح کئے بغیر واپس نہ جاؤں گا۔"

محمود: "نہ صرف لاہور بلکہ جن راجاؤں نے جے پال کی مدد کی ہے، اُن تمام کو سزا[1] دیئے بغیر نہ رہوں گا۔"

سیلادت نے عاجزی کے لہجے میں کہا۔ "رحم دل سلطان! ہم کو تباہ نہ کیجئے۔ ہم برباد ہو جائیں گے۔ ہم کو رحم کر کے بچا لیجئے!"

سلطان: "چونکہ تم نے ہندوستان پر حملہ کرتے وقت ہندوستان کے باشندوں پر رحم نہیں کیا تھا۔ دوسرے ہمارے ساتھ بدعہدی کی۔ اس لئے تم پر رحم نہیں کیا جا سکتا۔ جے پال سے کہہ دو! کہ مردانہ وار لڑے۔"

سیلادت مایوس ہو گیا۔ منورما کا دل رحم و کرم سے بھر آیا۔ اُس نے سلطان سے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "عالم پناہ! میں کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں۔"

سلطان نے اُس کے معصوم چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہو بیٹی! کیا کہنا چاہتی ہو؟"

منورما: "حضور رحم کریں۔ جے پال کو معاف کر دیں۔"

سلطان نے سر جھکا لیا۔ وہ کچھ سوچنے لگا۔ سیلادت نے دیکھا کہ منورما کی بات کا سلطان کے دل پر اثر ہوا ہے۔ اُس نے اُس کی طرف مکرر سفارش کرنے کا اشارہ کیا۔ منورما نے کہا۔ "جہاں پناہ نے مجھے اپنی بیٹی بنایا ہے۔ آج آپ کی بیٹی ہندوستان کے لئے آپ سے بھیک مانگتی ہے۔" یہ کہتے ہی اُس نے ساڑھی کا آنچل پھیلا دیا۔

سلطان نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "منورما تم نے غضب کیا ہے۔ میں اپنے فرزند محمود کا کہا ٹال سکتا ہوں لیکن تیری بات نہیں ٹال سکتا۔ میں صلح کرنے پر تیار ہوں۔"

سیلادت خوش ہو گیا۔ اُس نے کہا۔ "سلطان کی جے ہو۔"

---

[1] شہزادہ محمود نے سلطان بن کر جس قدر بھی حملے ہندوستان پر کئے ان کی بنائے خاصت یہی تھی۔ جن راجاؤں نے جے پال کی مدد کی، اُس نے اُن پر حملے کئے۔ اور جو راجہ دوسرے راجاؤں کی مدد کرتے رہے، وہ اُن پر بھی حملے کرتا رہا۔ (صادق حسین صدیقی)

سلطان: "صلح ان شرائط پر ہو سکتی ہے کہ دریائے سندھ تک جہاں تک ہم بڑھ آئے ہیں، ہماری قلمرو رہے گی۔ اور پچاس ہاتھی اور دس لاکھ درہم جو جے پال نے پہلے دینے کا وعدہ کیا تھا، وہ ادا کرے اور اقرار کرے کہ کبھی مسلمانوں کی مخالفت نہ کرے گا۔"

سیلادت: "حضور! میں اس میں کچھ ترمیم پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

سلطان: "کیا؟"

سیلادت: "حضور! پشاور سے دریائے سندھ تک کا علاقہ پشاور تک قلمرو میں داخل کر لیں۔ اور چونکہ جنگ میں ہاتھی کام آ گئے۔ اب مہاراج کے پاس ہاتھی اس قدر نہیں رہے۔ لہٰذا ہاتھیوں کی معافی دی جائے۔ البتہ دس لاکھ درہم فوراً ہی ادا کر دیئے جائیں۔"

سلطان: "میں اس ترمیم کو منظور نہیں کر سکتا۔"

سیلادت نے پھر منورما کی طرف دیکھا اس غرض سے کہ وہ پھر سلطان سے سفارش کرے۔ منورما نے سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "عالم پناہ! اس ترمیم کو بھی اپنی بیٹی کے کہنے سے منظور فرما لیجئے۔"

سلطان نے منورما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "نہیں منورما! اس بات پر مجھے مجبور نہ کرو۔"

اب منورما نے شہزادہ محمود کی طرف دیکھا اور کہا۔ "بھائی جان! اپنی بہن کی طرف سے اب آپ سفارش کیجئے۔"

محمود نے پہلے منورما اور پھر سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جہاں پناہ! منورما کی اس سفارش کو بھی منظور فرما لیجئے۔"

سلطان نے منورما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! تم نے مسلمانوں پر بڑا زبردست احسان کیا ہے۔ تیری بات رد کرتے ہوئے دل دُکھتا ہے۔" پھر اُس نے سیلادت کو مخاطب کر کے کہا۔ "اپنی اس بیٹی کے کہنے سے مجھے تمہاری ترمیم منظور ہے۔ صلح نامہ لکھا لاؤ اور دس لاکھ درہم ساتھ لیتے آؤ!"

سیلادت نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "بہت بہتر ہے حضور!" پھر منورما سے کہا۔ "اب تو میرے ساتھ چل!"

منورما نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ "پتا جی! اب آپ مجھ کو بھول جائیں۔"

سیلادت نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تو اپنے وطن اور اپنے عزیزوں میں واپس نہیں جانا چاہتی؟"

منورما کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُس نے منہ پھیرتے ہوئے کہا۔ "نہیں۔"

سیلادت: "کیوں.....؟"

منورما: "مجھے سلطان نے اپنی بیٹی بنا لیا ہے۔"

سیلادت: "لیکن تو، تو ہندو ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

منورما: ''میں اب بندور ہنا نہیں چاہتی۔''
سیلادت: ''کیا تو مسلمان ہوگئی ہے؟''
منورما: ''ابھی نہیں ہوئی، مگر آج ہوتی ہوں۔ (سلطان سے) حضور! مجھ کو مسلمان کر لیجئے۔''
سیلادت: ''نہیں حضور! یہ بے وقوف اور پاگل لڑکی ہے۔''
سلطان: ''لیکن یہ بالغ ہے۔''
سیلادت: ''ہاں... بالغ تو ہے حضور!''
سلطان: ''تب تو یہ اپنے نیک اور بد کو خوب سمجھتی ہے۔ اور اسے مذہب تبدیل کرنے کا پو حق ہے۔''
سیلادت نے جوش اور غصہ میں آ کر کہا۔ ''کاش تو پیدا ہوتے ہی مر جاتی منورما!''
منورما: ''آپ یہی خیال کر لیں کہ میں مرگئی ہوں۔''
سیلادت کو بڑا افسوس ہوا۔ سلطان نے کہا۔ ''تم نے دیکھ لیا کہ تمہاری بیٹی پر جبر تو نہیں کیا گ''
سیلادت: ''نہیں۔ اس کی بدھی بھرشٹ ہوگئی ہے (عقل جاتی رہی ہے)''
سلطان نے منورما کو مسلمان کر لیا۔ منورما کے بعد تیج سنگھ اور رادھا بھی مسلمان ہو گئے۔ اُن مسلمان ہونے سے یوں تو سب کو مسرت ہوئی۔ مگر سب سے زیادہ خوشی منصور کو ہوئی۔ سیلادت ناخواستہ اُٹھا اور چلا گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

جب جے پال لمغان کے میدان سے شکست کھا کر پشاور میں آ کر ٹھہرا تھا، تب اُس نے سوا کو بھیج کر سیلادت کو لاہور سے بلوالیا تھا۔ دوسرے روز سیلادت دس لاکھ درہم اور صلح نامہ لے کر سلطان نے وہ صلح نامہ تو رکھ لیا اور اس کی نقل کروا کر اس پر اپنے دستخط کر کے سیلادت کے حوا دیا۔ اس طرح سے یہ تاریخی صلح ہوئی اور جے پال لالچ میں آ کر اپنی قلمرد کا کافی سے زیادہ حصہ لم سے پشاور تک کھو بیٹھا۔

سلطان کو معلوم ہو گیا تھا کہ منورما نے منصور کی وجہ سے مسلمانوں کو رہا کرایا۔ لہٰذا اُس نے کی شادی منصور کے ساتھ اور تیج سنگھ کی رادھا کے ساتھ کر دی۔

تیج سنگھ کے ہمراہی بھی مسلمان ہو کر سلطان ہی کے پاس رہ گئے۔ ان تمام کاموں سے فراغت پا کر سلطان سبکتگین فتح وظفر کے پرچم اُڑاتا غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ جے پال نے بھی واپسی کا اعلان کر دیا اور آہستہ آہستہ منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے اپنے دارالخلافہ (لاہور) پہنچ گیا۔

غزنی پہنچ کر سلطان سبکتگین نے تیج سنگھ کو دو ہزار سواروں پر افسر مقرر کر دیا۔ رادھا، منورما، تیج سنگھ اور دوسرے راجپوت غزنی میں نہایت فارغ البالی اور راحت و مسرت سے اپنی بقایا زندگی کے دن بسر کرنے لگے۔

ختم شد

fbooksfree.pk